اوضح التسہیل

لشرح ابن عقیل

(جلد دوم)

- مقدمۃ النحو
- شرح ابن عقیل کا بامحاورہ ترجمہ و تشریح
- اشعار کا بامحاورہ ترجمہ
- اشعار کی ترکیب
- اشعار کے مفرداتِ مشکلہ کی تشریح
- محلِ استشہاد کی وضاحت
- ضرورت کے مطابق شانِ ورود
- غیر ضروری طوالت سے اجتناب

تألیف

مفتی علی الرحمن فاروقی

مکتبۃ العلوم

دکان نمبر 9 سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03333227706

- اشعار کا بامحاورہ ترجمہ
- شرح ابن عقیل کا بامحاورہ ترجمہ و تشریح
- اشعار کے مفردات مشکلہ کی تشریح
- محل استشہاد کی وضاحت
- ضرورت کے مطابق شان ورود
- غیر ضروری طوالت سے اجتناب

تالیف
مفتی علی الرحمٰن فاروقی
فاضل و متخصص
جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن

مکتبۃ العلوم بنوری ٹاؤن
0333-3227706

نام کتاب .... اَوضَحُ التَّسہِیل (حصہ دوم)

مؤلف .... مفتی عطاء الرحمن فاروقی

ناشر .... مکتبۃ العلوم

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی

نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی

مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن، کراچی

ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی

درخواستی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

شمع بک ایجنسی، اردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

اوضح التسہیل لشرح ابن عقیل (جلد دوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض مؤلف	۵	۱۱	لا نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا	۳۰
۲	لا نفی جنس کے عمل کی شرائط	۷	۱۲	ظنّ و أخواتُها	۳۳
۳	لا کے اسم کا اعراب	۱۲	۱۳	ظنّ و أخواتُها اور اس کی قسمیں	۳۶
۴	شبہ مضاف کی تعریف	۱۲	۱۴	افعال قلوب متصرفہ کا تعلیق والغاء کے ساتھ خاص ہونا	۴۹
۵	شبہ مضاف کی مثالیں	۱۲	۱۵	تعلیق کی تعریف	۵۰
۶	لا کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب	۱۴	۱۶	الغاء کی تعریف	۵۰
۷	لا نفی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف	۱۵	۱۷	کہاں الغاء ہوتا ہے؟	۵۳
۸	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ میں پانچ وجہیں	۱۷	۱۸	وہ جگہیں جہاں تعلیق ہوتی ہے	۵۶
۹	لا پر ہمزہ استفہام کا آجانا	۲۶	۱۹	عَلِمَ، عَرَفَ اور ظَنَّ کا اتَّهَمَ کے معنی میں مستعمل ہونا	۵۸
۱۰	استفہام عن النفی کی مثال	۲۸	۲۰	رأی حلمیہ کی تعریف اور مثال	۵۹

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	صفحہ
۲۱	ظنّ کے باب میں قرینہ کے وقت دو مفعولوں کا حذف جائز ہے	۶۱	۳۲	فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے	۱۰۲
۲۲	تقول کا تظنّ کی طرح عمل کرنا	۶۵	۳۳	مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے	۱۰۳
۲۳	أعلم وَأرٰی	۷۱	۳۴	فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟	۱۰۴
۲۴	وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں	۷۱	۳۵	محصور فاعل اور مفعول کا حکم	۱۰۷
۲۵	فاعل کی تعریف	۸۳	۳۶	فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم	۱۱۲
۲۶	فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے	۸۵	۳۷	نائب فاعل کے احکام	۱۱۹
۲۷	فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اور اس میں اختلاف	۸۷	۳۸	قیلَ ،بیعَ کی تین وجہیں	۱۲۲
۲۸	قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے	۹۲	۳۹	مفعول بہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے	۱۲۷
۲۹	فعل کا مؤنث فاعل کی طرف مسند ہونا	۹۳	۴۰	اشتغال العامل عن المعمول	۱۳۵
۳۰	تاءِ تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟	۹۴	۴۱	ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی وضاحت	۱۳۶
۳۱	جب فاعل جمع واقع ہو	۱۰۰	۴۲	ما اضمر عاملہ کے مسائل کی پانچ قسموں کا ذکر	[illegible]

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	نمبر
۴۳	فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اور ان کی علامتیں	۱۵۱	۵۵	جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے	۱۸۵
۴۴	کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے	۱۵۷	۵۶	مؤکد لنفسہ ومؤکد لغیرہ کی تعریف	۱۹۰
۴۵	جو معنًی فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے	۱۶۰	۵۷	مفعول لہ کی تعریف اور اس کے نصب کی شرطیں	۱۹۳
۴۶	فضلہ کا حذف جائز ہے	۱۶۲	۵۸	ظرف، مفعول فیہ کی تعریف	۲۰۰
۴۷	تنازع کی بحث	۱۶۵	۵۹	ظرف کا عامل	۲۰۱
۴۸	تنازع میں اختلاف کی پوری تفصیل	۱۶۵	۶۰	مفعول معہ کی تعریف	۲۱۲
۴۹	مفعول مطلق کی تعریف	۱۷۶	۶۱	مفعول معہ کے واو کا ماقبل پر عطف	۲۱۵
۵۰	مصدر اصل ہے یا فعل	۱۷۸	۶۲	مستثنٰی باعتبار وجوہ اعراب	۲۱۸
۵۱	مفعول مطلق کی تین حالتیں	۱۷۹	۶۳	"الا" کا تاکید کیلئے مکرر آنا	۲۲۵
۵۲	مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں	۱۸۰	۶۴	استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ	۲۳۱
۵۳	مصدر مؤکد صرف مفرد ہوگا	۱۸۱	۶۵	لَیْسَ، خَلا، عَدَا، لا یکون، کے بعد مستثنٰی کا حکم	۲۳۷
۵۴	مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا	۱۸۳	۶۶	خَلا، عَدَا سے پہلے ما آ جائے تو اس کا حکم	۲۴۰

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	نمبر
۶۷	حاشا کا استعمال	۲۴۲	۷۵	مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا	۲۶۶
۶۸	حال کی تعریف	۲۴۶	۷۶	حال کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۲۶۸
۶۹	حال کی قسمیں	۲۴۷	۷۷	حال کی دو اور قسمیں	۲۷۳
۷۰	حال کبھی جامد بھی آتا ہے	۲۴۹	۷۸	حال میں اصل مفرد ہونا ہے	۲۷۶
۷۱	اکثر حال نکرہ ہوتا ہے	۲۵۱	۷۹	جملہ حالیہ میں واو کا آنا	۲۷۷
۷۲	ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے	۲۵۶	۸۰	تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں	۲۸۲
۷۳	وہ جگہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے	۲۵۶	۸۱	بعض جگہ تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے	۲۸۴
۷۴	حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا	۲۶۳	۸۲	تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۲۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہٖ اجمعین امّابعد۔

بندہ ربِّ ذوالجلال کا بڑا شکر گزار ہے کہ اس کے فضل وکرم سے ''اوضح التسھیل لشرح ابن عقیل'' کی پہلی جلد منظرِ عام پر آ کر حلقہ احباب وطلبہ میں مقبول ومشہور ہوئی اور مختلف حضرات نے ناچیز کی اس ادنیٰ کوشش کو سراہا۔

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

چونکہ پہلی جلد صرف سہ ماہی اور شش ماہی امتحان کے نصاب پر مشتمل تھی اس وجہ سے شدّت سے جلد ثانی کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی تاکہ مکمل نصاب کی پوری شرح تیار ہو سکے، اس لئے بندہ نے دورانِ تدریس اور خصوصًا سالانہ چھٹیوں میں اپنی بس کے مطابق اس کی تکمیل کردی۔ فَلِلّٰہ الحمد وماتوفیقی الاباللّٰہ۔

ربِّ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی سعی کو مقبول ومنظور فرما کر میرے، میرے والدین، تمام اساتذہ کرام، اقرباء واحباب سب کیلئے ذریعہ مغفرت وسامانِ نجات بنادے۔ وَمَاذٰلِکَ عَلَی اللّٰہ بعزیز۔

کتبہ

علی الرحمٰن فاروقی۔

مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد جونا مارکیٹ کراچی۔

۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الّتی لِنَفیِ الجنس

عَمَلَ إِنَّ اجْعَلْ لِلَافِی نَکِرَۃ
مُفْرَدَۃً جَاءَ تْکَ أَوْمُکَرَّرَۃ

ترجمہ:...... إنَّ کا عمل آپ لا کیلئے کردیں چاہے نکرہ مفردہ آجائے یا مکررہ۔

(ش) هذاهو القسم الثالث من الحروف الناسخة للابتداء، وهی ((لا)) التی لنفی الجنس، والمرادبها ((لا)) التی قصدبهاالتنصیص علی استغراق النفی للجنس کله.

وإنما قلت ((التنصیص)) احترازًا عن التی یقع الاسم بعدهامرفوعا، نحو: ((لارجل قائمًا))؛ فإنها لیست نصافی نفی الجنس؛ إذیحتمل نفی الواحد ونفی الجنس، فبتقدیر إرادة نفی الجنس لایجوز ((لا رجل قائمًا بل رجلان)) وبتقدیر إرادة نفی الواحد یجوز ((لارجل قائمًا بل رجلان)) وأما ((لا)) هذه فهی لنفی الجنس لیس إلا؛ فلا یجوز ((لارجل قائم بل رجلان))

وهی تعمل عمل ((إن)) ؛ فتنصب المبتدأ اسمًا لها، وترفع الخبر خبرًا لها، ولافرق فی هذاالعمل بین المفردة – وهی التی لم تتکرر – نحو: ((لاغلام رجل قائم)) وبین المکررة، نحو: ((لاحول ولاقوة إلا باللّٰه))

ولایکون اسمهاوخبرهاإلانکرة؛ فلا تعمل فی المعرفة، وماوردمن ذلک مؤول بنکرة، کقولهم: ((قضیة ولاأباحسن لها)) فالتقدیر: ولامسمّی بهٰذاالاسم لهاویدلّ علیٰ انّه معامل مُعَاملة النکرة وصفه بالنکرة کقولک ((لاأباحسن حلّا لالها))، ولایفصل بینها وبین اسمها؛ فإن فصل بینهماألغیت، کقوله تعالیٰ: ﴿لافیها غول﴾

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے حروف ناسخہ للابتداء کی دو قسمیں تفصیل سے گزر گئیں اب یہاں ان کی تیسری قسم بتارہے ہیں جو کہ لائے نفی جنس ہے۔

والمراد بها الخ:

لانفی جنس کے عمل کی شرائط

شارح رحمۃ اللہ علیہ یہاں لا کی تعیین فرمار ہے ہیں کہ یہاں مطلق لاَ مراد نہیں ہے بلکہ وہ لاَ مراد ہے جس سے مقصود پوری جنس کی نفی ہو اور جنس کی اس نفی میں وہ بالکل صریح ہو۔ درحقیقت یہاں شارح لانفی جنس کی تین شرطیں بتارہے ہیں۔

(۱)......پہلی شرط یہ کہ لا نافیہ ہو۔

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ منفی جنس ہو۔

(۳)......تیسری شرط یہ ہے کہ نفی بھی صراحت سے ہو۔

لہٰذا اگر لا نافیہ نہ ہو تو مذکورہ عمل نہیں کرے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔" لاتَحزَنْ اِنَّ اللّٰہ مَعَنَا " یہاں لا نافیہ نہیں بلکہ ناہیہ ہے اس لئے اس نے لانفی جنس والا عمل نہیں کیا۔

اسی طرح اگر نافیہ ہو لیکن جنس کی نفی کیلئے نہیں تب بھی یہ مذکورہ عمل نہیں کرے گا۔(یعنی انّ والا عمل نہیں کرے گا) بلکہ وہ لَیسَ کی طرح عمل کرے گا۔اسی طرح اگر وہ جنس کی نفی کیلئے ہو لیکن جنس کی نفی میں صریح نہ ہو تو پھر بھی اس میں انّ کا عمل نہیں ہوگا۔شارح رحمہ اللہ نے:

"والمراد بها "لا" الّتی قُصِدَ بها التنصیص علیٰ استغراق النفی للجنس کلّه"

کے ذریعہ ان آخری دو شرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وانما قلتُ التنصیص الخ:

شارح فرمارہے ہیں کہ میں نے تنصیص کا لفظ (جس کا مطلب یہ ہے کہ لانفی جنس میں صریح ہو) اس لئے استعمال کیا تاکہ احتراز ہو جائے اس لا سے جو نفی جنس کیلئے بھی آتا ہو اور واحد کی نفی کیلئے بھی آتا ہو۔جیسے " لاَ رَجُلٌ قائمًا " اب یہاں واحد کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی کھڑا نہیں اور دو کھڑے ہیں اور جنس آدمی کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کوئی آدمی کھڑا نہیں جب جنس کی نفی مراد ہو تو پھر "لارَجلٌ قائمًا بَلْ رَجُلان "نہیں کہہ سکتے اور واحد کی نفی کی

صورت میں کہہ سکتے ہیں، الغرض یہاں اس مثال میں چونکہ لانفی جنس میں صریح نہیں اس وجہ سے وہ "اِنّ" کی طرح عمل نہیں کررہا ہے۔

شارح کے قول: "و امّا لاھـذہ فھی لنفی الجنس لیس الاّ" کا بھی یہی مطلب ہے کہ یہ جو لا اِنّ کی طرح عمل کرتا ہے یہ صرف اور صرف جنس کی نفی کیلئے آتا ہے اور بس لیس الاّ سے مقصود تاکید ہے جیسا کہ شرح جامی ص ۶۹ میں ہے۔

یہ انّ کی طرح عمل کرتا ہے مبتدا کو اسم بنا کر نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے اس عمل کرنے میں مکرر اور غیر مکرر لا دونوں برابر ہیں غیر مکرّر کی مثال لاَغلامَ رَجلٍ قائمٌ اور مکرر کی مثال: لاَحولَ وَ لاَ قُوَّۃَ اِلاّبِاللّٰہ ہے۔

ولایکون اسمھاالخ:

شارح نے اس سے پہلے ضمناً لانفی جنس کے عمل کرنے کیلئے تین شرائط ذکر کی ہیں۔ یہاں چوتھی شرط بیان کررہے ہیں کہ اس کا اسم اور خبر دونوں نکرہ ہونگے اس لئے کہ لاصفت نکرہ کی نفی کیلئے وضع کیا گیا ہے لہٰذا اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہے اس صورت میں اس کا عمل لغو ہوگا اس پر شارح نے ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ......

" قَضِیّۃٌ وَلاَ ابَا حَسَنٍ لَھَا" (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا ایک حصّہ ہے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا تھا کہ یہ ایک فیصلہ ہے اور اس کیلئے کوئی ابو حسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کو حل کر سکے، پھر اس کے بعد یہ ہر مشکل مرحلہ میں کہا جانے لگا) میں "لا" نے معرفہ میں عمل کیا ہے اس کا جواب شارح نے دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ابا حسن سے خاص آدمی مراد نہیں ہے بلکہ ایک عام ابو حسن مراد ہے ای وَ لامُسمّٰی بھٰذا الاسم لَھَا (اس نام کا کوئی آدمی نہیں) اور چونکہ اس کی صفت نکرہ آتی ہے اس لئے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معہود آدمی یہاں مراد نہیں چنانچہ کہا جاتا ہے لاَ اَبَا حَسن حلاّلا لھا الخ

لیکن شارح کی تاویل صحیح نہیں اس لئے کہ ابو حسن کے نام سے لوگ تو بہت موجود ہیں لہٰذا یہ نفی صحیح نہیں۔

لہٰذا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں ابا حسن سے مراد اسم جنس ہے یعنی فیصلہ کرنے والا جو اس علم کا مشہور وصف ہے۔ ای لافیصَلَ لَھَا جس طرح کہا جاتا ہے لکلّ فرعون مُوسیٰ ای لکلّ مُبطل مُحِقٌّ۔

ولایفصل بینھا وبین اسمھا الخ:......

لائفی جنس کے عمل کیلئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کے اور اس کے اسم کے درمیان فاصلہ نہ ہو اگر فاصلہ ہوگا تو یہ عمل نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ لا عامل ضعیف ہے اور فاصلہ کی صورت میں قوی عامل عمل کرسکتا ہے نہ کہ ضعیف جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَافِيهَا غَوْلٌ"

فَانْصِبْ بِهَا مُضَافًا، او مُضَارِعَه
وَبَعْدَ ذَاكَ الْخَبَرَ اذْكُرْ رَافِعَه
وَرَكِّبِ الْمُفْرَدَ فَاتِحًا: كَلاَ
حَوْلَ وَلا قُوَّةَ ، والثّانی إجْعَلا
مرفوعًا او منصوبًا او مُرَكَّبًا
وَإنْ رَفَعْتَ اوّلاً لا تَنْصِبَا

ترجمہ:......پس آپ اس لاَ کے ذریعہ سے نصب دیں مضاف یا شبہ مضاف کو، اور اس کے بعد آپ خبر کو ذکر کردیں اس حال میں کہ آپ اس کو رفع دینے والے ہوں اور مفرد کو آپ مبنی برفتحہ کریں جیسے: لاحَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ ، اور دوسرے (یعنی تکرار لا کی صورت میں دوسرے اسم) کو آپ مرفوع بنادیں یا منصوب یا مبنی برفتحہ اور اگر آپ نے پہلے اسم کو (تکرار لا کی صورت میں) رفع دیا ہو تو دوسرے (اسم) کو نصب نہ دیں۔

(ش) لایخلو اسم ((لا)) [هذه] من ثلاثة أحوال؛ الحال الأول: أن یکون مضافا [نحو: ((لاغلام رجل حاضر))]. الحال الثانی: أن یکون مضارعا للمضاف أی مشابهًا له، والمراد به: کل اسم له تعلق بما بعده: إما بعمل، نحو: ((لاطالعاجبلا ظاهر، ولا خیرًا من زیدراکب))، وإما بعطف نحو: ((لاثلاثة وثلاثین عندنا)) ویسمى المشبه بالمضاف: مطولا، وممطولا، أی: ممدودًا وحکم المضاف والمشبه به النصب لفظًا، کما مثل، والحال الثالث: أن یکون مفردًا، والمراد به – هنا – ما لیس بمضاف، ولامشبه بالمضاف فیدخل فیه المثنیٰ والمجموع وحکمه البناء علیٰ ما کان ینصب به؛ لترکبه مع ((لا)) وصیرورته معها کالشیٔ الواحد؛ فهو معها کخمسة عشر، ولکن محله النصب بلا؛

لأنـه اسـم لهـا؛فـالـمـفـردالـذى لیـس بـمـثـنـى ولامـجـمـوع یبنى على الفتح؛لأن نصبـه بالفتحة نحو:((لاحول ولاقوة إلا بالله)) والمثنى وجمع المذكرالسالم یبنیان على ماكانا ینصبان بهـ–وهو الیـاء–نـحـو:((لا مسـلـمیـن لـكـ، ولامسـلـمین))فمسلمین ومسلمین مبنیان؛لتركبهمامع ((لا)) كمابنى((رجل)) [لتركبه]معها.

وذهـب الـكـوفیـون والزجاج إلى أن ((رجل)) فى قولكـ: ((لا رجل)) معرب، وأن فتحته فتحة إعراب،لافتحة بناء، وذهب المبرد إلى أن ((مسلمین)) و((مسلمین))معربان.

وأما جمع المؤنث السالم فقال قوم:مبنى على ما كان ینصب بهـ–وهو الكسر–فتقول: ((لا مسلماتِ لكـ))بكسر التاء ، ومنه قوله:

۱۰۹–إنَّ الشَّبَـابَ الَّـذى مَـجـدٌ عَـوَاقِبُـه
فیـه نَـلَـذُّ وَلالَـذَّاتِ لِـلـشّیـبِ

وأجازبعضهم الفتح ، نحو:((لا مسلمات لكـ))

وقـول الـمـصـنـف: ((وبـعـد ذاكـ الـخـبـراذكـررافعه))معناه أنه یذكرالخبربعداسم((لا)) مـرفـوعـا،والـرافـع لـه((لا))عـندالمصنف وجماعة [وعندسیبویه الرافع له لا]إن كان اسمهامضافًا أومشبهـابـالـمـضـاف،وإن كـان الاسـم مـفـردًافاختلف فى رافع الخبر؛فذهب سیبویه إلى أنه لیس مرفوعا ب((لا)) وإنماهومرفوع على أنه خبرالمبتدأ،لأن مذهبه أن((لا)) واسمهاالمفردفى موضع رفـع بالابتداء،والاسم المرفوع بعدهماخبرعن ذلكـ المبتدأ،ولم تعمل((لا))عنده فى هذه الصوة إلافى الاسـم،وذهـبِ الأخـفـش إلـى أن الخبرمرفوع بِ((لا))فتكون((لا))عاملة فى الجزأین كما عملت فیهمامع المضاف والمشبه به .

وأشـاربـقـولـه:((والثـانى اجعلا)) إلى أنه إذا أتى بعد((لا)) والاسم الواقع بعدهابعاطف ونكرة مـفردة وتكررت((لا)) نحو:((لاحول ولاقوة إلابالله)) یـجوزفیهماخمسة أوجه،وذلكـ لأن المعطوف علیه:إماأن یبنى مع((لا))على الفتح،أوینصب،أویرفع.

فإن بني معها على الفتح جاز في الثاني ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح ؛لتركبه مع ((لا)) الثانية، وتكون [لا] الثانية عاملة عمل إنَّ، نحو: ((لاحول ولا قوّة إلا بالله))

الثاني: النصب عطفًا على محل اسم ((لا)) وتكون ((لا)) الثانية زائدة بين العاطف والمعطوف، نحو: ((لاحول ولا قوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١٠ - لانَسَبَ اليومَ وَلاخُلَّةً
اتّسَعَ الخرقُ عَلَى الرَّاقِعِ

الثالث: الرفع، وفيه ثلاثة أوجه: الأول: أن يكون معطوفًا على محل ((لا)) واسمها؛ لأنهما في موضع رفع بالابتداء عند سيبويه، وحينئذ تكون ((لا)) زائدة، الثاني: أن تكون ((لا)) الثانية عملت عمل ((ليس))، الثالث: أن يكون مرفوعا بالابتداء، وليس للاعمل فيه وذلك نحو: ((لاحول ولاقوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١١ - هذالَعَمرُكُم الصَّغَارُ بعينه
لاأمَّ لِي .ان كَانَ ذاك .وَلااَبُ

وإن نصب المعطوف عليه جاز في المعطوف الأوجه الثلاثة المذكورة - أعني البناء، والرفع، والنصب - نحو: لاغلامَ رجلٍ ولاامرأةَ، ولَاامرأةٌ، ولاامرأةً.

وإن رفع المعطوف عليه جاز في الثاني وجهان: الأول: البناء على الفتح، نحو: ((لارجُلٌ ولا امرأةَ، ولا غلامُ رجل ولاامرأةَ، ومنه قوله:

١١٢ - فَلاَلَغوٌ وَلاَتَاثِيمَ فيهَا
وَمَافَاهُوا بِهِ ابدًا مُقِيمُ

والثاني: الرفع، نحو: ((لارجلٌ ولاامرأةٌ، ولاغلامُ رجل ولاامرأةٌ)).

ولا يجوز النصب للثاني؛ لأنه إنما جاز فيما تقدم للعطف على [محل] اسم "لاَ" و ((لا)) هنا ليست بناصبة؛ فيسقط النصب، ولهذا قال المصنف: ((وإن رفعت أولا لا تنصبا))

ترجمہ وتشریح:

لا کے اسم کا اعراب:

اس سے پہلے لانفی جنس کے عمل کی شرائط بیان ہوئیں۔اب یہ بتا رہے ہیں کہ جب یہ ساری شرائط پوری ہو جائیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس لا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف یا مفرد ہے۔(یعنی مضاف شبہ مضاف نہیں ہے) اگر لا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف ہے تو اس صورت میں نصب لفظاً ہوگا۔(یعنی معرب ہوگا) اور اگر مضاف' شبہ مضاف نہیں ہے تو اس کا اسم مبنی بر فتحہ ہوگا۔

واضح رہے کہ مفرد کبھی تثنیہ جمع کا مقابل ہوتا ہے اور کبھی مفرد وہ ہوتا ہے جو مضاف شبہ مضاف کے مقابل ہو یہاں مفرد سے یہی دوسرا مراد ہے۔لا کا اسم مضاف ہو اس کی مثال جیسے: لاغُلامَ رَجل حاضرٌ ،لاَ صَاحبَ عِلْمٍ ممقوتٌ، لاصاحب جُود مذمُوم یہاں غُلام' صاحب مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

شبہ مضاف کی تعریف:

شبہ مضاف ہر اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر تمام نہ ہوتے ہوں جیسے مضاف کے معنیٰ مضاف الیہ کے بغیر تمام نہیں ہوتے۔

شبہ مضاف کی مثالیں:

مرفوع کی مثال لاقبیحًافعلُه ممدُوحٌ، لاَحَسَنًاوجهُه مذموم' منصوب کی مثال لاَطالعًا جبَلاً ظاهرٌ، لاَمُفیضًاخیرَه مکروهٌ مجرور کی مثال لاخیرًا من زید راکبٌ ، لاخیرًا من زید عندنا ۔

شارح کے بیان کے مطابق شبہ مضاف ہر وہ اسم ہے جس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہو خواہ عمل کے ساتھ ہو۔(جس طرح مذکور مثالوں میں) یا عطف کے ساتھ جیسے: لاثلاثةً وثلا ثین عندنا، شبہ مضاف کو مطوّل، ممدود بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ماقبل کی مثالوں سے واضح ہے کہ شبہ مضاف میں مابعد کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور باقی رہتا ہے تو ایسا ہوا جیسا کہ کلام کا نی طویل ہے یا ممدود (طویل مطوّل، طوالت سے ہیں۔اور ممدود مدّ سے ہے بمعنی کھینچنا تینوں کی مراد ایک ہے)

والحال الثالث:

تیسری صورت یہ ہے کہ لا کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف شبہ مضاف نہ ہو (تثنیہ جمع چونکہ مضاف شبہ مضاف نہیں ہیں اس وجہ سے وہ بھی وہ بھی اس قسم کے مفرد کے حکم میں داخل ہونگے) اس کا حکم یہ ہے کہ معرب کی صورت میں اس پر جو حرکت جاری ہوتی تھی اسی حرکت پر یہ اب مبنی ہوگا۔

شارح رحمہ اللہ یہاں علّت کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ اسم لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہوگیا جس طرح ایک ہی شئ ہے تو جس طرح "خمسة عشر" باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اس طرح یہ اسم بھی لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔ (واضح رہے کہ بعض حضرات نے علّت بناء یہاں ترکیب ہی کو بنایا ہے کیونکہ فصل کی صورت میں یہ معرب ہوتا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے من استغراقیہ کے معنی کو جو کہ حرف ہے اور حرف کے معنی کو متضمن ہونے سے یہ حرف کے ساتھ مشابہ ہوگیا حرف کی طرح یہ بھی مبنی ہوگیا۔ چنانچہ سوال کیا جاتا ہے هَلْ مِنْ رجل فی الدار تو اس کا جواب دیا جاتا ہے لَارَجُلَ فی الدار ای لَامن رجل فی الدار مزید تحقیق حاشیة الخضری میں دیکھیں) اگر چہ یہ اسم محلاً منصوب ہے اس لئے کہ لانفی جنس کا اسم ہے۔

لہٰذا مفرد (مقابل تثنیہ وجمع) میں چونکہ معرب کی صورت میں اس پر نصب آتا ہے اس لئے اب وہ مبنی برفتحہ ہوگا جیسے: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاّ باللہ اور تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں معرب کی صورت میں حالت نصبی جری میں یاء ہوتی تھی اب وہ اسم لا بن کر مبنی بر یاء ہونگے جیسے لَا مسلِمَیْنِ لَکَ وَلَا مسلِمِیْنَ۔

وذهب الكوفيون الخ

کوفیین اور زجاج رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لَارَجلَ میں رجل مبنی برفتحہ نہیں بلکہ معرب ہے اور اس پر جو فتحہ ہے وہ بھی معرب والا ہے نہ کہ مبنی والا، اور تنوین کے بارے میں یہ حضرات کہتے ہیں کہ رجل میں تنوین کو تخفیف کے لئے حذف کیا گیا ہے لیکن یہ مسلک مرجوح ہے۔ اس لئے کہ تنوین تو غیر منصرف پر نہیں آتی اسی طرح اضافت کی صورت میں نہیں آتی یا علم کو ابن کے ساتھ موصوف کرنا ہو یا جب ساکن کے ساتھ مل جائے یا وقف مقصود ہو یا مبنی میں ہو۔ تو ان جگہوں میں صرف تنوین حذف ہوتی ہے رجل ان جگہوں میں سے نہیں۔

حضرت امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لا کا اسم اگر تثنیہ ہو یا جمع ہو تو اس صورت میں یہ معرب ہو کر منصوب بالیاء ہوگا اور مبنی نہیں ہوگا جس طرح جمہور نحویوں کا مسلک ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع اسماء کے خواص معظمہ میں سے ہیں اور بناء کیلئے شرط یہ ہے کہ مشابہت حرف کی وجہ خصوصیات اسماء میں سے کسی کے معارض نہ ہو اب یہاں اگرچہ (مسلمین لامُسْلِمَیْنَ) میں اسم کی حرف کے ساتھ مشابہت پائی جا رہی ہے (جس کی وضاحت پہلے گزر گئی) لیکن اس مشابہت میں یہاں معارض ہے کہ تثنیہ جمع خوصیات اسماء میں سے ہیں اور اصل اسماء میں معرب ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کسی کا خصوصیات اسماء میں سے ہونا اس وقت بناء پر اثر انداز ہوتا ہے جب وہ اسم پہلے سے مبنی ہو لیکن جو پہلے سے مبنی نہ ہو بعد میں کوئی سبب بناء پایا جائے تو اس صورت میں یہ معارض نہیں اور ہم یہ تو مانتے ہیں کہ اسم مذکور پہلے تثنیہ جمع تھا پھر اس پر لا داخل ہوا تو اس کی وجہ سے یہ خمسة عشر کے ساتھ ترکیب میں مشابہ ہو گیا تو مبنی ہو گیا۔ (وجہ گزر گئی)

واماجمع المؤنث السالم الخ:

لاَ کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب:

جمع مؤنث سالم کے اعراب کے بارے میں ایک قوم کی رائے یہ ہے کہ یہ مبنی ہوگا اسی حرکت پر جو حالت نصبی میں اس پر آتی ہے (جو کہ کسرہ ہے) چنانچہ لامُسْلِمَاتِ کہا جائے گا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۰۹-اِنَّ الشَّبَابَ الَّذی مَجدٌ عَوَاقِبُه
فِیهِ نَلَذُّ وَلَالَذَّاتِ لِلشَّیبِ

ترجمہ:...... بے شک وہ جوانی جس کے انجام اچھے ہوتے ہیں اسی میں ہم تلذذ حاصل کرتے ہیں اور بڑھاپے کی لذتیں نہیں ہوتیں۔

تشریح المفردات:

(شباب) جوانی، سن بلوغ سے تیس برس کی عمر تک کا زمانہ، ہر چیز کا اوّل، "شبابة النهار" دن کی ابتداء (منجد)

عزت وبلندگی، بزرگی، بلند زمین کو بھی کہا جاتا ہے (عواقب) ہر چیز کا آخر، انجام، اچھا بدلہ، اس کا مفرد عَاقِبَةٌ آتا ہے۔

(نَلَذّ) جمع متکلم کا صیغہ ہے لَذَّلَذَاذًا باب سمع سے آتا ہے کسی چیز کا لذیذ ہونا، خوش ذائقہ ہونا، مزے دار ہونا، اس کی صفت لذیذ آتی ہے۔ (نَلَذُّ) (بفتح النون واللام) اصل میں نَلْذَذُ تھا یہاں ذال کی حرکت لام کی طرف منتقل کردی ذال ساکن ہو گیا ذال کو ذال میں مدغم کیا، (لذّات) جمع ہے لذّۃ کی (شیب) اَشْیَب کی جمع ہے شباب سے اسم فاعل ہے لیکن غیر قیاسی طور پر یا فتح شین کے ساتھ شاب کا مصدر ہے۔ اس صورت میں مضاف حذف ہے ای لــــــذی الشیب۔

محل استشہاد:

(لالـذاتِ) محل استشہاد ہے یہاں لــذات جمع مؤنث سالم لانفی جنس کا اسم واقع ہوا ہے اور مبنی بر کسرہ ہے (ای علیٰ ماینصب بہ) اور یہی جمہور نحویوں کا مسلک ہے، بعض حضرات نے جمع مونث سالم میں لا کا اسم بنتے وقت مبنی بر فتحہ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس مسلک کو ابن ہشامؒ نے ''مغنی'' میں اور محقق رضی نے شرح کافیہ میں اور ابن مالکؒ نے اپنی بعض کتابوں میں ترجیح دی ہے۔ وَلکلّ وِجهۃٌ۔

وَقولُ المصنّف "وَبَعدَذالکَ الخبرَاذکُررافعه"

لا نفی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف:

وَبَعدَذالکَ الخبرَاذکُررافعه' مصنفؒ کے قول کی تشریح شارح فرمارہے ہیں کہ لا کے اسم کے بعد خبر مرفوع ذکر کیا جائے گا۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ اس خبر کو رفع دینے والا لا ہے یا نہیں۔

مصنفؒ اور امام اخفشؒ اور ایک جماعت کے نزدیک مطلقاً خبر کو رفع دینے والا '' لا '' ہے اور امام سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اسم ''لا'' مضاف یا شبہ مضاف ہو یعنی مبنی والی صورت نہ ہو تو اس کو رفع دینے والا ''لا'' ہے۔ اور اگر اسم مفرد ہو (مفرد سے مراد مقابل مضاف شبہ مضاف ہے اس کی تفصیل گزر گئی) تو اس کو رفع دینے والا '' لا'' نہیں بلکہ وہ اس لئے مرفوع ہے کہ وہ مبتدا کی خبر واقع ہے۔

شارحؒ سیبویہ رحمہ اللہ کے مذہب کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اسم مفرد ہو تو اس کو رفع دینے والا ''لا'' اس لئے نہیں کہ ان کے ہاں ''لا'' اور اس کا مفرد اسم مرفوع بالمبتدا کی جگہ پر ہیں اور ان دونوں کے بعد والا مرفوع

اسی مبتدا سے خبر ہے۔

واضح رہے کہ حاشیۃ الصبان میں سیبویہ رحمہ اللہ کے اس مسلک کی اس تفصیل کو شارحین کا تسامح قرار دیا ہے (جیسا کہ خود شارح ابن عقیل کو بھی نقل مذہب میں تسامح ہوا) اور کہا ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ حقیقت میں عامل صرف "لا" کے داخل ہونے سے پہلے والا مبتدا ہی ہے نہ کہ "مجموعہ لا واسم" یعنی جس طرح حرف ناسخ (لا) کے داخل ہونے سے پہلے خبر میں عامل مبتدا ہی تھا۔ اسی طرح حرف ناسخ کے دخول کے بعد بھی عامل وہی مبتدا رہے گا لیکن چونکہ "لا" بظاہر اس کا ایک جزء دکھائی دے رہا ہے اس وجہ سے شارحین نے "لا" اور اس کے اسم دونوں کے مجموعہ کو عامل بنایا۔

ثمرہ اختلاف:

مصنفؒ و اخفشؒ کے مسلک اور سیبویہؒ کے مسلک کا اثر "لا رجل ولا امرءۃ قائمان" والی ترکیب میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اخفش و مصنف رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ "لا" ہی خبر میں عامل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہاں دو عامل (پہلا "لا" اور دوسرا لا) آئے اور دو عاملوں کا ایک معمول پر آنا صحیح نہیں اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں "لا" خبر میں عامل نہیں اس وجہ سے دو عاملوں کا ایک معمول پر وارد ہونا واقع ہی نہیں ہوا۔

واشار بقوله والثاني اجعلاالخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ جب "لا" اور اس کے اسم کے بعد عاطف اور نکرہ مفردہ آجائے اور "لا" بھی مکرر ہو اس صورت میں پانچ وجہیں جائز ہیں۔

(ضمن میں یہ بات یاد رکھیں کہ ضمہ فتحہ کسرہ جب تاء کے ساتھ ہوتے ہیں تو حرکات اعرابیہ اور بنائیہ دونوں پر بولے جاتے ہیں)

اور جب بغیر تاء کے (ضم، فتح، کسر) ہوتے ہیں تو صرف حرکات بنائیہ پر بولے جاتے ہیں۔ یہاں شرح میں فتح کا لفظ بار بار آیا ہے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور رفع نصب جر صرف حرکات اعرابیہ پر بولے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو ان میں خاصا فرق نہیں کرتے۔ اس کے بعد شرح کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

لَاحَولَ ولاقُوّۃَ اِلاّباللّٰہ میں پانچ وجہیں

شارحؒ نے لاحول الخ کے اندر پانچ وجہوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لَاحَولَ وَلاقوۃ الاّ باللّٰہ میں شارح نے آٹھ وجہیں بتائی ہیں بایں طور کہ معطوف علیہ (حول) یا مبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا اور یا مرفوع۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو معطوف (قوۃ) میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر منصوب ہے تو بھی معطوف میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مرفوع ہے تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں اسی طرح ٹوٹل آٹھ ہو جاتی ہیں۔ حاشیۃ الخضری میں پانچ ذکر کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے مفرد (مقابل مضاف یا شبہ مضاف) کو ایک ہی شمار کیا ہے یعنی اگر معطوف علیہ مفرد مبنی برفتحہ ہو یا مرفوع ہو تو اس میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مفرد نہ ہو یعنی مضاف شبہ مضاف ہو اور منصوب ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ اسی طرح کر کے پانچ وجہیں ہوئیں۔

وذلک لان المعطوف علیہ الخ:

اب شارح لاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ میں مختلف وجوہات کی وضاحت وتفصیل بتا رہے ہیں۔

وجہ حصر یہ ہے کہ معطوف علیہ یا ''لا'' کے ساتھ مبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا یا مرفوع ہوگا۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو ثانی یعنی معطوف (قوۃ) کے اندر تین وجہیں جائز ہیں۔

۱......بناء علی الفتح جیسے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ الاّ باللّٰہ، علت بناء یہ ہے کہ یہ اسم لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہو گیا جس طرح ایک شئ، تو جس طرح اَحَدَعَشر، خَمسَۃَ عَشر باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اسی طرح یہ اسم بھی ''لَا'' کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے (اس سے پہلے بھی یہ بات ذکر ہو چکی کہ بعض حضرات نے علت بناء یہاں ترکیب کو بنایا ہے لیکن بعض دیگر حضرات نے یہاں بناء کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے مِـــنْ استغراقیہ حرفی کے معنی کو چنانچہ لاقوۃ الاّ باللّٰہ، لارجل فی الدار میں لامن قوۃ 'لامن رجل الخ مراد ہے حرف کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یہ بھی حرف کی طرح مبنی ہو گیا) اور اس صورت میں دوسرا الااِنّ کی طرح عمل کرے گا۔

۲......معطوف علیہ مبنی برفتحہ ہونے کی صورت میں ثانی یعنی معطوف میں نصب بھی جائز ہے اس صورت میں یہ ''لَا'' کے اسم کے محل قریب پر عطف ہوگا۔

یا یہ لفظ (حول) پر عطف ہوگا اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے ان کی حرکت ایک ہے اگر چہ صفت (یعنی اعراب وبناء) کے اعتبار سے مختلف ہے اور حول کی حرکت بھی ذات کے اعتبار سے نصب کے مشابہ ہے۔لہٰذا (قوۃ) اسی (حول) کے لفظ پر عطف ہوگا نیز اس صورت میں دوسرا الا زائد برائے تاکید نفی ہوگا۔مثال جیسے: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۰- لَا نَسَبَ الیَومَ وَلَاخُلَّةً
اتَّسَعَ الخَرقُ عَلَی الرَّاقِعِ

ترجمہ:......آج کے دن نہ نسب ہے اور نہ دوستی، پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی۔

تشریح المفردات:

(خُلّة) بضم الخاء وتشدید اللام بمعنی دوستی، (الخرق) سوراخ، شگاف (راقع) پیوند لگانے والا یقال رقَعَ الثوبَ اس نے کپڑے پر پیوند لگایا (منجد ص ۱۲۳۰) میں محاورات کے ذیل یہ بھی ذکر کیا ہے اتَّسَعَ الخرقُ عَلَی الرّاقع۔پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی یعنی فساد اتنا بڑھ گیا کہ اصلاح کا موقع جاتا رہا۔

محل استشہاد:

(لاخلّةً) محل استشہاد ہے یہاں معطوف میں نصب آیا ہے تفصیل اس کی گزر گئی۔

۳- الثالث:

معطوف علیہ مبنی بر فتح ہونے کی صورت میں معطوف میں رفع بھی جائز ہے۔جیسے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اب رفع کے جائز ہونے کی تین وجہیں شارح رحمہ اللہ بتا رہے ہیں۔

۱- پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ معطوف ہوگا لاَ اور اسم کے محل (بعید) پر، اس لئے کہ لا اور اس کا اسم موضع رفع میں مبتدا ہیں اس صورت میں دوسرا الا زائدہ ہوگا۔

۲......رفع کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرا لاَ لَیْسَ کی طرح عمل کرے گا اسم کو رفع خبر کو نصب' تو قوۃ بایں بناء مرفوع ہوگا۔

۳......تیسری وجہ یہ ہے کہ خود معطوف (یعنی قوۃٌ) مرفوع بنا بر مبتداء ہوگا اور لا کا اس میں کوئی عمل نہیں ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۱- هٰذا لَعَمْرُكُم الصَّغَارُ بعينه

لاَ أُمَّ لِي .ان كانَ ذاك .ولاابُ

ترجمہ:...... تمہاری زندگی کی قسم یہ تو سراسر ذلت ہے اور اگر معاملہ اسی طرح رہا تو نہ میری ماں ہے اور نہ باپ (یعنی میں ساقط النسب ہوں)

تشریح المفردات:

(ھا) حرف تنبیہ (ذا) اسم اشارہ مبتدا (الصغار) ذلت، اہانت یہ (ذا) کی خبر ہے۔ (لعمر کم) میں لام ابتداء کا ہے (عمر) بفتح العین زندگی (عمر کم) مبتداء اس کی خبر "قَسَمِیْ" وجوبًا محذوف ہے۔

شان ورود: ...... اس شعر کے شاعر کا نام بعض حضرات نے ضمرۃ بتایا ہے اور بعض نے اس کے علاوہ کہا ہے، ہوا یوں کہ شاعر کا ایک بھائی تھا جس کا نام "جندب" تھا اس کے والدین اور دیگر گھر والے شاعر کے بنسبت جندب کو زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ خاص پیار کرتے تھے جبکہ شاعر کے ساتھ ان کی محبت کم ہوتی تھی لیکن جب باری جنگ کی آتی تو شاعر کو بلاتے اور کھانے پینے کی ہوتی تو پھر اسی جندب کو بلاتے شاعر یہاں اس غیر منصفانہ رویہ کی سخت مخالفت کرتا ہے، اس سے پہلے کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عَجَبًا لِتِلكَ قَضِيَّةٌ وإقَامَتِي

فِيكُم علىٰ تلك القَضِيَّةِ اَعْجَبُ

فاذاتكُونُ كَرِيهة أُدْعىٰ لَهَا

واذايُحَاس الحَيْسُ يُدعىٰ جُنْدُبُ

محل استشہاد:

معطوف علیہ (یعنی "لا" کا اسم) مبنی بر فتحہ ہونے کی صورت میں معطوف (اب) محل رفع آیا ہے اس میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں رفع کی پائی جا سکتی ہیں۔

وان نصب المعطوف علیه الخ:

اور اگر معطوف علیہ کو منصوب پڑھا جائے تو معطوف میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں جائز ہیں۔

۱......مبنی برفتحہ ہونا جیسے: لا غلامَ رجلٍ وَ لا امرءۃَ اس صورت میں دوسرے لاَ کے ساتھ ترکیب کی وجہ سے یہ مبنی ہوگا۔(اس کی تفصیل گزر گئی کہ اکثر حضرات کے ہاں یہاں بھی بناء کی علت (مــن) استغراقی حرفی کے معنیٰ کو متضمن ہونا ہے)

۲......مرفوع ہونا، اس صورت میں لاَ ملغیٰ ہوگا جیسے: لا غلامَ رجلٍ ولا امرءۃٌ۔

۳......منصوب پڑھنا، اس صورت میں یہ عطف ہوگا پہلے لفظ پر جیسے: لا غلامَ رجلٍ ولا امرءۃً

وان رفع المعطوف علیه الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ ا-مبنی برفتحہ ہونا جیسے: لا رجلٌ ولا امرءۃَ، لا غلامٌ رجلٍ ولا امرءۃَ۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۱۲-وَلَا لَغْوٌ وَلَا تَأْثِيمَ فِيهَا
وَمَا فَاهُوا بِهِ ابَدًا مُقِيمُ

ترجمہ:......جنت میں نہ کوئی فضول بات ہوگی اور نہ الزام تراشی، جنت والے جس چیز کا اظہار کرینگے اس کو موجود پائینگے۔

تشریح المفردات:

(لغو) بے کار بات یا بغیر سوچے زبان سے نکلی ہوئی بات، (تاثیم) کسی پر گناہ کا الزام لگانا مجرد میں سمع سے ہے باب تفعیل کا مصدر ہے، (فاھوا) بمعنی نطقوا بولنا، (مقیم) بمعنی موجود۔

شان ورود:......امیۃ بن ابی الصلت اس شعر میں جنت کی تعریف کررہے ہیں یہ درحقیقت شارح نے دو مختلف شعروں کو جمع کیا ہے اصل شعر اس طرح ہیں۔

وَلاَ لَغْوٌ ولا تَاثِيمَ فيها

وَلاَحِينٌ فيها وَلاَمُلِيمُ

وفيها لحم ساهرة وبحر

وما فاهُوا به ابدًامقيم

(حين) ہلاکت (مليم) ملامت کرنے والے (ساهرة) وجه الارض۔

شاعر یہاں یہ کہنا چاہتا ہے کہ جنت ایسی بے ضرر جگہ ہے جہاں نہ تو کوئی فضول گوئی ہوگی اور نہ ایک دوسرے کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے گی اور نہ اس میں ہلاکت ہوگی نہ ملامت کرنے والا، خشکی اور سمندر کا گوشت ملے گا اور جنتی اپنی زبان پر جس چیز کا اظہار کرینگے اس کو اپنے سامنے تیار پائینگے۔ ربّ کریم نے کیا خوب فرمایا "ولكم فيها ماتشتهي انفسكم ولكم فيها ماتدّعون"

محلِ استشہاد:

لا مکرر آیا ہے اور معطوف علیہ (لغوٌ) کے مرفوع ہونے کی صورت میں معطوف (تاثیم) مبنی بر فتحہ ہے۔

والثانى الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز تھیں ایک بناء علی الفتح جس کا ذکر گزر چکا، دوسری وجہ رفع ہے جیسے: لاَرَجلٌ وَلاَ امرءةٌ، لاَغلاَمُ رجل ولاامرءةٌ

اس صورت میں دوسرا لا لیس کی طرح عامل ہوگا یا زائد ہو کر معطوف ماقبل مرفوع پر عطف ہوگا۔

ولايجوز النصب:

شارح فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے اسم میں نصب جائز نہیں اس لئے کہ لاَحَولَ وَلاقوّةَ میں دوسرے میں نصب جائز تھا اس لئے کہ وہاں اس کو لا کے اسم کے محل قریب پر عطف کیا تھا اور یہاں تو لا ناصبہ ہی نہیں۔ اسی لئے مصنف نے فرمایا "وَانْ رَفعتَ اوّلاً لاتَنصِبَا"

وَمُفْرَدًا نَعْتًا لِمَبْنِيّ يَلِي

فَافْتَحْ ، اوانْصِبَنْ أوارْفَعْ تَعْدِلِ

ترجمہ:......اور مفرد صفت اگر مبنی کے ساتھ آجائے تو اس کو آپ فتحہ دیں یا نصب یا رفع (آپ جو بھی کرینگے) آپ عدل (انصاف) سے کام لینگے۔

(ش) إذا كان اسم ((لا)) مبنيا، ونعت بمفرد يليه-أي لم يفصل بينه وبينه بفاصل-جاز في النعت ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح؛لتركبه مع اسم((لا)) نحو:((لا رجل ظريف))

الثاني: النصب،مراعاةً لمحل اسم ((لا))نحو:((لا رجل ظريفا))

الثالث: الرفع، مراعاة لمحل ((لا)) واسمها؛لأنهما في موضع رفع عند سيبويه كما تقدم، نحو:((لا رجل ظريف))

ترجمہ وتشریح:

لاَ کے اسم کے ساتھ صفت کا آجانا:

اگر لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہو اور اس کے ساتھ بالکل متصل نعت (صفت) آجائے تو اس نعت میں تین وجہیں جائز ہیں۔

(۱) بناء علی الفتح جیسے: لاَرَجُلَ ظَرِيفَ (یہاں ظریف صفت واقع ہے رَجُلَ مبنی برفتحہ کیلئے) لاَ کے اسم کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے یہ بھی مبنی برفتحہ ہوگا۔

(۲) نصب بھی جائز ہے اسم لاَ کے محل کی رعایت کرتے ہوئے جیسے: لاَرَجُلَ ظَرِيفًا یہاں ظریفًا میں نصب آیا ہے اس لئے کہ "لا" کے اسم کیلئے صفت واقع ہے جو کہ محلًا منصوب ہے۔

(۳) رفع بھی جائز ہے جیسے لاَ رَجُلَ ظَرِيفٌ لیکن یہ وجہ صرف سیبویہ رحمہ اللہ کے مسلک پر صحیح ہوگی اس لئے کہ ان کے ہاں لا اپنے اسم سمیت موضع رفع میں ہے لہٰذا اس کی صفت بھی مرفوع ہوگی۔

وَغَيْرَ مَا يَلِي، وَغَيْرَ الْمُفْرَدِ
لاَتَبْنِ ،وَانْصِبْهُ أوِالرَّفْعَ اقْصِدْ

ترجمہ:......اور جو صفت (اپنے موصوف کے ساتھ) ملی نہ ہو یا مفرد نہ ہو تو اس کو آپ مبنی نہ کریں اور اس کو نصب دیں یا رفع کا قصد کریں۔

(ش) تقدم في البيت الذي قبل هذا أنه إذا كان النعت مفردًا، والمنعوت مفردًا، ووليه النعت، جاز في النعت ثلاثة أوجه، وذكر في هذا البيت أنه إن لم يل النعت المفرد المنعوت المفرد، بل فصل بينهما بفاصل، لم يجز بناء النعت، فلا تقول: ((لا رجل فيها ظريف)) ببناء ظريف، بل يتعين رفعه نحو: ((لا رجل فيها ظريف)) أو نصبه، نحو: ((لا رجل فيها ظريفًا)) وإنما سقط البناء على الفتح لأنه إنما جاز — عند عدم الفصل — لتركب النعت مع الاسم، ومع الفصل لا يمكن التركيب، كما لا يمكن التركيب إذا كان المنعوت غير مفرد، نحو: ((لا طالعا جبلا ظريفا)) ولا فرق — في امتناع البناء على الفتح في النعت عند الفصل — بين أن يكون المنعوت مفردًا، كما مثل، أو غير مفردٍ.

وأشار بقوله: ((وغير المفرد)) إلى أنه إن كان النعت غير مفرد — كالمضاف والمشبه بالمضاف — تعين رفعه أو نصبه؛ فلا يجوز بناؤه على الفتح، ولا فرق في ذلك بين أن يكون المنعوت مفردًا أو غير مفرد، ولا بين أن يفصل بينه وبين النعت أو لا يفصل؛ وذلك نحو: ((لا رجل صاحب بر فيها، ولا غلام رجل فيها صاحب بر))

وحاصل ما في البيتين: أنه إن كان النعت مفردا، والمنعوت مفردًا، ولم يفصل بينهما؛ جاز في النعت ثلاثة أوجه، نحو: ((لا رجل ظريفَ، وظريفًا، وظريفٌ)) وإن لم يكن كذلك تعين الرفع أو النصب، ولا يجوز البناء.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ جب نعت (صفت) مفرد ہو اور منعوت موصوف بھی مفرد ہو اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں تو نعت میں تین وجہیں جائز ہیں اور اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر نعت منعوت (مفرد) ایک دوسرے کے ساتھ متصل نہ ہوں بلکہ ان کے درمیان فاصل آ جائے تو اس صورت میں نعت کو مبنی بنانا جائز نہیں۔ لہٰذا لاَ رَجُلَ فیها ظریفَ پڑھنا صحیح نہیں بلکہ ظریفٌ بالرفع اور ظریفًا بالنصب پڑھا جائے گا۔

(شارح رحمہ اللہ کے نزدیک) یہاں بناء علی الفتح اس لئے صحیح نہیں کہ عدم فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح کے جواز کی وجہ یہ تھی کہ یہاں نعت اور اسم میں ترکیب آ رہی تھی تو ترکیب کی وجہ سے خمسَةَ عشر کی طرح دونوں مبنی قرار دیئے گئے اور فاصلہ آنے کی صورت میں چونکہ ترکیب ختم ہوئی اس لئے بناء بھی جاتی رہی (بناء کی وجہ ترکیب کو بنانے کا

ذکر شروع میں گزر گیا)

کمالا یمکن الخ:

یہاں پر یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح لاَرَجُلَ فیھا ظریفًا میں ترکیب ممکن نہیں اسی طرح ترکیب ممکن نہیں جب منعوت غیر مفرد ہو (یعنی مضاف شبہ مضاف ہو) جیسے: لاطَالعًا جَبَلاً ظریفًا.

ولافرق الخ:

فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح ممنوع ہے چاہے منعوت مفرد ہو یا غیر مفرد۔

واشار بقوله الخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر نعت مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو تو اس صورت میں رفع یا نصب متعین ہیں اور بناء علی الفتح اس میں بھی جائز نہیں چاہے منعوت مفرد ہو یا نہ ہو فاصلہ ہو یا نہ ہو جیسے: لاَرَجُلَ صَاحِبَ برّ فیھا لاغُلامَ رَجلٍ فیھا صاحبَ برّ۔

والعطفُ أن لم تتكرّر "لا" احكُما
لَهُ بِمَا للنّعتِ ذِی الفَصْلِ انتمٰی

ترجمہ:..... اگر عطف مکرّر نہ ہو تو آپ اس کو وہ حکم دیں جو اس نعت کی طرف منسوب ہے جس کے درمیان فصل ہو۔

(ش) تقدّم أنه إذا عُطِفَ علی اسم "لا" نكرة مفردة، وتكررتْ "لا" یجوز فی المعطوف ثلاثة أوجه: الرفع، والنصب، والبناء علی الفتح، نحو: ((لا رجل ولا امرأة، ولا امرأة، ولا امرأةً)) وذكر فی هذا البیت أنه إذا لم تتكرر ((لا)) یجوز فی المعطوف ماجاز فی النعت المفصول، وقد تقدم فی البیت الذی قبله أنه یجوز فیه: الرفع، والنصب، ولا یجوز فیه البناء علی الفتح؛ فتقول: ((لا رجل وامرأةٌ، وامرأةً، ولا یجوز البناء علی الفتح، وحكی الأخفش: ((لا رجل وامرأةَ)) بالبناء علی الفتح، علی تقدیر تكرر ((لا)) فكأنه قال: ((لا رجل ولا امرأة)) ثم حذفت ((لا))

وکذلک إذا کان المعطوف غیر مفرد لایجوز فیه إلاالرفع والنصب، سواء تکررت ((لا)) نحو: ((لارجل ولاغلام امرأة)) أو لم تتکرر، نحو: ((لارجل وغلام امرأة.

هذا کله إذا کان المعطوف نکرة؛ فإن کان معرفة لا یجوز فیه إلا الرفع، علی کل حالٍ، نحو: ((لارجل ولازید فیها))، أو ((لارجل وزید فیها))

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ اگر لاَ کے اسم پر نکرہ مفردہ معطوف ہو اور " لا " مکرّر ہو تو معطوف میں تین وجہیں جائز ہیں، رفع، نصب، بناء علی الفتح۔ اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر لا مکرّر نہ ہو تو معطوف میں بھی وہی جائز ہے جو نعت مفصول میں جائز تھا۔ یعنی رفع اور نصب 'اور بناء علی الفتح جائز نہیں۔ چنانچہ لاَرَجلَ وامرءٌ ة وامرء ةً پڑھا جائے گا۔ امام اخفش رحمہ اللہ اس صورت میں بھی بناء علی الفتح کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے ہاں یہاں لا مقدّر ہے تقدیر عبارت یوں ہے لاَرَجُلَ وَلاامرءَ ةَ پھر لا کو حذف کیا گیا۔

اسی طرح حکم اس صورت میں بھی ہے جب معطوف مفرد نہ ہو یعنی مضاف اور شبہ مضاف ہو جیسے: لاَرَجُلَ وَلاغُلام امرء ة اور " لاَرَجُلَ وغلامَ امرء ة" یعنی کہ اس میں "لا" کے مکرر ہونے نہ ہونے کی وجہ سے فرق نہیں آتا بلکہ معطوف غیر مفرد کی صورت میں بھی صرف رفع اور نصب جائز ہے۔

هذا کله الخ :

شارح فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب معطوف نکرہ ہو اگر معطوف معرفہ ہو تو اس میں صرف رفع جائز ہے چاہے " لا" مکرر ہو یا نہ ہو۔

وَاعْطِ لاَمَعَ همزةِ استفهام
مَا تَستَحِقُّ دُونَ الاستفهام

ترجمہ:...... لاَ جب ہمزہ استفہام کے ساتھ ہو تو اس کو آپ وہی عمل دیں جس کا یہ بغیر استفہام کے مستحق تھا۔

(ش) إذا دخلت همزة الاستفهام على ((لا)) النافية للجنس بقيت على ما كان لها من العمل، وسائر الأحكام التي سبق ذكرها، فتقول: ((ألا رجل قائم، وألا غلام رجل قائم، وألا طالعا جبلا ظاهر)) وحكم المعطوف والصفة — بعد دخول همزة الاستفهام — كحكمها قبل دخولها.

هكذا أطلق المصنف — رحمه الله تعالى — هنا، وفي كل ذلك تفصيل وهو: أنه إذا قصد بالا ستفهام التوبيخ، أو الاستفهام عن النفي؛ فالحكم كما ذكر، من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أحكام العطف، والصفة، وجواز الإلغاء.

فمثال التوبيخ قولك: ((ألا رجوع وقد شبت؟ ومنه قوله:

۱۱۳ — ألا ارعواء لمن ولت شبيبته
وآذنت بمشيب بعده هرم

ومثال الاستفهام عن النفي قولك: ((ألا رجل قائم؟، ومنه قوله:

۱۱۴ — ألا اصطبار لسلمى أم لها جلد
إذا ألاقي الذي لاقاه أمثالي

وإذا قصد بألا التمني: فمذهب المازني أنها تبقى على جميع ما كان لها من الأحكام، وعليه يتمشى اطلاق المصنف، ومذهب سيبويه أنه يبقى لها عملها في الاسم، ولا يجوز إلغاؤها، ولا الوصف أو العطف بالرفع مراعاة للابتداء.

ومن استعمالها للتمني قولهم: ((ألا ماء باردًا)) وقول الشاعر:

۱۱۵ — ألا عمر ولى مستطاع رجوعه
فيرأب ما أثأت يد الغفلات

ترجمہ وتشریح:

لا پر ہمزہ استفہام کا آ جانا:

اس سے پہلے اس " لا " کی بات چل رہی تھی جو ہمزہ کے استفہام کے بغیر ہو اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس لا پر اگر شروع میں ہمزہ استفہام آ جائے تو اس کی وجہ سے اس کے عمل میں فرق آئے گا یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں شارح

فرماتے ہیں کہ مصنف کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمزہ استفہام کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اس کے عمل پر کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ پہلے جیسا عمل تھا ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے بعد بھی وہی عمل ہوگا لیکن بقول شارح اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس استفہام سے مقصود توبیخ ہو یا استفہام نفی سے ہو تو پھر حکم میں پہلے کی طرح ہے اور اگر مقصود اس استفہام سے تمنی ہو تو اس میں اختلاف ہے مازنی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عمل وہی ہوگا یعنی لائے نفی جنس کا عمل اور یہی مصنفؒ کے کلام کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور لا کو ملغیٰ قرار دینا اس کی صفت یا معطوف پر رفع دینا جائز نہیں ہے۔

توبیخ کی مثال:

" الا رُجُوعَ وَقَدْ شِبْتَ" کیا ابھی تک آپ باز نہیں آئے حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے؟ یہاں استفہام سے مقصود توبیخ ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۳ - الا ارعواءَ لِمَنْ وَلَّتْ شَبِيْبَتُهُ

وَآذَنَتْ بِمَشِيْبٍ بَعْدَهُ هَرَمُ

ترجمہ:.....کیا گناہ سے باز آنا اب بھی نہیں ہے اس شخص کیلئے جس کی جوانی چلی گئی اور اس جوانی نے خبر دار کیا ایسے بڑھاپے پر جس کے بعد قوت ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح المفردات:

(ارعواء) اِرْعَوٰی یَرْعَوِیْ ارعِوَاءً باب افعلال کا مصدر ہے باز رہنا، رک جانا (شبیب) جوانی (مشیب) بڑھاپا (هرم) قوت کا ختم ہو جانا' جوانی کا چلا جانا۔

محل استشہاد:

(الارعواء) محل استشہاد ہے یہاں لانفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہے چونکہ استفہام سے مقصود توبیخ ہے اس لئے لانفی جنس کا عمل اور اس کے متعلق احکام بحال ہیں۔

استفهام عن النفی کی مثال:

اَلاَ رَجُلَ قائمٌ ہے یہاں بھی لا نفی جنس کا عمل برقرار ہے۔اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۴-اَلااصطبارَ لسلمیٰ اَمْ لَهَا جَلَدٌ

إذا اُلاقِی الذی لاَقَاہ امثالی

ترجمہ:.....کیا سلمیٰ صبر نہیں کرے گی یا وہ برداشت کرلے گی جب میں ملوں اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ مجھ جیسے لوگ ملے ہیں۔(یعنی جب میری موت آئے گی تو سلمیٰ صبر کرلے گی یا جزع وفزع سے کام لے گی اور موت ایسی حقیقت ہے کہ سب لوگوں کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے)

تشریح المفردات:

(اصطبار) باب افتعال کا مصدر ہے اصل میں اصتبار تھا قاعدہ کے مطابق باب افتعال کی تاء کو طاء سے تبدیل کیا اس لئے کہ فاء کلمہ کے مقابلہ میں ص ہے (جیسا کہ صرف کی کتابوں میں ذکر ہے) (سلمیٰ) شاعر کی بیوی کا نام ہے۔ (جلد) صبر واستقلال وبرداشت، کرُم کے باب سے ہے۔(اُلاقی) باب مفاعلہ سے واحد متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے۔(لاقاہ) لاقیٰ واحد مذکر غائب ماضی معروف از باب مفاعلہ۔(امثالی) مثل کی جمع ہے بمعنی نظیر ومشابہ۔

محلِ استشہاد:

(الااصطبار) محل استشہاد ہے یہاں بھی چونکہ لانفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور مقصود استفہام عن النفی ہے اس لئے لانفی جنس کا عمل برقرار ہے۔(اس کے بعد کی شرح کی وضاحت پہلے گزر گئی ہے)

ومن استعمالها للتمنّی قولهم:

لانفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو اور مقصود اس سے تمنّی ہو اس کی مثال ہے اَلاَ ماءَ ماءً بارِدًا (کاش کہ ٹھنڈا پانی ہوتا) اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۵-اَلاَ عُمْرَ وَلّٰی مُستطاعٌ رُجُوعُه

فیرأب ما أثْاَتْ یَدُ الغفلات

ترجمہ:...... کیا جو عمر پھر گئی ہے اس کا لوٹنا ممکن ہے تاکہ وہ اصلاح کرے اس کی جس کو غفلتوں کے ہاتھ نے خراب و برباد کیا ہے۔ (یعنی کاش وہ عمر لوٹ آئے)۔

تشریح المفردات:

(عُمر) سے انسان کی عُمر ہی مراد ہے (وَلّٰی) تولیۃً باب تفعیل سے پھر جانا، (مستطاع) باب استفعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، استطاعت والا ہونا، کسی چیز کا ممکن ہونا۔ (یرأب) ٹھیک کرنا، نقصان کی تلافی کرنا، اصلاح کرنا (اثأت) باب افعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے خراب کرنا، فاسد کرنا، (الغفلات) غفلۃ کی جمع ہے غفلتوں کو کہا جاتا ہے۔

محلِّ استشہاد:

''الاعُمرَ'' محلّ استشہاد ہے یہاں لا نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے اور مقصود اس استفہام سے تمنّی ہے مازنی رحمہ اللہ اور مصنفؒ کے ہاں یہاں بھی لا نفی جنس اپنا پورا عمل کرے گا عُمر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی مقدر ہے ای اَلاعُمر مَوْجُودٌ جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں (یعنی جب استفہام سے مراد تمنّی ہو) لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور خبر کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ اسم اس کے لئے بمنزلہ مفعول کے ہو جائے گا اور کلام تام ہو جائے گا۔ مثلاً: الاعُمر، الاماءَ سے مراد اَتَمَنّٰی عمرًا، اَتَمَنّٰی ماءً ہے یہاں نہ اس کی لفظاً خبر ہے اور نہ تقدیرًا۔

وَشَاعَ فِی ذَاالْبَابِ اِسْقَاطُ الْخَبَرْ

إذاالْمُرَادُ مَعَ سُقُوطِهِ ظَهَرْ

ترجمہ:...... اور اس (لانفی جنس کے) باب میں خبر کا ساقط کرنا شائع ہے جب اس کے ساقط ہونے کے ساتھ مراد ظاہر ہو۔

(ش) إذادل دليل على خبر (لا) النافية للجنس وجب حذفه عندالتميميين والطائين، وكثر حذفه عند الحجازيين، ومثاله أن يقال: هل من رجل قائم؟ فتقول: ((لا رجل)) وتحذف الخبر – وهوقائم – وجوبًا عندالتميميين والطائيين، وجوازًا عندالحجازيين، ولافرق في ذلک بين أن يكون الخبرغير ظرف ولاجارومجرور، كمامثل، أوظرفًا أوجارًا ومجرورًا، نحوأن يقال: هل عندک رجل؟ أوهل في الدار رجل؟ فتقول: ((لا رجل))

فإن لم یدل علی الخبر دلیل لم یجز حذفه عند الجمیع، نحو قوله ﷺ ((لا احد اغیر من اللّٰه)) وقول الشاعر:

۱۱۶ -وَلاَ کَرِیمَ مِنَ الْوِلْدَانِ مَصْبُوحُ

وإلی هذا أشار المصنف بقوله: ((إذا المرادُ مَعْ سقوطه ظهر)) واحترز بهذا مما لا یظهر المراد مع سقوطه فإنه لا یجوز حینئذ الحذف کما تقدم.

ترجمہ وتشریح:

لائے نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا:

جب لائے نفی جنس کی خبر پر کوئی دلیل موجود ہو تو تمیمین کے ہاں اس کا حذف واجب ہے اور حجازیین کے ہاں اس کا حذف کثیر ہے جیسا کہ کہا جائے هَلْ مِنْ رَجُلٍ قائم چونکہ سوال میں قائم کا ذکر ہے اس لئے تمیمین کے ہاں جواب میں اس کو حذف کیا جائے گا۔ چنانچہ لَا رَجُلَ کہا جائے گا اور حجازیین کے ہاں اس کا حذف جوازی ہے۔

ولافرق الخ:

تفصیل مذکور میں حذف کیلئے خبر کا غیر ظرف اور غیر جار مجرور ہونا ضروری نہیں یعنی اگر خبر ظرف یا جار مجرور ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کو حذف کیا جا سکتا ہے۔

فان لم یَدُلّ الخ:

لیکن اگر خبر پر کوئی دلیل دلالت نہ کرے تو اس کا حذف سب کے ہاں صحیح نہیں جیسے جناب نبی اکرم ﷺ کا قول ہے: لَا اَحَدَ اغیرُ من اللّٰہ (کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا ہو) اب یہاں لَا اَحَدَ من اللّٰہ کہا جائے تو صحیح نہیں کیونکہ اس کی خبر اغیر پر کوئی دلیل نہیں۔

خبر کے حذف پر دلیل نہ ہونے کی ایک اور مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۶ -وَلاَ کَرِیمَ مِنَ الْوِلْدَانِ مَصْبُوحُ

ترجمہ:...... (جب دودھ دینے والی اونٹنیوں سے ان کی دودھ روکنے کی تھیلیاں پھینک دی جاتی ہیں) اور کوئی بچہ شرفاء میں سے نہیں ہوتا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو (ایسے وقت میں ہم اپنے مہمانوں کیلئے اونٹنیوں کو ذبح کرتے ہیں)

تشریح المفردات: (مکمل شعر اس طرح ہے)

اذا اللقاحُ غدَتْ مُلْقَی اِصرَّتُهَا
وَلاَ کَرِیمَ مِنَ الوِلدان مصبُوح

اس شعر میں (لقاح) لَقُوح کی جمع ہے دودھ دینے والی اونٹنیوں کو کہا جاتا ہے۔ (اصرّۃ) صرار کی جمع ہے اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے تھن کے سر کو باندھا جاتا ہے تا کہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے، اور اس دھاگے اور تھیلی کو اس وقت کھولا جاتا ہے جب دودھ نہ ہو اور یہ قحط سالی کا زمانہ ہوتا ہے شاعر نے اسی کو یہاں مراد لیا ہے۔ (مصبوح) جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اوقات میں بھی ہم مہمانوں کا خیال کرتے ہیں اور ان کیلئے اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں جن میں قحط سالی ہوتی ہے اور مالدار اور بڑے لوگوں کی اولاد کو بھی اس وقت آسانی فراہم نہیں ہوتی۔

شان ورود:...... زمخشری نے مفصل میں اس شعر کی نسبت مشہور سخی حاتم طائی کی طرف کی ہے اور جرمی نے ابو ذؤیب الھذلی کی طرف کی ہے لیکن صحیح قول کے مطابق یہ قبیلہ بنو النبیت کے شاعر کا شعر ہے ہوا یوں کہ شاعر اور حاتم طائی اور نابغہ تینوں ماویہ نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دینے اس کے پاس جمع ہو گئے گفت وشنید کے بعد اس عورت نے حاتم کو ترجیح دی اس پر شاعر نے چند اشعار کہے جن میں ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر ہو گیا۔

محل استشہاد:

لا نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا منع ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو اس لئے یہاں بھی لا کی خبر مصبوح کو ذکر کیا اگر ذکر نہ کرتے تو احتمال ہوتا کہ یہاں موجودٌ حذف ہے ای لا کریمَ من الولدان مَوْجُوْدٌ اس لئے کہ قرینہ نہ ہونے کی صورت کون عام حذف ہوتا ہے جو کہ موجودٌ ہے اور یہ حذف شاعر کے مقصود کیخلاف ہے اس لئے کہ شاعر یہ نہیں کہنا چاہتا کہ شرفاء کی اولاد موجود نہ تھی بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شرفاء کی اولاد میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا۔

والیٰ هذاالخ:

اوراسی کی طرف مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول "إذالمرادُمَعَ سُقوطه ظَهَر" کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ کہکر احتراز کیا اس جگہ سے جہاں حذف کی صورت میں مراد ظاہر نہ ہوتو وہاں حذف صحیح نہیں۔
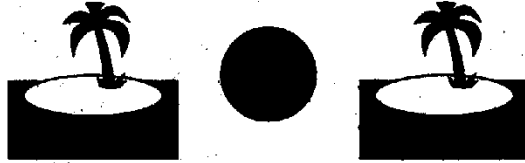
ظَنَّ وَأَخَوَاتُهَا

انصِبْ بفعلِ القلبِ جُزْأی ابتدا
اعنی :رأی ،خالَ ، عَلِمْتُ ،وَجَدَا
ظَنَّ،حَسِبْتُ، وزعمتُ،مع عَدْ
حَجَا،دَرٰی،وَجَعَل اللَّذ کاعتَقَد
وَهَبْ،تَعَلَّم، والّتِی کَصَیَّرا
ایضًا بِهَا انصِبْ مُبتدًا وَخَبَرا

ترجمہ:......فعل قلب کے ذریعے آپ ابتداء کے دونوں جزء (مبتداء خبر) کو نصب دیدیں میری مراد ہے رأی، خالَ، علِمتُ، وَجَدَ، ظنَّ، حَسِبْتُ، زعمتُ، عدْ، حَجَا، دَرٰی، اوروہ جَعَل جو اعْتَقَدَ کی طرح ہے اور هَبْ، تَعَلَّم، اوروہ افعال جو صَیَّر کی طرح ہیں ان کے ذریعہ بھی آپ نصب دیدیں مبتدا اور خبر کو۔ (متن میں عَد دال کی تخفیف کے ساتھ بغیر تشدید کے آیا ہے جو کہ ضرورۃً ہے ورنہ تو مشدد ہونا چاہیے تھا، نیز اللذ بسکون الذال ہے اور یہ الّذی کے اندر ایک لغت ہے اور هَبْ ظن کے معنیٰ میں امر ہے هبة سے ماخوذ نہیں ہے)

(ش) هذا هو القسم الثالث من الأفعال الناسخة للابتداء، وهو ظنّ وأخواتها وتنقسم إلى قسمين: أحدهما: أفعال القلوب، والثاني: أفعال التحويل فأما أفعال القلوب فتنقسم إلى قسمين: أحدهما: مايدل على اليقين وذكر المصنف منها خمسة: رأى، وعلم، ووجد، ودرى، وتعلّم، والثاني منهما: مايدل على الرجحان، وذكر المصنف منها ثمانية: خَالَ، وظنَّ، وحسب، وزعم، وعد، وحجا، وجعل، وهب. فمثال رأى قول الشاعر:

۱۱۷-رَأَیْتُ اللّٰهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَیءٍ
مُحَاوَلَةً، وَأَكْثَرَهُمْ جُنُودًا

فاستعمل ((رأی))فیه للیقین، وقد تستعمل ((رأی))بمعنی ((ظنّ))، کقوله تعالیٰ : ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ای: یظنّونه.

ومثال ((علم)):عَلِمْتُ زَیْدًا أَخَاکَ))وقول الشاعر:

۱۱۸-عَلِمْتُكَ الْبَاذِلَ الْمَعْرُوفَ فَانْبَعَثَتْ
إِلَيْكَ بِي وَاجِفَاتُ الشَّوْقِ وَالْأَمَلِ

ومثال ((وَجَدَ))قوله تعالیٰ: ﴿وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾

ومثال ((دَرٰی))قوله:

۱۱۹-دُرِيتَ الْوَفِيَّ الْعَهْدَ يَا عُرْوَ فَاغْتَبِطْ
فَإِنَّ اغْتِبَاطًا بِالْوَفَاءِ حَمِيدُ

ومثال((تعلم))وهی التی بمعنی اعلم -قوله:

۱۲۰-تَعَلَّمْ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا
فَبَالِغْ بِلُطْفٍ فِي التَّحَيُّلِ وَالْمَكْرِ

وهذه مثل الأفعال الدالة علی الیقین.

ومثال الدالة علی الرجحان قولک:((خلت زیدًا أخاک)) وقد تستعمل ((خال))للیقین، کقوله:

۱۲۱-دَعَانِي الْغَوَانِي عَمَّهُنَّ،وَخِلْتُنِي
لِيَ اسْمٌ فَلاَ أُدْعَى بِهِ وَهُوَ أَوَّلُ

و((ظننت زیداصاحبک))،وقد تستعمل للیقین کقوله تعالیٰ:﴿وظنوا أن لاملجامن اللّٰه إلا إلیه﴾ و((حسبت زیداصاحبک)) وقدتستعمل للیقین، کقوله:

۱۲۲ - حَسِبْتُ التُّقٰی وَالْجُودَ خَیْرَ تِجَارَۃٍ
رَبَاحًا ، إِذَا مَا الْمَرْءُ أَصْبَحَ ثَاقِلاً

ومثال ((زعم)) قوله:

۱۲۳ - فَإِنْ تَزْعُمِینِی کُنْتُ أَجْهَلُ فِیکُمُ
فَإِنِّی شَرَیْتُ الْحِلْمَ بَعْدَکِ بِالْجَهْلِ

ومثال ((عَدَّ)) قوله:

۱۲۴ - فَلَا تَعْدُدِ الْمَوْلَی شَرِیکَکَ فِی الْغِنَی
وَلٰکِنَّمَا الْمَوْلَی شَرِیکُکَ فِی الْعُدْمِ

ومثال ((حجا)) قوله:

۱۲۵ - قَدْ کُنْتُ أَحْجُو أَبَا عَمْرٍو أَخَا ثِقَةٍ
حَتّٰی أَلَمَّتْ بِنَا یَوْمًا مُلِمَّاتُ

ومثال ((جعل)) قوله تعالیٰ: ﴿وجعلوا الملائکة الذین هم عباد الرحمن إناثًا﴾

وقید المصنف ((جعل)) بکونها بمعنی اعتقد احترازًا من ((جعل)) التی بمعنی ((صیّر)) فإنها من أفعال التحویل، لا من أفعال القلوب .

ومثال ((هب)) قوله:

۱۲۶ - فقلت : أجِرْنی أبا مالک،
وإلا فَهَبْنی امرأً هَالِکًا

ونبه المصنف بقوله: ((أعنی رأی)) علی أن أفعال القلوب منها ما ینصب مفعولین وهو ((رأی)) وما بعده مما ذکره المصنف فی هذا الباب، ومنها ما لیس کذلک، وهو قسمان: لازم، نحو: ((جَبُن زید)) ومتعد إلی واحد، نحو: ((کرهت زیدا))

هذا ما یتعلق بالقسم الأول من أفعال هذا الباب، وهو أفعال القلوب وأما أفعال التحویل - وهی المرادة بقوله: ((والتی کصیرا - إلی آخره)) فتتعدی أیضًا إلی مفعولین أصلهما

المبتدأ والخبر، وعدها بعضهم سبعة: ((صيّر)) نحو: ((صيّرت الطين خزفا)) و((جعل)) نحو قوله تعالىٰ: ﴿وقدمنا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورًا﴾ و((وهب)) كقولهم: ((وهبنى الله فداك)) أى صيّرنى، و((تَخِذ)) كقوله تعالىٰ: (لَتَخِذْتَ عليه أجرًا) و((اتّخذ)) كقوله تعالىٰ: وَاتَّخَذَاللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾، و((تَرَكَ) كقوله تعالىٰ: ﴿وَتَرَكْنَابَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوْجُ فِي بَعْضٍ﴾ وقول الشاعر:

۱۲۷ – وَرَبَّيْتُهُ حَتّٰى إِذَامَا تَرَكْتُهُ
أخَاالْقَوْمِ وَاسْتَغْنَى عَنِ الْمَسْحِ شَارِبُه

و((رَدَّ)) كقوله:

۱۲۸ –رَمَى الحِدْثَانُ نِسْوَةَ آلِ حَرْبٍ
بِمِقْدَارٍ سَمَدْنَ لَهُ سُمُودا
فَرَدَّ شُعُوْرَهُن السُّودَ بِيضًا
وَرَدَّوُجُوهَهُنَّ البِيضَ سُودا.

ترجمہ وتشریح:

ظَنَّ واخواتُها اوراس کی قسمیں:

ظَنَّ واخواتُها کی دوقسمیں ہیں۔(۱) افعالِ قلوب (۲) افعالِ تحویل۔

پھر افعالِ قلوب کی بھی دوقسمیں ہیں ایک وہ جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری وہ جو رجحان پر دلالت کرتے ہیں پہلی قسم میں سے مصنفؒ نے پانچ کو ذکر کیا ہے اور دوسری میں سے آٹھ کو۔اب ہر ایک کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

رأى کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

رأيتُ اللّٰهَ اكبرَ كلّ شيئ
مُحَاوَلةً وَاَكثَرَهُم جُنودًا

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا اللہ تعالیٰ پر کہ وہ ہر چیز سے بڑے ہیں قوت وقدرت کے اعتبار سے اور تمام لوگوں سے لشکر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔

تشریح المفردات:

(مُحَاولة) باب مفاعلہ کا مصدر ہے قوت وقدرت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔(جنود) لشکر (جُند) کی جمع ہے قرآن کریم میں ہے: وَمَا یَعْلَمُ جنودَ ربّکَ الا ھُو اس کی جمع اجناد بھی آتی ہے۔

محلِ استشہاد:

(رایتُ) محلِ استشہاد ہے یہاں رأی فعل قلب استعمال ہوا ہے یقین کے معنیٰ میں ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک لفظ اللہ ہے اور ایک اکبر۔

وقدتستعمل الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ کبھی رأی ظنّ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔ انهم یَرَوْنه بعیدًا ای یُظنّونه بعیدًا (یہ لوگ قیامت کے دن کو قریب سمجھتے ہیں)

ومثال علم الخ:

فعل قلب کی ایک مثال عَلِمَ بھی ہے جیسے: عَلِمْتُ زیدًا أخاک اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۱۸ — علمتُکَ الباذِلَ المعروف فانبَعَثَتْ
الیکَ وَاجفاتُ الشوقِ وَالأمَل

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا آپ پر کہ آپ مال خرچ کرنے والے ہیں پس شوق اور امید کے اسباب مجھے آپ کی طرف اٹھا کر لائے۔

تشریح المفردات:

(الباذل) نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خرچ کرنے والا (المعروف) ترکیب کے اعتبار سے یہ منصوب بھی پڑھا جاسکتا ہے اور مجرور بھی، منصوب کی صورت میں یہ (باذل) اسم فاعل شبہ فعل کیلئے مفعول ہے اور مجرور کی صورت

میں یہ (باذل) کیلئے مضاف الیہ ہوگا۔(انبعثٌ) باب انفعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اٹھانے کے معنی میں ہے۔(واجِفات) واجفۃٌ کی جمع ہے ضرب سے تیز چلنے اور دوڑنے کے معنیٰ میں ہے یہاں مراد اسباب اور دواعی ہیں،(واجفات الشوق والامل) میں مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف ہے شوق اور امل کو تیز گھوڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ یہ دونوں تیز گھوڑوں کی طرح انسان کو دور تک لے جاتے ہیں۔

محلِ استشہاد:

''عَلِمتُ كالباذل المعروف'' محل استشہاد ہے یہاں علمتُ فعل قلب یقین کے معنیٰ میں ہے اور دلیل یقین پر یہ ہے کہ یہاں شاعر کا مقصد مخاطب کی تعریف اور اس کی سخاوت کو بیان کرنا ہے اور یہ یقین ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے، یہاں عَلِمتُ نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے ایک کاف ضمیر دوسرا الباذل۔

ومثال وجَدَالخ

وَجَدَ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''وَإِنْ وَجَدْنَا اكْثَرَهُم لَفَاسقين'' یہاں وَجَدَ بمعنیٰ یقین ہے اس نے بھی دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔

دَرٰی کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

دُرِيتَ الوَفِيَّ العَهْدَ يَا عُرْوَ فَاغْتَبِطْ

فَإِنَّ اغتباطًا بالوفاءِ حَمِيدُ

ترجمہ:......اے عروہ یقین کیا گیا آپ پر کہ آپ وعدے کو پورا کرنے والے ہیں۔پس لوگوں کو آپ پر رشک کرنا چاہیے اس لئے کہ وعدہ پورا کرنے پر رشک کرنا اچھی چیز ہے۔

تشریح المفردات:

(دُرِيتَ) آپ پر یقین کیا گیا (الوَفِيُّ) صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ وفادار۔وعدہ کو پورا کرنے والا۔اس کی جمع اوفیاء آتی ہے از ضرب 'العَهْدَ' کو مرفوع بنابر فاعلیت اور مجرور بنابر اضافت اور منصوب بنابر تشبیہ بالمفعول بھی پڑھ سکتے ہیں۔(عُرْوَ) یہ منادیٰ مرخم ہے بحذف التاء اصل میں یا عُرْوَۃُ تھا۔(اغْتَبِطْ) امر کا صیغہ ہے۔یہاں اگرچہ بظاہر یہ معنیٰ ہے کہ تم رشک کرو لیکن مراد لِيَغْتَبِطْ عليك غيرُكَ ہے کہ غیر کو چاہیئے کہ آپ پر غبطہ

کرے۔

واضح رہے کہ غبطہ میں غیر کی نعمت کے حصول کی تمنا ہوتی ہے اس غیر سے زوال کی تمنا نہیں اور حسد میں غیر سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا ہوتی ہے۔ چاہے خود اس تمنا کرنے والے کو حاصل ہو یا نہ ہو اس لئے حسد شریعت میں جائز ہے اور غبطہ ناجائز نہیں ایک حدیث شریف میں لاحَسَدَ الاّ فی اثنین الخ آیا ہے لیکن وہاں غبطہ مراد ہے۔

محل استشہاد:

(دریت الوفی العهد) محل استشہاد ہے (دریت) فعل قلب یقین کے معنیٰ مستعمل ہے پہلا مفعول تاضمیر اور نائب فاعل ہے (الوفی العهد) مفعول ثانی۔

ومثال تعلّم:

یقین پر دلالت کرنے والے افعال قلوب میں سے ایک تَعَلَّم بھی ہے واضح رہے کہ اس سے مراد وہ تعلّم ہے جو اِعْلَمْ کے معنیٰ میں ہے اور وہ مراد نہیں جو تعلّم النحو، تَعَلَّمَ الفقه میں ذکر ہے اور ان دونوں کے درمیان تین فرق ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ تعلّم النحو کی مراد مستقبل میں علم حاصل کرنے کا حکم ہے اور وہ اسباب علم کے حصول کے ساتھ ہے اور مثلاً تعلّم انّکَ ناجح میں زیر بحث تَعَلَّم میں فی الحال مابعد کی بات کو جاننا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ظنّ کے اخوات میں جو تَعَلَّمْ آیا ہے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے اور دوسرا والا تَعَلَّمَ ایک مفعول کی طرف۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ جو تَعَلَّمَ اخوات ظنَّ میں سے ہے وہ جامد اور غیر متصرف ہے یعنی اس میں گردانیں نہیں ہوتی اور دوسرا تَعَلَّم متصرف ہے تصرف تامّ کے ساتھ یعنی ماضی سے آخر تک اس میں گردانیں ہوتی ہیں۔

الغرض تَعَلّم کی مثال (جو اعلَمْ کے معنیٰ میں ہے) شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۰ - تَعَلَّم شِفَاءَ النفسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا
فَبَالِغ بلطفٍ فی التّحیُّلِ والمکرِ

ترجمہ:...... آپ یقین کریں کہ نفس کی شفاء (علاج) اس کے دشمن پر غالب آنے
میں ہے پس آپ نرمی سے بھرپور کوشش کریں حیلہ اور خفیہ تدبیر کرنے میں۔

تشریح المفردات:

(قھر) فتح سے مصدر ہے غالب آنا۔ (لطف) نصر کا مصدر ہے نرمی کرنا اور کرُم سے بمعنی باریک ہونا۔ (التّحیّل) حیلہ کر کے کسی چیز کو حاصل کرنا (مکر) دھوکا، چال، جب مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے معروف مکر مراد نہیں ہوتا بلکہ خفیہ تدبیر مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ۔

محل استشہاد:

"تعلّم شفاء النفس قھر عدوھا" محلّ استشہاد ہے۔ یہاں تَعَلَّم اعلَم کے معنی میں ہے یقین کا معنی دیتا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک شفاء النفس ہے دوسرا قھر عدوّھا ہے۔

یہ وہ افعال تھے جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور جو رجحان (کسی ایک طرف ترجیح دینے) پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک خَالَ ہے جیسے: خِلْتُ زیدًا اَخاکَ کبھی "خَالَ" یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۱ - دَعَانِی الغَوَانِی عَمَّهُنَّ، وَخِلْتُنِی
لِی اسْمٌ فَلا اُدْعیٰ بِهٖ وَهُوَ اَوّلٌ

ترجمہ:...... زیب و زینت سے بے نیاز خوبصورت لڑکیوں نے مجھے چچا کہکر پکارا حالانکہ
مجھے یقین ہے کہ میرا اپنا ایک اصلی نام ہے پس مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے
حالانکہ وہ میرا پہلا نام ہے۔

تشریح المفردات:

(الغوانی) غانیۃ کی جمع ہے اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے جمال و خوب صورتی کی وجہ سے زینت کرنے سے مستغنی (بے نیاز) ہو۔ (عمّ) چچا (لی اسمٌ) میں (لی) خبر مقدم اور (اسم) مبتدا مؤخر ہے۔ فلا اُدعیٰ بہ اصل میں علی تقدیر الانکار ہے ای افلا اُدعیٰ بہٖ کیوں مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے۔

محل استشہاد:

(خِلتُنی لی اسمٌ) محل استشہاد ہے یہاں (خلتُ) یقین کے معنی میں استعمال ہوا ظن یا تردّد مراد نہیں اس لئے کہ ہر ایک آدمی کو اپنے نام کے بارے میں یقینی معلوم ہوتا ہے "ی" ضمیر متکلم اس کیلئے مفعول اوّل اور (لی اسمٌ) جملہ اسمیہ ہو کر مفعول ثانی۔

(ظَنَنتُ) رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے ایک (ظننتُ) بھی ہے جیسے: ظننتُ زیدًا صاحبکَ، کبھی یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وظَنُّوا أن لامَلجأ مِنَ اللّٰہ إلاّ إلیه (انہوں نے یقین کیا کہ اللہ کے عذاب سے کوئی پناہ گاہ نہیں مگر اسی کی طرف)) یہاں یقین کا معنی مراد ہے۔

رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے حَسِبتُ بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "حَسِبتُ زیدًا صَاحِبکَ" اور کبھی حَسِبتُ بھی یقین کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۲-حَسِبتُ التُّقی وَالجُودَ خیرَ تجارۃٍ
رَبَاحًا، إذامَا المرءُ اصبح ثَاقِلاً

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا تقویٰ اور سخاوت پر کہ وہ نفع کے اعتبار سے بہترین تجارت ہے۔ اس وقت جب آدمی ثقیل ہو جاتا ہے (یعنی جب آدمی کی موت آجاتی ہے تو اس کا بدن بھاری ہو جاتا ہے اور جب تک اس میں روح ہوتی ہے اس کا بدن ہلکا پھلکا رہتا ہے)

تشریح المفردات:

(التقیٰ) تُقاۃ کی جمع ہے پرہیز گاری اور خوف خدا، تقویٰ سے ماخوذ ہے والتقویٰ حفظ النفس من العذاب بامتثال الاوامر واجتناب النواهی. (جود) سخاوت از نصر (رباح) بروزن سلام سمع کا مصدر ہے نفع والا ہونا، (ثاقلا) بھاری از نصر' مراد یہاں میّت ہے کہ وہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ شعر مشہور شاعر حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا ہے جو آپ ﷺ کی خدمت میں آکر مشرف باسلام ہوئے آپ کے اشعار السبع المعلقات کا حصہ بنے ہیں۔

محلِّ استشہاد:

"حَسِبتُ التقیٰ والجودَ خیر تجارۃ" محلِ استشہاد ہے یہاں شاعر نے حسبتُ کو علمتُ کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ایک (التقی والجود) ہے اور دوسرا (خیر تجارۃ) ہے۔

اور زَعَمَ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۳-فَاِنْ تَزْعُمِینی کنتُ اَجْهَلُ فیکُمُ
فانّی شَرَیتُ الحِلمَ بَعْدَکِ بالجَهلِ

ترجمہ:...... اگر آپ میرے اوپر گمان کرتی ہو کہ میں تمہارے اندر رہ کر جہالت کرتا تھا تو اب (وہ حالت میں نے تبدیل کی اور جہالت کو چھوڑا) میں نے جہل کے بدلے بردباری کو خریدا ہے آپ سے جدا ہونے کے بعد۔

تشریح المفردات:

(تزعمی) واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے آخر سے نون اعرابی گرا دیا اس لئے کہ شروع میں اِن شرطیہ آیا ہے۔ نصر سے ہے بمعنی گمان کرنا۔(اجهل) یہ مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے از سمع، اسم تفضیل کا صیغہ نہیں۔ (جهل) ناسمجھی بے وقوفی، یہاں بربادی کے مقابل مراد ہے یعنی ہلکا پن (حلم) بردباری۔

محلِّ استشہاد:

(تزعمینی کنتُ اجهَلُ فیکُم) محلِّ استشہاد ہے۔ یہاں (زعم) رجحان کے معنی میں مستعمل ہے اور دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک یاء متکلم اور دوسرا (کان) اپنے معمولین سمیت۔

ومثالُ عَدَّ:

عَدَّ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۴-فَلا تَعْدُدِ الْمولیٰ شریکک فی الغِنٰی
وَلٰکنما المولیٰ شریکک فِی العُدم

ترجمہ:...... آپ گمان کریں کہ جو آپ کے ساتھ مالداری میں ساتھ ہے وہ آپ کا ساتھی ہے لیکن حقیقت میں آپ کا دوست وہ ہے جو حالت فقر میں آپ کے ساتھ ہو۔

تشریح المفردات:

(المولی) اس کے مختلف معانی آتے ہیں (لک العزّ ان مولاک عزّ) والے شعر میں اس کی تفصیل گزری ہے۔ یہاں اس سے مراد مدد کرنے والا۔ یا خالص دوست ہے (الغنی) مالداری، (العدم) سمع کا مصدر ہے فقر و غربت۔ یہ شعر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا ہے آپ کے والد بھی صحابی رسول تھے۔

محلِّ استشہاد:

(لا تعدُدِ المولیٰ شریکک) محلِّ استشہاد ہے۔ یہاں (لا تعدد) فعل قلب بمعنی ظن ورجحان استعمال ہوا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک (مولیٰ) اور دوسرا (شریک) ہے۔

ومثال حجا الخ:

حَجَا کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۵-قَدْ کُنْتُ احجُوا أبا عمرٍ اخا ثِقَةً
حَتّٰی الَمَّتْ بِنَا یَوْمًا مُلِمَّاتٌ

ترجمہ:...... میں گمان کرتا تھا ابوعمر پر کہ وہ با اعتماد بھائی ہے یہاں تک کہ ایک دن ہمارے اوپر نازل ہونے والی مصیبتیں آئیں۔ (اور اس نے میرا ساتھ نہ دیا تب پتہ چلا کہ وہ میرے گمان کے مطابق نہیں)

تشریح المفردات:

(احجو) متکلم واحد کا صیغہ ہے گمان کرنے کے معنی میں ہے اخ بھائی، دوست' ثقة' عدةٌ کے وزن پر باب

حَسِبَ سے ہے اعتماد کو کہا جاتا ہے۔ (الممّث) باب افعال سے واحد مؤنث غائب بمعنیٰ نازل ہونا۔ (ملمّات) نازل ہونے والی آفت، مصیبت، مُلِمّةٌ کی جمع ہے۔

محلّ استشہاد:

(اَحجُوا ابَاعمر اخَا ثقةً) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں (اَحْجُو) فعل قلب بمعنی ظنّ ورجحان کے ہے (اباعمر) مفعول اوّل (اخَا ثِقةً) موصوف صفت مفعول ثانی:

ومثال جعَلَ الخ:

"جَعلَ" کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"وجعلوا الملائکة الّذین ھم عبادُ الرحمن اِنَاثًا"

وَقیّدَالخ:

مصنفؒ نے "جَعَل الّلذ کا عتقد" کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ افعال قلوب سے تعلّق رکھنے والا "جَعَلَ" وہ ہے جو اعتقاد کے معنی میں ہو۔ اس سے احتراز کیا اس "جَعَلَ" سے جو صَیَّرَ کے معنی میں ہو اس لئے کہ وہ افعال تحویل میں سے ہے نہ کہ افعال قلوب میں سے۔

ومثالُ ھَبْ الخ:

ھَبْ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۶- فَقُلْتُ أجِرْنِیْ أبَامَالک
وَالّا فھبنی امرأ ھَالِکًا

ترجمہ:...... پس میں نے کہا کہ آپ مجھے پناہ دیں اے ابومالک ورنہ آپ مجھے ہلاک ہونے والا آدمی سمجھیں۔

تشریح المفردات:

(اَجِرْ) باب افعال سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ حروف اصلیہ ج، و، ر ہیں "اَجَارَیُجیرُاجارَةً"

پناہ دینے کے معنیٰ میں ہے۔(ھب)فعل قلب ہے امر کا صیغہ ہے اس سے ماضی اور مضارع کا صیغہ نہیں آتا جبکہ وَھَبَ یَھَبُ سے امر کا صیغہ بھی۔(ھب) آتا ہے لیکن اس صورت میں یہ فعل قلب نہیں۔

محل استشهاد:

(هَبْنِي امرءً هَالكًا) محلّ استشہاد ہے۔(هَبْ)فعل قلب بمعنی ظنّ ہے (ی) مفعول اوّل(امرءً هالكًا) موصوف صفت مفعول ثانی۔

ونبّه المصنف بقوله "اعنى رأى" الخ:

مصنف علیہ الرحمۃ نے انصب بفعل القلب جُزأىْ ابتداأعنى رأى الخ: کہکر اس بات پر تنبیہ کی کہ افعال قلوب میں سے بعض ایسے ہیں جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔جیسے "رأى" وغیرہ۔

اور بعض ایسے ہیں جو دو کی طرف متعدی نہیں ہوتے۔بعض ایک کی طرف متعدّی ہوتے ہیں جیسے کَرِهْتُ زیدًا اور بعض لازم ہوتے ہیں جیسے:جَبُنَ زَیدٌ۔

هٰذا مایتعلق:

شارح فرماتے ہیں کہ جن افعال کا ذکر یہاں تک ہوا وہ افعال قلوب کی قسم تھی اب افعال تحویل کا ذکر ہو رہا ہے،ان افعال تحویل کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول "والّتى كصَيّرا" الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہوتے ہیں یعنی مفعول بننے سے پہلے وہ مبتدا خبر کہلاتے ہیں۔بعض حضرات نے ان کو سات تک گنا ہے۔

(۱) صیّرَ جیسے صَیّرتُ الطینَ خزَفًا

(۲)جَعَلَ "جیسے" وَقَدِمْنَا الیٰ مَاعَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا"

(۳)وَهَبَ جیسے وَهَبَنِی اللّٰه فِدَاکَ بمعنی صَیّرَنی

(۴) تَخِذَ جیسے لَتَخِذتَ علیه اجرًا (یہ مشہور روایت نہیں قرآن کریم کی مشہور روایت لا تَخَذتَ، کے ساتھ ہے)

(۵) اتَّخذَ جیسے اتَّخذَ اللّٰه ابراهیمَ خلیلاً

(٦) تَرَکَ جیسے ''وَتَرَ کْنا بعضَهُم یومئذ یموجُ فی بعضٍ'' اورشاعر کا یہ قول بھی ہے۔

١٢٧-وَرَبَّیْتُـه حَتّی إِذَا مَا تَرَ کْتُـه

أَخَا الْقَوم واستَغنیٰ عِنِ المسحِ شَارِبُه

ترجمہ:......میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ جب اس کو میں نے قوم کا ایک فرد بنایا اوراس کی مونچھیں صاف کرنے سے بے نیاز ہوئیں۔(بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تووہ اپنا منہ ہاتھ خود صاف نہیں کرسکتا بلکہ والدین اس کی صفائی کرتے ہیں ''شاعر یہاں کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ اس کو میں نے قوم کا ایک مستقل فرد بنایا اور وہ اس قابل ہوا کہ وہ خود اپنی صفائی وغیرہ کا اہتمام کرسکے۔آگے ''إِذَا مَا تر کتُه'' کا جواب دوسرے شعر میں ہے اور وہ یہ ہے

تَغَمَّدَ حقّی ظَالِمًا وَلَویٰ یَدی

لَویٰ یَدَهُ اللّٰهُ الَّذِی هُوَ غَالِبُه

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس نے میرا حق دبایا اور میرا ہاتھ مروڑا اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ مروڑ دے وہ اللہ جواس پر غالب ہے)

تشریح المفردات:

(رَبَّیتُ، رَبّی یُرَبّی تَربِیَةً) باب تفعیل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے تربیت کرنا، پرورش کرنا، (اخو القوم) قوم کا بھائی، قوم کا فرد (تر کتُه) یہاں ترک صیّر کے معنی میں ہے۔(شارب) مونچھ، جمع اس کی شوارِب آتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے (اعفُوا اللحی واقصوا الشوارب)۔

محل استشهاد:

(تَرَ کتُه اخَا القوم) محل استشہاد ہے۔

شان ورود:......فرعان بن الاعرف یافرعان بن الاصبع کا شعر ہے اپنے بیٹے منازل کے متعلق یہ اشعار اس نے کہے ہیں اس کا بیٹا اس کا نافرمان تھا۔یہاں یہ اپنے بیٹے سے گلہ شکوہ کررہا ہے۔

وَرَدّ الخ:

"رَدَّ" کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۸- رَمى الحِدثَانُ نِسْوَةَ آلِ حَربِ
بِمِقدارٍ سَمَدْنَ لَهُ سُمُودًا
فَرَدَّ شُعُورَهُنَّ السُّودَ بِيضًا
وَرَدَّ وُجُوهَهُنَّ البِيضَ سُودًا

ترجمہ:......زمانہ کے حوادث نے آل حرب کی عورتوں کو اس مقدار پر پھینکا کہ اس کی وجہ سے وہ غمگین ہو گئیں۔ پس حوادثات نے ان کے کالے بالوں کو سفید اور ان کے سفید چہروں کو کالا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الحدثان) دال اور تاء کے فتحہ کے ساتھ مصائب کے نئے ہونے کو کہا جاتا ہے اس صورت میں یہ حالت رفعی میں ہوگا تثنیہ کا صیغہ ہے علامہ عینیؒ نے اس کی تفسیر دن، رات کے ساتھ کی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آل حرب کی عورتوں پر دن رات ناموافق آئے، اس صورت میں علیه کی ضمیر مقدار کی طرف راجع ہے لیکن شرح ابن عقیل کے محشی کی رائی یہ ہیکہ یہ تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے بلکہ یہ حاء کے کسرے اور دال کے سکون کے ساتھ زمانہ کے مصائب وحوادث کو کہا جاتا ہے۔ (سمدن) نصر سے غمگین ہونا، خوش ہونا' یہ اضداد میں سے ہے۔ یہاں غمگین ہونے کا معنی مراد ہے۔ (رَدَّ) صَیَّرَ کے معنی میں ہے کسی چیز کی اصلی حالت کو تبدیل کرنا۔ (رَدَّ وجوههنَّ الخ) سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ زمانہ کے حوادثات نے ان عورتوں کے کالے بالوں کو سفید اور سفید اور خوب صورت چہروں کو کالا کیا یعنی جس چیز کا کالا ہونا چاہیے وہ سفید کر دی اور جس کا سفید ہونا چاہیے وہ کالی کر دی۔ شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ عریان بن هیثم عبدالملک بن مروان کے ہاں چلا گیا تو عبدالملک نے سوال کیا۔ کیا حال ہے؟ تو عریان نے جواب میں کہا کہ جس چیز کو میں کالا ہونا پسند کرتا تھا (یعنی بال) وہ چیز سفید ہوگئی اور جس کو میں سفید ہونا پسند کرتا تھا (یعنی چہرہ) وہ کالی ہوگئی۔

وَخُصَّ بِالتَّعْلِيقِ وَالإِلْغَاءِ مَا
مِنْ قَبْلِ هَبْ وَالأَمْرَ هَبْ قَدْ أُلْزِمَا
كَذَا تَعَلَّمْ وَلِغَيْرِ المَاضِ مِنْ
سِوَاهُمَا اجْعَلْ كُلَّ مَا لَهُ زُكِنْ

ترجمہ:......تعلیق اور الغاء کے ساتھ آپ خاص کریں ان افعال کو جو ھَبْ سے پہلے ہیں اور امر کے ساتھ ھَبْ کو لازم کیا گیا اسی طرح تعلّم بھی ہے (یعنی وہ بھی صرف امر کے ساتھ خاص ہے) اوران دونوں (ھَبْ، تَعَلَّم) کی ماضی کے علاوہ کیلئے وہی حکم ثابت کریں جو ماضی کیلئے معلوم ہے۔

(ش)تقدم أن هذه الأفعال قسمان أحدهما:أفعال القلوب،والثاني:أفعال التحويل،فأماأفعال القلوب فتنقسم إلى:متصرفة،وغير متصرفة.

فالمتصرفة:ماعدا((هَبْ)) وتعلّم))فيستعمل منهاالماضي، نحو((ظننتُ زيدًا قائمًا)) وغيرالماضي—وهوالمضارع،نحو:((ظُنَّ زيدًاقائمًا)) والأمر،نحو:ظُنَّ زَيْدًا قائمًا)) واسمُ الفاعل،نحو:((اناظَانٌّ زيدًاقائمًا،واسم المفعول،نحو:((زَيْدٌ مَظْنُوْنٌ ابُوْهُ قائمًا))فأبُوْهُ:هو المفعول الاول ،وارتفع لقيامه مقام الفاعل، و((قائمًا))المفعول الثاني،والمصدر، نحو:((عَجِبْتُ مِنْ ظَنِّكَ زَيْدًا قائمًا))—ويثبت لها كلهامن العمل وغيره ماثبت للماضي .

وغيرالمتصرّف اثنان—وهما:هَبْ،وتَعَلَّم،بمعنى اعلم— فلايستعمل منهماالاصيغة الأمر، كقوله:

تَعَلَّمْ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا
فَبَالِغْ بِلُطْفٍ فِي التَّحَيُّلِ وَالمَكْرِ

وقوله:

فَقُلْتُ: أَجِرْنِي أَبَا مَالِكٍ
وإلافهبنِي امرأً هَالِكَا

واختصت القلبية المتصرفة بالتعليق والإلغاء فالتعليق هو: ترك العمل لفظًا دون معنىً لمانع، نحو: ((ظَنَنْتُ لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) فقولك ((لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) لم تعمل فيه ((ظننت)) لفظًا لأجل المانع لها من ذلك، وهو اللام، ولكنه في موضع نصب، بدليل أنك لو عطفت عليه لنصبت، نحو: ((ظننت لزيدقائم وعمرًا منطلقًا)) فهي عاملة في ((لزيد قائم)) في المعنى دون اللفظ والالغاء هو ترك العمل لفظًا ومعنىً لالمانع نحو "زيدٌ ظننتُ قائمٌ" فليس لِ "ظننتُ عملٌ في "زيدٌ قائمٌ: لافي المعنى، ولافي اللفظ.

ويثبت للمضارع ومابعده من التعليق وغيره ماثبت للماضي، نحو: ((أَظُنُّ لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) و ((زَيْدٌ أَظُنُّ قَائِمٌ)) وأخواتها. وغير المتصرفة لايكون فيهاتعليق ولاإلغاء، وكذلك إفعال التحويل نحو: ((صيّر)) وأخواتها.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ ان افعال کی دو قسمیں ہیں۔(۱) افعال قلوب (۲) افعال تحویل۔
پھر افعال قلوب کی دو قسمیں تھیں۔(۱) متصرّفہ (۲) غیر متصرّفہ۔

متصرفہ وہ افعال قلوب کہلاتے ہیں جو هَبْ اور تَعَلَّمْ کے علاوہ ہیں اور ان سے ماضی مضارع اسم فاعل اسم مفعول مصدر سب استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کیلئے وہی احکام ثابت ہونگے جو ان کے ماضی کیلئے ہیں۔(شرح میں مثالیں موجود ہیں) اور غیر متصرفہ افعال (یعنی هَبْ اور تَعَلَّم) سے صرف امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے (جس کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی) یہاں شعر لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعَلَّم صیغہ امر کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے اسی طرح هَبْ کی مثال وَالاَّ فَهَبْنِي امرًا هالكًا میں هَبْ امر ہی استعمال ہوا ہے۔(اس شعر کی تشریح بھی چند صفحات پہلے گزری ہے)

افعال قلوب متصرفہ کا تعلیق اور الغاء کے ساتھ خاص ہونا:

اس تمہید کے بعد شارح متن کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ افعال قلوب متصرفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعلیق بھی ہوتی ہے اور الغاء بھی، یعنی تعلیق اور الغاء دونوں کا ہونا افعال قلوب کے ساتھ خاص ہیں اگر چہ ان

دونوں میں ایک یعنی تعلیق ان افعال کے علاوہ میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان میں الغاء نہیں ہوتا اور بعض ایسے افعال ہوتے ہیں کہ جن میں صرف الغاء ہوتا ہے تعلیق نہیں ہوتی۔

تعلیق کی تعریف:

تعلیق کا لغوی معنیٰ معلق ہو جانا، اور اصطلاح میں ''عامل کے عمل کا لفظوں میں متروک ہو جانا کسی مانع کی وجہ سے یعنی عامل عمل تو کرے لیکن لفظوں میں نہ کرے بلکہ معنیٰ میں کرے اس کو محلاً اعراب کہتے ہیں جیسے ظَنَنتُ لَزَیدٌ قائمٌ'' یہاں لَزیدٌ قائمٌ میں ظننتُ نے عمل نہیں کیا ہے اس لئے کہ یہاں مانع موجود ہے جو کہ لام ہے اس لئے کہ لام صدارت کلام چاہتا ہے اب اگر یہاں ظننتُ کو عمل دیا جائے تو لام کی صدارت فوت ہو جائے گی، لیکن عمل یہاں محلاً ہوا ہے اس لئے کہ اگر اس پر عطف ہوتا ہے تو وہ معطوف منصوب ہو جاتا ہے مثلاً ظَننتُ لَزَیْدٌ قائمٌ وعمرًا منطلقًا یہاں عمرًا منطلقًا، لَزیدٌ قائمٌ پر عطف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لَزَیْدٌ قائمٌ اگرچہ مانع کی وجہ سے لفظاً منصوب نہیں (بنا بر مفعولیت) لیکن معنًی اور مَحَلًّا منصوب ہے۔

الغاء کی تعریف:

اس کا لغوی معنیٰ ہے لغو قرار دینا اور اصطلاح میں ''عامل کے عمل کا لفظاً ومعنًی متروک ہو جانا بغیر کسی مانع لفظی کے جیسے زیدٌ ظننتُ قائمٌ یہاں ظننتُ نے زیدٌ قائمٌ میں عمل نہیں کیا ہے نہ لفظاً نہ معنًی' یہاں اگرچہ لفظی مانع نہیں لیکن معنوی مانع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عامل درمیان میں آتا ہے یا بعد میں آتا ہے تو وہ ضعیف ہوتا ہے اور ضعیف عامل عمل نہیں کرتا۔

ویثبت للمضارع ومابعده الخ:

تعلیق اور الغاء جس طرح ماضی میں ہوتے ہیں اسی طرح مضارع' اسم فاعل وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں، جبکہ غیر متصرفہ (هَبْ، تَعَلَّم) میں نہ تعلیق ہوتی ہے نہ الغاء اس لئے کہ وہ صرف ایک ہی لفظ یعنی امر کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ ہر وقت عمل کریں۔ اور افعال تحویل (صَيَّرَ اور اس کے اخوات) میں بھی تعلیق والغاء دونوں نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ قوی عامل ہیں یہ خود ذات میں اثر انداز ہوئے ہیں اور ان کو ایک حالت سے دوسری

حالت میں تبدیل کرتے ہیں مثلاً اتّخذَ فعل تحویل ہے اتخذ اللّٰہ ابراھیمَ خلیلًا میں اتّخذ نے لفظ ابراھیم میں اثر کیا جو کہ ذات ہے اور خُلّة (دوستی) کی طرف ان کو منتقل کر دیا للہٰذا یہ قوی عامل ہو گئے اور قوی عامل ہر صورت میں عمل کرتے ہیں چاہے مؤخر ہوں یا مقدّم اس وجہ سے اس میں تعلیق والغاء نہیں ہوتے ۔ بخلاف افعال قلبیہ کے کہ وہ ذات میں اثر نہیں کرتے بلکہ ان اَحداث میں کرتے ہیں جو ان کے مفاعیل سے ماخوذ ہوتے ہیں مثلاً ظننتُ زیدًا قائمًا میں ظننتُ نے زید میں اثر نہیں کیا اور نہ اس کو کسی حالت سے تبدیل کیا بلکہ اس کے مفعول سے اخذ شدہ حدث (قیام میں) اثر کیا للہٰذا یہ کمزور عامل ہوئے اس وجہ سے اس میں تعلیق بھی ہوگی اور الغاء بھی ۔

وَجَوِّزِ الالغاءَ لاَ فِي الابتداء
وَانْوِ ضميرَ الشانِ، أو لامَ ابتدا
فِي مُوهِمٍ إلغاءَ مَا تَقَدَّمَا
والْتُزِمَ التعليقُ قَبلَ نَفْيِ مَا
وَ"إنْ" وَ"لا" لامُ ابتداءٍ، أوْ قسم
كَذَا، وَالأستفهامُ ذَا لَهُ انْحَتَم

ترجمہ:...... الغاء کو آپ جائز قرار دیں شروع کے علاوہ میں، اور ضمیر شان کو یا لام ابتداء کو مقدّر مانیں اس کلام میں جو اس وہم میں ڈالے کہ مقدّم ہونے کی صورت میں الغاء ہوا ہے ۔ اور تعلیق کو "مـا" إنْ "لا" کی نفی سے پہلے لازم کیا گیا ہے ۔ لام ابتداء اور قسم بھی اسی طرح ہے اور استفہام کیلئے بھی یہ حکم حتمی (یقینی اور ضروری) ہے ۔

(ش) يجوز إلغاء هذه الأفعال المتصرفة إذا وقعت في غير الابتداء، كما إذا وقعت وسطا، نحو: ((زيدٌ ظننتُ قائمٌ" أو آخرًا نحو "زيدٌ قائمٌ ظننتُ" وإذا توسّطتْ فقيل الاعمال والالغاءُ سيّانِ، وقيل: الإعمالُ أحسن من الإلغاء، وإن تأخرت فالإلغاء أحسن، وإن تقدمت امتنع الإلغاء عند البصريين، فلا تقول: ((ظَنَنْتُ زَيْدٌ قَائِمٌ)) بل يجب الإعمال؛ فتقول: ((ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا)) فإن جاء من لسان العرب مايوهم إلغاءها متقدمة أوّل على إضمار ضمير الشان، كقوله :

۱۲۹ - أرجُــو وآمُــلُ أنْ تَــدْنُــوْ مَــوَدَّتُهَــا
وَمَــا إخَــالُ لَــدَيْــنَــا مِــنْكِ تَــنْــوِيْــلُ

فالتقدير: ((وما إخاله لدينا منک تنويل)) فالهاء ضمير الشان؛ وهي المفعول الأول، و((لدينا منک تنويل)) جملة في موضع المفعول الثاني، وحينئذٍ فلا إلغاء؛ أو على تقدير لام الابتداء؛ كقوله:

۱۳۰ - كَــذاکَ أُدِّبْــتُ حتّــى صَــارَ مِنْ خُلُقِــي
انّــــي وَجَــــدتُ مِلاکُ الشيــــمةِ الادَبُ

التقدير: ((اني وجدت لملاک الشيمة الأدب)) فهو من باب التعليق، وليس من باب الإلغاء في شيء.

وذهب الكوفيون -وتبعهم ابوبكر الزبيدى وغيره- إلى جواز إلغاء المتقدم؛ فلا يحتاجون إلى تأويل البيتين.

وإنما قال المصنف: ((وجوز الإلغاء)) لينبّه على أن الإلغاء ليس بلازم، بل هو جائز، فحيث جاز الإلغاء جاز الإعمال كما تقدم، وهذا بخلاف التعليق (فإنه لازم، ولهذا قال: ((والتزم التعليق))

فيجب التعليق إذا وقع بعد الفعل ((ما)) النافية، نحو: ((ظننت مازيد قائم))، أو ((إن)) النافية، نحو: ((علمت إن زيد قائمٌ)) ومثّلوا له بقوله تعالىٰ: ﴿وتظنون إن لبثتم إلاّ قليلاً﴾، وقال بعضهم: ليس هذا من باب التعليق في شيء؛ لأن شرط التعليق أنه إذا حذف المعلّق تسلط العامل على مابعده فينصب مفعولين، نحو: ((ظَنَنْتُ مازيد قائمٌ))؛ فلو حذفت ((ما)) لقلتَ: ((ظننت زيداً قائمًا)) والآية الكريمة لايتأتّى فيها ذلک؛ لأنک لو حذفت المعلق وهو ((إن)) -لم يتسلط ((تظنون)) على ((لبثتم))؛ إذ لايقال: وتظنون لبثتم، هكذا زعم هذا القائل، ولعلّه مخالف لما هو كالمجمع عليه -من أنه لايشترط في التعليق هذا الشرطُ الذى ذكره- وتمثيل النحويين للتعليق بالآية الكريمة وشبهها يشهد لذلک.

وكذلک يعلّق الفعل إذا وقع بعده ((لا)) النافية، نحو: ((ظننت لازيد قائمٌ ولاعمرو)) أو لام الابتداء، نحو: ((ظننت لزيد قائم)) أو لام القسم، نحو: ((علمت ليقومن زيد)) ولم يَعُدَّهَا أحدٌ من

النحويين من المعلّقات أو الاستفهام وَلَه صُوَرٌ ثلثٌ. أن يكون أحد المفعولين اسم استفهام، نحو: ((علمت أيهم أبوك))، الثانية: أن يكون مضافًا إلى اسم استفهام، نحو: ((علمتُ غلامُ أيهم أبوك)) الثالثة: أن تدخل عليه أداة الاستفهام، نحو: ((علمت أزيدٌ عندَكَ أمْ عمرو))؟ و((علمت هل زيد قائم أم عمرو))؟

ترجمہ وتشریح:

کہاں الغاء ہوتا ہے؟

الغاء اور تعلیق کی تعریف کے بعد اب وہ جگہیں بتائی جا رہی ہیں جہاں یہ دونوں ہوتے ہیں۔

چنانچہ متن کی شرح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ یہ افعال متصرفہ جب شروع کے علاوہ درمیان میں یا آخر میں واقع ہو جائیں تو ان کا الغاء جائز ہے جیسے: زیدٌ ظننتُ قائمٌ، زیدٌ قائمٌ ظننتُ، اب جب درمیان میں واقع ہوں تو بہتر کیا ہے بعض کے نزدیک عمل دینا، یا ملغٰی بنانا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ جب درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ عامل ضعیف ہو گئے تو اس کے ساتھ عامل معنوی مقاوم ہوا اور وہ ابتداء ہے اور بعض کے نزدیک عمل دینا بہتر ہے اس لئے کہ عامل اگر چہ درمیان میں ہے لیکن لفظی ہونے کی وجہ سے اس میں قوت ہے اس وجہ سے عمل دینا چاہئے، اور اگر مؤخر ہو جائے جیسے: زیدٌ قائمٌ ظننتُ تو پھر الغاء بہتر ہے۔

اب تقدیم کی صورت میں (جیسے: ظننتُ زیدٌ قائمٌ) بصریین کے ہاں عمل دینا واجب ہے اور الغاء ممتنع ہے لہذا: ظَنَنْتُ زیدٌ قائمٌ۔ پڑھنا جائز نہیں بلکہ ظننتُ زیدًا قائمًا پڑھنا ضروری ہے بصریین کے مطابق اگر لسان عرب میں ایسا کلام آ جائے جس میں بظاہر تقدیم کی صورت میں الغاء ہوتا ہوا نظر آتا ہو تو اس صورت میں ضمیر شان کو مقدر مانا جائے اور وہ ضمیر شان اس کیلئے اسم ہوگی اور مابعد کا جملہ خبر۔ جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۹ - أرجُو وَآمُلُ أنْ تَدْنُو مَوَدَّتُهَا
وَمَا إخَالُ لَدَيْنَا مِنْكَ تَنْوِيلُ

ترجمہ:...... مجھے امید ہے کہ سُعَاد کی محبت قریب ہو جائے گی اور میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے پاس آپ کا کوئی عطیّہ ہو۔

تشریح المفردات:

(أرجو) متکلم کا صیغہ ہے از نصر امید کرنا (آمل) کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ (تَدْنو) دَنَا یَدْنُو' نصر سے بمعنی قریب ہونا (مودّۃ) دوستی، محبت، از سمع (إخال) بکسر الھمزۃ سَمِع سے واحد متکلم کا صیغہ ہے خیال کرنا، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ (أخال) بفتح الھمزۃ ہو جس طرح بنو اسد کی رائے ہے لیکن زیادہ تر استعمال اس کا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

منک: یہاں محبوبہ کو خطاب ہے شروع شعر میں اس کو غائب تصور کر لیا پھر اس کو خطاب کیا، علم معانی کی اصطلاح میں اس کو التفات من الغیبوبۃ الی التکلم کہا جاتا ہے (التفات کی باقی قسمیں مختصر المعانی میں موجود ہیں)

شان ورود: ...... کعب بن زہیر مشہور شاعر ہیں ان کے والد بھی بلند پایہ شاعر تھے والد نے حضرت نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے آنے کی خبر اپنے بیٹے کعب کو دی تھی خود انتقال کر گئے۔ بعثت کے بعد کعب کے بھائی پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کعب اپنے بھائی کے اسلام لانے پر سخت ناراض ہوا۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے کعب کے قتل کا حکم دیا اسلئے کہ انہوں نے بھائی کے اسلام لانے کی مذمت میں شعر کہا تھا۔ بالآخر کعب خود دربار نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایک لمبا قصیدہ پڑھا جو جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الیومَ مَتْبُول

مُتَیَّمٌ اِثْرَهَا لَمْ یُفْدَ مَکْبُول

وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ البَیْنِ اِذْ رَحَلَتْ

اِلَّا اَغَنُّ غَضِیضَ الطَّرْفِ مَکْحُولُ

الیٰ ھذا الشعر المذکور فی الکتاب. (السبع المعلّقات میں پورا قصیدہ موجود ہے)

محل استشہاد:

(مَا اِخَالُ لَدَینَا مِنکِ تَنوِیلٌ) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر الغاء ہوا ہے اور اِخَالُ مقدم بھی ہے۔

بصریین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں اخالُ کیلئے ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کا اسم ہے اور لَدَینا منکِ سویلُ جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

اور یا یہاں پر لام ابتداء مقدر ہے ای لَلَدَینا الخ اس صورت میں تعلیق ہے لیکن الغاء نہیں جس طرح اس دوسرے شعر میں ہے۔

كَذاكَ أُدِّبْتُ حتّى صَارَ مِنْ خُلُقِي
انّي وَجَدتُ مِلاكُ الشيمةِ الادَبُ

ترجمہ:...... اسی طرح مجھے ادب دیا گیا یہاں تک کہ میرے اخلاق میں سے یہ بات ہوگئی کہ میں نے پایا کہ اخلاق کا دارومدار ادب ہے۔

تشریح المفردات:

(کذاک) میں پہلے شعر کے مضمون کی طرف اشارہ ہے' پہلا شعر یہ ہے۔

اكنيه حِينَ أُنَادِيه لأُكرمَه
وَلاَ أُلَقّبه، وَالسّوءةُ اللقبُ

جس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میں اپنے ممدوح کو کنیت سے پکارکرتا ہوں نہ کہ لقب سے اس لئے کہ لقب سے پکارنا ہمارے ہاں برا ہے۔آگے شاعر کہتا ہے کہ مجھے اسی طرح ادب دیا گیا ہے۔

ملاک: میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مدار، موقوف علیہ، (الشّیَم) جمع کا صیغہ ہے شیمۃ اس کا مفرد ہے بمعنی خصلت۔

محل استشہاد:

(انی وجدت ملاکُ الشیمةِ الادبُ) محل استشہاد ہے۔یہاں کوفیین کے مسلک کے مطابق بظاہر الغاء ہوا ہے ورنہ اگر الغاء نہ ہوتا تو جدت ملاک الشیمۃ الادبا' ہوتا ملاک اور ادب دونوں منصوب ہوتے اگر چہ وجدتُ فعل قلب مقدم بھی ہے (ان کے مسلک کی تفصیل گزر گئی کہ جس طرح افعال قلبیہ درمیان میں ہوں یا مؤخر ہوں تو الغاء (عمل نہ دینا) جائز ہے اس طرح اگر شروع میں آ جائے پھر بھی جائز ہے بطور استشہاد کے مندرجہ بالا

شعران کی دلیل ہے۔ بصریین اس شعر میں تاویل کرتے ہیں کہ یہاں الغاء نہیں ہوا ہے بلکہ تعلیق ہوئی ہے اور مـلاک سے پہلے لام ابتداء مقدر ہے اور تقدیر عبارت ہے: إنی وجدت لملاک الشیمة الخ اوریا اس میں عمل ہوا ہے تعلیق اور الغاء کے قبیل سے نہیں اس صورت میں سابق شعر کی طرح اس میں بھی ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کیلئے اسم ہے اور مابعد کا جملہ مفعول ثانی ہے۔ واضح رہے کہ بصریین کی تکلفانہ تاویلات پر سبھی کو اعتراض ہے۔

وذهب الكوفيون الخ

چونکہ کوفیین اوران کے ہمنوا ابوبکر زبیدیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ تقدیم کی صورت میں بھی الغاء جائز ہے اس لئے دونوں مندرجہ بالا شعروں کی وہ تاویل نہیں کرتے۔

وانّماقال المصنف:

مصنفؒ نے وَجَوِّز الالغاء کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ الغاء لازم نہیں بلکہ جائز ہے جہاں الغاء جائز ہے وہاں اعمال بھی جائز ہے بخلاف التعليق۔

فيجب التعليق الخ:

وہ جگہیں جہاں تعلیق ہوتی ہے:

ا...... فعل قلب کے بعد جب مَا نافیہ آجائے تو اس صورت میں تعلیق واجب ہے جیسے: ((ظَـنَـنْـتُ مازيدٌ قائمٌ)) یا إن نافیہ آجائے جیسے: عَلِمْتُ إنْ زيدٌ قائمٌ۔ یہاں ظننتُ اور علمتُ نے عمل نہیں کیا ہے ورنہ تو زید اور قائم بنا برمفعولیت منصوب ہوتے۔

ومثلوا له بقوله تعالىٰ الخ:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تعلیق کیلئے حضرات علماء نحو نے اللہ رب العزت کے اس قول کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

"وَتَظُنُّوْنَ إنْ لَبِثْتُم إلاَّ قَلِيلاً"

اب بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مثال تعلیق کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ تعلیق کیلئے شرط یہ ہے کہ جب مُعَلِّق (بکسر اللام، جس کی وجہ سے تعلیق ہوئی ہے) کو حذف کیا جائے تو تو عامل مابعد کی طرف متوجہ ہو کر دو مفعولوں کو نصب دیتا ہو جیسے: "ظَنَنْتُ مَازیدٌ قائمٌ" اب یہاں تعلیق ہے اور تعلیق کی شرط اس میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اگر ما کو حذف کیا جائے تو زید اور قائم پر ظننت مسلّط ہو جائے گا اور یہ دونوں منصوب پر بنا بر مفعولیت ہو جائینگے اور یہاں آیت کریمہ میں اگر معلق (إنْ) کو حذف کیا جائے تو تظنون کا لبثتم پر مسلّط ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ وتظنون لبثتم نہیں کہا جاتا، شارح ایسے حضرات پر ردّ فرما رہے ہیں کہ یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے اس لئے کہ جمہور نے تعلیق کیلئے اس آیت کریمہ کو پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیق کیلئے ذکر کردہ شرط ضروری نہیں۔

وکذلک یُعَلّق الفعل الخ :

اسی طرح فعل میں تعلیق ہوگی جب اس کے بعد لا نافیہ آجائے جیسے: ظننتُ لاَزیدٌ قائم ولا عمرٌو" یا لام ابتداء آجائے جیسے: ظننتُ لَزیدٌ قائمٌ یا لام قسم ہو جیسے: عَلِمتُ لیقومَنَّ زیدٌ (شارح فرماتے ہیں کہ لام قسم کو نحویوں میں سے کسی نے بھی معلقات میں شمار نہیں کیا ہے) یا اس کے بعد استفہام آجائے پھر استفہام کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) دونوں مفعولوں میں سے کوئی ایک اسم استفہام ہو جیسے: عَلِمتُ ایُّھم أبوک۔

(۲) اسم استفہام کی طرف مضاف ہو جیسے: علمتُ غلامُ أیھم أبوکَ۔

(۳) اس پر حرف استفہام داخل ہو جیسے: علمتُ أزیدٌ عندک ام عمرٌو، علمتُ ھَل زیدٌ قائمٌ امْ عمرٌو،

لِعِلْمِ عِرفَانٍ وَظَنِّ تُهمَه
تَعدِيَةٌ لِوَاحِدٍ مُلتَزَمَه

ترجمہ:...... جو علم عرف کے معنی میں ہو اور جو ظنَّ اتَّھَمَ کے معنی میں ہو اس کیلئے ایک مفعول کی طرف متعدی ہونا لازم ہے۔

(ش) إذا کانت ((علم)) بمعنی عرف تعدّت إلی مفعول واحد، کقولک: ((علمت زیداً)) أی: عرفته، ومنه قوله تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا﴾

وکذلک إذا کانت ((ظن)) بمعنی اتّہم تعدت إلی مفعول واحد، کقولک: ((ظننت زیدا)) أی اتہمته، ومنه قوله تعالیٰ: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ أی: بمتہم.

ترجمہ وتشریح:

عَلِمَ ‘عَرَفَ اور ظَنَّ کا اِتَّہَمَ کے معنی میں مستعمل ہونا:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر عَلِمَ فعل قلب اپنے معنی کے بغیر عَرَفَ کے معنی میں آ جائے تو اس صورت میں بجائے دو مفعولوں کے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے: علمتُ زیدًا ای عَرَفته اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ای لاتعرفون شیئًا.

اسی طرح ظَنَّ جب اِتَّہَمَ کے معنی میں ہو تو ایک مفعول کی طرف متعدّی ہوگا جیسے: ظننتُ زیدًا ای اتہمته اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَمَا هُوَ عَلَى الغیبِ بِظَنِین ای بِمُتَّہَم (یہ ایک قراءت ہے ورنہ تو قرآن کریم میں "ض" کے ساتھ آیا ہے)

وَلِرَأی الرُّؤْيَا انْمِ مَا لِعَلِمَا
طَالِبَ مَفْعولَيْنِ مِنْ قَبْلُ انْتَمٰی

ترجمہ:...... جو رای رؤیت (خواب میں دیکھنا) کے معنی میں ہو اس کیلئے آپ وہ حکم منسوب کریں جو اس سے پہلے عَلِمَ کیلئے ہے اس حال میں کہ وہ دو مفعولوں کو طلب کرنے والا ہو۔

(ش) إذا کانت رأی حلمیة –أی: للرؤیا فی المنام– تعدّت إلی المفعولین کما تتعدی إلیهما ((علم)) المذکورة من قبل، وإلی هذا أشار بقوله: ((ولرأی الرؤیا انم)) أی انسب لرأی التی مصدرها الرؤیا ما نسب لعلم المتعدیة إلی اثنین؛ فعبّر عن الحلمیة بما ذکر؛ لأن ((الرؤیا)) وإن کانت تقع مصدرً الغیر ((رأی)) الحلمیة، فالمشهور کونها مصدرًا لها.

ومثال استعمال ((رأی)) الحلمیة متعدیة إلی اثنین قوله تعالی: ﴿إنی أرانی أعصر خمرًا﴾؛ فالیاء مفعول أول، و((أعصر خمرًا)) جملة فی موضع المفعول الثانی، وکذلک قوله:

۱۳۱ - أبـو حَـنَـشٍ يُـؤَرِّقُـنـي، وَطَـلْـقٌ
وَعَـمَّـارٌ، وآوِنَةً أُثَـالاً
أَرَاهُـمْ رُفْـقَـتِـي، حَـتَّـى إِذَامَـا
تَـجَـافَـى الـلَّـيْـلُ وَانْـخَـزَلَ انْـخِـزَالاً
إِذَاأَنَـا كَـالَّـذِي يَـجْـرِي لِـوِرْدٍ
إِلَـى آلٍ؛ فَـلَـمْ يُـدْرِكْ بِلاَ لاَ

فالهاء والميم في ((أراهُمْ)): المفعول الأول، ((رُفْقَتِي)) هو المفعول الثاني:

ترجمہ وتشریح:

رأی حلمیّہ کی تعریف اور مثال:

رأی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں آتا ہے یعنی حالت بیداری میں دیکھنا اور بعض مرتبہ خواب میں دیکھنے کے معنی میں آتا ہے جیسے رأیت رؤیًا صالحۃً اس کو رأی حلمیّہ کہا جاتا ہے اسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب رأی رؤیت فی المنام کے معنی میں ہو تو اس صورت میں عَلِمَ کی طرح یہ بھی دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے۔
(حلمیّۃ) کہا اس لئے کہ اگرچہ رأی حلمیّہ کے علاوہ کیلئے بھی مصدر ہوا کرتا ہے لیکن مشہور قول کے مطابق یہ ''رأی'' حلمیّہ ہی کے لئے مصدر ہوتا ہے۔

ومثال الخ:

رأی حُلمیّہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (نقلًا عن صاحب السجن) انّی ارانی أعصرُ خمرًا'' یاء متکلم اس کیلئے مفعول اوّل ہے اور اعصر خمرًا جملہ مفعول ثانی ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۱ - أبـو حَـنَـشٍ يُـؤَرِّقُـنـي، وَطَـلْـقٌ
وَعَـمَّـارٌ، وآوِنَةً أُثَـالاً
أَرَاهُـمْ رِفْـقَـتِـي، حَـتَّـى إِذَامَـا
تَـجَـافَـى الـلَّـيْـلُ وَانْـخَـزَلَ انْـخِـزَالاً

إِذَا أَنَا كَالَّذِي يَجْرِي لِوِرْدِهِ
إِلَى آلٍ، فَلَمْ يُدْرِكْ بِلاَلاَ

ترجمہ:......ابو حنش میری نیند کو اڑاتا ہے اور طلق وعمار اور بعض اوقات میں اُثالہ بھی، میں ان کو خواب میں اپنے ساتھ دیکھتا ہوں، جب رات ختم اور چلی جاتی ہے تو اچانک میں ہو جاتا ہوں اس آدمی کی طرح جو سراب کے پاس میٹھے پانی کیلئے چلتا ہے پس وہ نہیں پاتا اتنا پانی جس سے وہ اپنا گلا تر کر سکے۔

تشریح المفردات:

(ابو حنش، طلق عمّار، اُثالة) یہ شاعر کے دوست ہیں جو شاعر کو چھوڑ کر ملک شام گئے تھے شاعر ان کی جدائی کے صدمہ کو ذکر کر رہا ہے۔(یُؤَرِّقُنی) باب تفعیل سے بمعنی جگانا، نیند اڑا دینا، (اثالا) یہ اثالة کا مرخم ہے ترخیم اگرچہ منادیٰ میں ہی ہوتی ہے لیکن غیر منادیٰ میں یہاں ضرورۃً ترخیم ہے، الف اشباعی ہے (آونة) اوان کی جمع ہے جس طرح اَزمِنَة، زمان اور اَمکنة مکان کی جمع ہے۔

(تجافی اللیل وانخزل انخزالا) رات کا چلا جانا، منقطع ہو جانا، (ورد) میٹھا پانی، پانی کا گھاٹ، جمع اس کی اوراد آتی ہے، (آل) سراب، جو دن کو نصف النہار کے وقت پانی دکھائی دیتا ہے، (بلالا) الف اشباعی ہے بلال ہر وہ چیز جس سے گلا تر ہو جائے پانی ہو یا کچھ اور، یہاں پانی مراد ہے۔

محلّ استشہاد:

(أراهم رفقتی) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں (أریٰ) نے دو مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک (هم) ضمیر بارز متصل، اور دوسرا (رفقتی) اور رأی یہاں حُلمیّہ ہے یعنی خواب میں دیکھنے کے معنی میں ہے۔

وَلاَ تُجِزْ هُنَا بِلاَ دَلِيلِ
سُقُوطَ مَفْعُولَيْنِ أَوْ مَفْعُولِ

ترجمہ:......(ظَنَّ کے باب میں) آپ بلا دلیل جائز نہ کریں دو مفعولوں یا ایک مفعول کے ساقط ہونے کو۔

(ش) لایجوز فی ھذا الباب سقوط مفعولین ولاسقوط احدھما الاّ اذادلّ دلیلٌ علیٰ ذالک فمثالُ حذف المفعولین للدلالة أن یقال "ھل ظننت زیدًاقائمًا" فتقولُ ظننتُ" التقدیر "ظننتُ زیدًا قائمًا" فحذفت المفعولین لدلالة ماقبلھماعلیھماومنه قوله-

١٣٢ -بِـأَیِّ کِتَـابٍ أَمْ بِـأَیَّةِ سُـنَّةٍ
تَـرَی حُبَّهُـمْ عَـارًا عَلَـیَّ وتَحسَـبُ؟

أی: ((وتحسب حبّهُم عارًاعلیّ، فحذف المفعولین - وھما: ((حُبَّهُمْ))، و((عارًا علَیَّ)) - لدلالة ماقبلھماعلیھما.

ومثال حذف أحد ھما للدلالة أن یقال: ((ھَلْ ظَنَنْتَ اَحَدًا قَائِمًا))؟ فتقول: ((ظَنَنْتُ زَیْدًا)) أی: ظننت زیدًا قائمًا، فتحذف الثانی للدلالة علیه، ومنه قوله:

١٣٣ -وَلَقَدْ نَزَلْتِ - فَلاَ تَظُنِّی غَیْرَهُ
مِنِّی بِمَنْزِلَةِ الْمُحَبِّ الْمُکْرَمِ

أی: ((فَلاَ تَظُنّی غیرَہ واقعًا)) ف ((غیرہ)) ھو المفعول الأول، و((واقعًا)) ھو المفعول الثانی.

وھذاالذی ذکرہ المصنف ھو الصحیح من مذاھب النحویین.

فإن لم یدل دلیل علی الحذف لم یجز: لافیھما، ولا فی أحدھما؛ فلا تقول: ((ظننت))، ولا ((ظننت زیدًا، ولا ((ظننت قائمًا)) ترید ((ظننت زیدًاقائمًا)).

ترجمہ وتشریح:

ظنّ کے باب میں قرینہ کے وقت دومفعولوں کا حذف جائز ہے:

پہلے یہ بات گزرگئی کہ ظنّ واخواتُھا کے دومفعول ہوا کرتے ہیں اب یہ بتارہے ہیں کہ اس باب میں دونوں مفعولوں کو یا ایک کو بھی ساقط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حذف کی صورت میں فائدہ نہیں ہوگا بلکہ محض ظنّ یا علم کی خبر دینا مقصود ہوگی جوکہ پہلے سے معلوم ہے۔

ہاں اگر اس پر کوئی دلیل دلالت کرے تو پھر جائز ہے۔ دلالت کی صورت میں دو مفعولوں کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے هَلْ ظَنَنْتَ زیدًا قائمًا تو چونکہ یہاں سوال میں زیدا اور قائم پر دلالت ہے اس لئے جواب میں ظننتُ کہکر دونوں مفعولوں کو حذف کر سکتے ہیں چنانچہ آپ کہینگے ((ظننتُ))

اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۲ – بِأَيِّ كِتَابٍ أَمْ بِأَيَّةِ سُنَّةٍ
تَرَى حُبَّهُمْ عَارًا عَلَيَّ وتحسبُ؟

ترجمہ:...... کس کتاب یا کس حدیث کی دلیل کی وجہ سے تو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ میرے لئے محبت کرنا عار ہے۔

تشریح المفردات:

(ترٰی) رأیٌ مصدر سے بمعنی اعتقاد کے ہیں۔ (عار) باعث شرم بات، عیب، طعنہ (وتحسَبُ) اس میں واو کو أو کے معنی میں لینا زیادہ اچھا ہے، (حبّهم) میں هم ضمیر آل بیت کی طرف راجع ہے۔

محل استشہاد:

(تحْسَبُ) کے دونوں مفعولوں (حبّهم، عارًا عَلَيَّ) کو حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ ماقبل کا کلام ان پر دال ہے۔

ومثال حذف احدهما الخ:

ایک مفعول کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے ((هَلْ ظننتَ احدًا قائمًا)) اور آپ جواب میں کہیں ظننتُ زیدًا ای ظننتُ زیدًا قائمًا) یہاں ثانی مفعول قائمًا کو حذف کیا ہے اسلئے کہ سوال میں اس پر دلالت موجود ہے۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۳ – وَلَقَدْ نَزَلْتِ – فَلَا تَظُنِّي غَيْرَهُ
مِنِّي بِمَنْزِلَةِ الْمُحَبِّ الْمُكْرَمِ

ترجمہ:......اللہ کی قسم تحقیق تو میرے نزدیک بمنزلہ محبوب اور باعزت کی ہوگئی ہے لہٰذا میرے اوپر اس کے علاوہ (واقع ہونے) کا گمان نہ کر۔

تشریح المفردات:

(نزلت) محذوف قسم کا جواب ہے ای واللہ نزلت (المحب) اسم مفعول کا صیغہ ہے اَحَبَّ یُحِبُّ حباً باب افعال سے استعمال اس کا کم ہے اس سے اسم مفعول زیادہ تر محبوبٌ کے وزن پر آتا ہے اور اسم فاعل محبٌ باب افعال سے زیادہ تر آتا ہے۔ (المُکرَم) اسم مفعول کا صیغہ ہے عزت کیا ہوا، معزز۔

محل استشہاد:

(فلا تظنّی غیرہ) محل استشہاد ہے۔ اسی طرح کہ فلا تظنی غیرہ کا مفعول ثانی، واقعًا یا حاصلاً اختصار کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے، جمہور نحویوں کے ہاں یہ جائز ہے۔

فان لم یدلّ الخ:

مذکورہ حذف ان صورتوں میں جائز تھا جہاں حذف پر قرینہ موجود تھا اگر حذف پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں نہ دونوں مفعولوں کا حذف جائز ہے اور نہ ایک کا۔ لہٰذا صرف (ظننتُ) یا ظننتُ زیدًا نہیں کہا جاتا اس طور کہ اس سے مراد (ظننتُ زیدًا قائمًا) ہو۔

وَكَتَظُنُّ اجْعَلْ تَقُوْلُ إِنْ وَلِي
مُسْتَفْهِمًا بِهِ، وَلَمْ يَنْفَصِلُ
بِغَيْرِ ظَرْفٍ أَوْ كَظَرْفٍ، أَوْ عَمَلْ
وَإِنْ بِبَعْضِ ذِي فَصَلْتَ يُحْتَمَلْ

ترجمہ:...آپ تقول کو تظنّ کی طرح عمل میں کریں اگر تقولُ مل جائے اس کے ساتھ جس سے استفہام کیا جاتا ہے اس حال میں کہ تقول اور استفہام میں فاصلہ نہ ہو سوائے ظرف، شبہ ظرف معمول فعل کے، اور ان تینوں میں اگر کسی ایک کا فاصلہ بھی آپ لائینگے تو اس کا احتمال ہے (یعنی یہ فاصلہ مضر نہیں اس کے ہوتے

ہوئے بھی تظن کی طرح جاری ہوسکتا ہے)

(ش) القول شأنه إذا وقعت بعده جملةٌ أن تحكى، نحو: ((قال زيدٌ عمرو منطلق))، و((تقُوْل زيدٌ منطلِقٌ)) لكن الجملة بعده في موضع نصبٍ على المفعولية.

ويجوز إجراؤه مجرى الظن؛ فينصب المبتدأ والخبر مفعولين، كما تنصبهما ((ظنّ)).

والمشهور أن للعرب في ذلك مذهبين؛ أحدهما — وهو مذهب عامة العرب — أنه لا يجري القول مجرى الظن إلا بشروط — ذكرها المصنف — أربعة، وهي التي ذكرها عامة النحويين؛ الأول: أن يكون الفعل مضارعًا؛ الثاني: أن يكون للمخاطب، وإليهما أشار بقوله: ((اجعل تقول)) فإنّ ((تقول)) مضارع، وهو للمخاطب؛ الشرط الثالث: أن يكون مسبوقًا باستفهام، وإليه أشار بقوله: ((إن ولي مستفهمابه))؛ الشرط الرابع: أن لا يفصل بينهما — أي بين الاستفهام والفعل — بغير ظرف، ولا مجرور، ولا معمول الفعل، فإن فصل بأحدها لم يضر، وهذا هو المراد بقوله: ((ولم ينفصل بغير ظرف — إلى آخره))

فمثال ما اجتمعت فيه الشروط قولك: ((أتقول عمرا منطلقًا))، فعمرًا: مفعول أول، ومنطلقًا: مفعول ثان، ومنه قوله:

۱۳۴ — مَتَى تَقُولُ الْقُلُصَ الرَّوَاسِمَا
يَحْمِلْنَ أُمَّ قَاسِمٍ وَقَاسِمَا

فلو كان الفعل غير مضارع، نحو: ((قال زيدٌ عمرٌو مُنْطَلِقٌ)) لم ينصب القول مفعولين عند هؤلاء، وكذا إن كان مضارعًا بغير تاء، نحو: ((يقول زيدٌ عمرٌو منطلق)) أو لم يكن مسبوقًا باستفهام، نحو: ((أنت تقول عمرو منطلق)) أو سبق باستفهام ولكن فصل بغير ظرف، ولا جارّ ومجرور، ولا معمول له، نحو: ((أأنت تقول زيدٌ منطلقٌ)) فإن فصل بأحدها لم يضر، نحو: ((أعندك تقول زيدًا منطلقًا)) و((أفي الدار تقول زيدًا منطلقًا)) و((أعمرًا تقول منطلقا))، ومنه قوله:

۱۳۵- أَجُهَّالاً تَقُولُ بَنِي لُؤَيٍّ
لَعَمْرُ أَبِيكَ أَمْ مُتَجَاهِلِينَا

فبني (لؤي): مفعول اول، وجهالا: مفعول ثان.

وإذا اجتمعت الشروط المذكورة جاز نصب المبتدأ والخبر مفعولين لتقول، نحو: ((أتقول زيدًا منطلقًا))، وجاز رفعهما على الحكاية، نحو: ((أتقول زيد منطلق)).

ترجمہ وتشریح:

تَقُوْلُ کا تَظُنُّ کی طرح عمل کرنا:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ " قــــول" کے بعد اگر جملہ واقع ہو جائے تو بعینہ اس جملہ کی حکایت کی جائے گی جیسے: قَالَ زیدٌ عمرٌو منطلقٌ، تقُولُ زیدٌ منطلقٌ، یہاں عمرو منطلق کی حکایت مقصود ہے۔لہٰذا بغیر کسی تغیر کے اس کو بعینہ ذکر کر دیا گیا لیکن یہ جملہ (عمرٌو منطلق) محلاً منصوب بنا بر مفعول بہ ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ظنّ کی طرح عمل دیا جائے چنانچہ یہ مبتدا خبر دونوں کو نصب دے اور وہ دونوں اس کیلئے مفعول ہونگے۔

شارح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں عرب کے دو مسلک ہیں۔

(۱) پہلا مسلک عام عرب کا ہے۔

(۲) دوسرا مسلک سُلیم کا ہے۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ قول کو ظنّ کی طرح عمل دیا جا سکتا ہے اس طور پر کہ چار شرطوں کا لحاظ رکھا جائے اور یہ چار شرطیں وہی ہیں جن کو عام نحویوں نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ فعل مضارع ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ مخاطب کا صیغہ ہو ان دونوں شرطوں کی طرف مصنفؒ نے مختصر لفظ "اجعل تقول" میں اشارہ کیا ہے اس لئے کہ یہاں تقول مضارع بھی ہے اور مخاطب کا صیغہ بھی ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اس سے پہلے استفہام ہو "إن ولِیَ مستفهَمًا به" کے ساتھ مصنفؒ نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ استفہام اور فعل کے درمیان ظرف، مجرور معمول فعل کے علاوہ کسی اور کا فاصلہ نہ ہو البتہ ان تینوں کا فاصلہ صحیح ہے۔ ''ولم ینفصل بغیر ظرف'' کے ساتھ مصنفؒ نے اس شرط کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اب یہ چاروں شرطیں جس مثال میں جمع ہیں وہ ''اَتَقُوْلُ عمرًا منطلقًا'' والی مثال ہے لہٰذا یہاں تقولُ نے تظنُّ کی طرح عمل کیا ہے عمرًا اس کیلئے مفعول اوّل اور منطلقًا مفعول ثانی ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۴ - مَتَى تَقُوْلُ الْقُلُصَ الرَّوَاسِمَا
يَحْمِلْنَ أُمَّ قَاسِمٍ وَقَاسِمَا

ترجمہ:...... آپ کب گمان کریں گے جوان اور تیز رو اونٹنیوں پر کہ وہ میرے پاس اٹھا لائینگی اُمّ قاسم اور قاسم کو۔

تشریح المفردات:

(تَقُوْلُ بمعنی تَظُنّ) اس لئے کہ اس میں مذکورہ چار شرطیں پائی جاتی ہیں۔ (القلص) قاف اور صاد کے ضمہ کے ساتھ قَلُوص کی جمع ہے جوان اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔ (الرواسم) یہ القلص کی صفت ہے راسمۃ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے سخت روندنے کی وجہ زمین پر نشانات کا پڑ جانا، یا رسیم سے ماخوذ ہے اونٹوں کی ایک تیز رفتار قسم کا نام ہے۔ (یَحْمِلن) ضرب سے ہے بمعنی اٹھانا، یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے ایک روایت میں (یدنین) آیا ہے بمعنی قریب ہونا (امّ قاسم) زیادہ کی بہن کی۔

محلّ استشہاد:

(متی تقول القلصَ الرّواسمَا) محلّ استشہاد ہے یہاں چونکہ ذکر کردہ چار شرطیں پائی جارہی ہیں اس لئے تقولُ بمعنی تظنّ کے ہوا اور (القلص الرواسما) اس کیلئے مفعول اور (یحملن الخ) جملہ اس کیلئے مفعول ثانی۔

شانِ ورود:...... ہدبہ بن خشرم (جو کہ حجاز کا مشہور شاعر ہے) کے چچازاد بھائی نے ہدبہ کی بہن فاطمہ کے ساتھ اظہار عشق کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

عُوجِی عَلَیْنَا یَا فَاطِمَة
امَا تَرَینَ الدمع منّی سَاجِمًا

ترجمہ:......اے فاطمہ ہماری طرف توجہ کر کیا تو بہتا ہوا آنسونہیں دیکھتی ۔پھر اسی کے جواب میں ھُدبۃ نے زیادہ کی بہن امّ قاسم سے اظہار عشق کرتے ہوئے مندرجہ بالاشعر پڑھا ای متی تقول الخ اس شعر کے سننے پر زیادہ نے ہدبہ کو مارا اور اس کے والد کو زخمی کیا ہدبہ نے زیادہ کو قتل کر کے انتقام لیا بالآخر ہدبہ کو بھی قصاصاً قتل کیا گیا۔

فلو کان الفعل الخ:

اب چار شرطوں کے احترازی ہونے کو بتارہے ہیں۔تقول بمعنی بظنّ ہونے کیلئے چار شرطیں تھیں۔فعل مضارع ہو،مخاطب ہو۔اس سے پہلے استفہام ہو۔استفہام اور فعل میں اجنبی کا فاصلہ نہ ہو۔لہٰذا اگر فعل غیر مضارع ہو جیسے "قال زیدٌعمرٌو منطلقٌ" یا مخاطب کا صیغہ نہ ہو جیسے:"یقولُ زیدٌ عمرٌو منطلقٌ " یا اس سے پہلے استفہام نہ ہو جیسے" أنت تقولُ عمرٌو منطلقٌ" یا استفہام ہو لیکن اجنبی کا فاصلہ ہو جیسے:"أانتَ تقُولُ زیدٌ منطلقٌ" تو ان تمام صورتوں میں"قول" ظنّ " کے معنی میں نہیں ہوگا اور دو مفعولوں کو نصب نہیں دے گا۔

اگر ظرف کا فاصلہ ہو جیسے" أعندَکَ تقُولُ زیدًامنطلقًا" یا جار مجرور کا ہو جیسے" أفِی الدّارِتقُولُ زیدًا منطلقًا" یا معمول کا ہو جیسے"اعمرا تقُولُ منطلقًا" تو ان صورتوں میں فاصلہ مضرّ نہیں یعنی قول ظنّ کے معنی میں ہوکر دو مفعولوں کو نصب دے گا اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٣٥-اجُهّالاتَقُولُ بَنِی لُؤَیٍّ
لَعَمْرُ اَبِیکَ اَمْ مُتَجَاهِلِینَا

ترجمہ:......تیرے والد کی زندگی کی قسم کیا تو بنو لوی (یعنی قریش) کو قبیلہ مضر کی فضیلتوں سے ناواقف سمجھتا ہے(کہ قریش نے باوجود اس کے کہ مضر قبیلہ یمن والوں سے بدرجہا بہتر ہے یمن والوں کو مختلف ولایتیں دی ہیں) یا تو سمجھتا ہے کہ قریش بتکلف جاہل بنے بیٹھے ہیں۔(یہاں شاعر کمیت بن زید قبیلہ مضر سے تعلق رکھتا ہے

قریش نے بجائے مضر والوں کے اہل یمن کو ترجیح دی تھی اس پر شاعر گلہ شکوہ کر رہا ہے)

تشریح المفردات:

(جُهَّالا) جاہل کی جمع ہے نا سمجھ ایک روایت نُوَّامًا آیا ہے. نائم کی جمع ہے بمعنی سوئے ہوئے۔(بنو لؤی) اس سے مراد سارے قریش ہیں کیونکہ ان میں اکثر کا نسب لؤی بن غالب بن فھر بن مالک بن نضر تک پہنچتا ہے اس طرح وہ ابو القریش کہلاتے ہیں۔(مُتَجَاهِلِينَا) باب تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تفاعل میں ایک خاصیت تکلف کی بھی ہوتی ہے یہاں وہی مراد ہے یعنی وہ آدمی جو جاہل نہیں لیکن اپنے آپ کو بتکلف جاہل بنائے ۔ جو حضرات شعر کے شروع میں نُوَّامًا نقل کرتے ہیں ان کے ہاں متجاهلینا کی جگہ متناومینا ہے یعنی وہ آدمی جو خود بتکلف اپنے کو سلا دیں۔

محلّ استشہاد:

(أَجُهَّالا تَقُولُ بَنِي لُؤَيٍّ) محلّ استشہاد ہے یہاں تَقُولُ نے تَظُنّ کی طرح عمل کیا ہے اس کا مفعول اوّل (جُهَّالاً) اور ثانی "بنی لؤی" ہے یہاں اگرچہ استفہام اور فعل کے درمیان "جُهَّالاً" کا فاصلہ آیا ہے لیکن یہ فاصلہ مضر نہیں یعنی اس کے ہوتے ہوئے بھی تقولُ تظُنّ کی طرح عمل کرے گا اس لئے کہ یہ فاصل خود تقولُ فعل کا معمول ہے بایں طور کہ یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے۔

واذا اجتمعت الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ جب مذکورہ بالا چاروں شرطیں پائی جائیں تو مبتدا خبر کو منصوب بنا بر مفعولیت کرنا بھی جائز ہے جیسے "أتقُولُ زيدًا منطلقًا" اور بنا بر حکایت ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے جیسے: اتقُولُ زيدٌ منطلقٌ

وَاجـــرِيَ الـــقَـــوْلُ كَـــظَـــنّ مُـــطْـــلَـــقَـــا
عِـــنْـــدَ سُـــلَـــيْـــمٍ نَـــحْـــوُ قُـــلْ ذَا مُـــشْـــفِـــقَـــا

ترجمہ:......اور قول کو ظنّ کی طرح مطلقًا جاری کر دیا گیا ہے سُلیم کے ہاں جیسے قُلْ ذا

مُشْفِقًا۔ (آپ اس پر شفقت کرنے والا خیال کریں)

(ش)أشار إلى المذهب الثاني للعرب في القول، وهو مذهب سليم؛ فيجرون القول مجرى الظن في نصب المفعولين، مطلقًا، أي: سواء كان مضارعًا أم غير مضارع، وجدت فيه الشروط المذكورة أم لم توجد، وذلك نحو: ((قُلْ ذَا مُشْفِقًا)) ف((ذا)) مفعول أول، و((مشفقًا)) مفعول ثان، ومن ذلك قوله:

۱۳۶ - قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلاً فَطِينَا
هٰذَا لَعَمْرُ اللّٰهِ إِسْرَائِينَا

ف((هذا)): مفعول أول لقالت: و((إسرائينا)): مفعول ثان.

ترجمہ وتشریح:

قول کے متعلق ایک مسلک گزر گیا کہ یہ ظن کے ساتھ معنی اور عمل میں تب شریک ہوگا جب اس میں ذکر کردہ چار شرطیں پائی جائیں ورنہ نہیں اب یہاں سے قول کے اندر دوسرا مسلک بتا رہے ہیں جو سلیم کا ہے ان کے ہاں قول ظن کی طرح ہے دو مفعولوں کو نصب دینے میں مطلقًا چاہے مضارع ہو یا غیر مضارع، اس میں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہوں یا نہیں جیسے: "قُلْ ذا مشفِقًا" یہاں قول مضارع بھی نہیں مخاطب کا صیغہ بھی نہیں اس سے پہلے استفہام بھی نہیں پھر بھی عمل ہوا ہے ذا اس کیلئے مفعول اوّل اور مشفقًا مفعول ثانی ہے اور اسی شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۶ - قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلاً فَطِينًا
هٰذَا لَعَمْرُ اللّٰهِ إِسْرَائِينَا

ترجمہ:...... میری بیوی نے کہا (حالانکہ میں ایک سمجھدار آدمی تھا) اللہ کی قسم یہ (گوہ)
تو بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے۔

تشریح المفردات:

(فطینًا) سمِعَ کے باب سے صیغہ صفت ہے اور نصر سے بھی استعمال ہوتا ہے اس مادہ کا مشہور وصف فَطِنٌ ہے، سمجھدار کو کہتے ہیں۔ (اسرائین) یہ اسرائیل میں ایک لغت ہے جس طرح جبرین کہکر جبرئیل اور اسماعین

کہکر اسماعیل مراد لیا جاتا ہے۔ اسرائیل کا معنیٰ ہے "عبداللہ" یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

شانِ ورود:...... شاعر ایک اعرابی تھا جو گوہ شکار کر کے گھر لایا تو اس کو بیوی نے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ میں ایک سمجھدار آدمی تھا اس کے باوجود میری بیوی نے میرے اوپر یہ بے جا اعتراض کیا۔ واضح رہے کہ یہ اس کی بیوی کا زعم باطل ہے اور عرب بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ گوہ جانور بنی ا[illegible]ن کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتیں تین دن کے بعد ختم ہو گئیں تھیں اور ان کی کوئی نسل باقی نہیں رہی۔

محلِ استشہاد:

(قالت - هذا - اسرائینا) محلِ استشہاد ہے یہاں قال نے ظنّ کی طرح عمل کیا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ذا مفعول اوّل (جو هذا میں ہے) اور اسرائینا مفعول ثانی۔ ان کے ہاں چونکہ اسرائینا منصوب ہے اس لئے یہ مفعول ثانی ہوا قالت کیلئے۔

البتہ بعض حضرات نے اس شعر میں ایسی تاویل کی ہے کہ جس سے مذکورہ شعر مصنفؒ یا شارحؒ کے موافق نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ هذا مبتدا ہے اور اسرائینا منصوب نہیں بلکہ محلاً مجرور ہے اور اس میں دو مضاف حذف ہیں أی هذا ممسوخ بنی اسرائینا مضاف کو حذف کر کے اسرائینا مضاف الیہ کو برقرار رکھا اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو جر پر باقی رکھنا جائز ہے اگر چہ اس طرح قلیل ہے۔ اور مضاف الیہ اسرائینا پر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں آتا اس لئے کہ اس میں دو سبب علمیت اور عجمہ پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس تاویل پر اسرائینا (ای هذا ممسوخ بنی اسرائینا) هذا سے خبر ہے قول کیلئے مفعول نہیں لہٰذا اس سے مصنفؒ یا شارحؒ کا استدلال صحیح نہیں۔ لیکن صاحب منحة الجلیل نے یہاں انصاف کی بات کہی ہے کہ یہ بات تو پکی ہے کہ قول کے ذریعہ سے دو مفعولوں کو مطلقاً نصب دینا بعض عرب کی ایک لغت ہے لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ شاعر بھی ان ہی عرب میں سے ہو جن کی یہ لغت ہے۔

واللہ اعلم

وَصلتُ الیٰ هذا المقام تحریرًا فی ۱۳ شعبان ۱۴۲۵ھ فالحمدللہ

أَعْلَمَ وَأَرَى

إِلَى ثَلاثَةٍ رَأَى وَعَلِمَا
عَدَّوْا إِذَا صَارَا أَرَى وَأَعْلَمَا

ترجمہ:..... رأی اور عَلِمَ جب أرٰی اور أعلما ہو جائیں تو پھر نحوی حضرات تین مفعولوں کی طرف ان کو متعدّی کرتے ہیں (یعنی ہمزہ سے پہلے دو اور ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں) (عَدَّوا) جمع کا صیغہ ہے مراد اس سے علماء نحو ہیں کہ وہ ان کو تین کی طرف متعدّی کرتے ہیں۔

(ش) أشار بهذا الفصل إلى ما يتعدّى من الأفعال إلى ثلاثة مفاعيل؛ فذكر سبعةَ أفعال: منها ((أعلم، وأرى)) فذكر أن أصلهما ((علم، ورأى))، وأنهما بالهمزة يتعديان إلى ثلاثة مفاعيل؛ لأنهما قبل دخول الهمزة عليهما كانا يتعدّيان إلى مفعولين نحو "علم زيدٌ عمروا منطلقًا" و "رأى بكر خالدًا أخاک" فلما دخلت عليهما همزة النقل زادتهما مفعولا ثالثًا، وهو الذی كان فاعلا قبل دخول الهمزة، وذلک نحو: ((أعلمت زيدًا عمرًا منطلقًا)) و((أريت خالدًا بكرًا أخاک))؛ فزيدًا، وخالدًا: مفعول أول، وهو الذی كان فاعلًا حين قلت: ((علم زيد، ورأى خالد))،

وهذا هو شأن الهمزة، وهو: أنها تصير ما كان فاعلا مفعولا، فإن كان الفعل قبل دخولها لازمًا صار بعد دخولها متعدّيًا إلى واحد، نحو: ((خرج زيد، وأخرجت زيدًا)) وإن كان متعديًا إلى واحد صار بعد دخولها متعديًا إلى اثنين، نحو: ((لبس زيد جبّة)) فتقول: ألبستُ زيدًا جبة)) وسيأتی الكلام عليه، وإن كان متعدّيًا إلى اثنين صار متعديا إلى ثلاثة، كما تقدم فی ((أعلم، وأرى)).

ترجمہ و تشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں

اس فصل میں ان افعال کا ذکر کیا جا رہا ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں، ان میں سے یہاں سات افعال کو ذکر کیا گیا ہے۔ اعلَمَ، أری کو پہلے ذکر کیا ان دونوں کی اصل عَلِمَ، رأی تھی ہمزہ کے داخل ہونے سے

پہلے یہ دومفعولوں کی طرف متعدّی ہوا کرتے تھے۔ جیسے: عَلِمَ زیدٌ عمرا منطلقًا' رای خالدٌ بکرًا اخاک' لیکن جب ان پر ھمزۃ النقل (چونکہ یہ ایک باب سے دوسرے باب کی طرف نقل کرتا ہے اس وجہ سے اس کو ھمزۃ النقل کہتے ہیں) داخل ہوگیا تو اس نے ایک تیسرے مفعول کا بھی اضافہ کیا اور یہ تیسرا مفعول وہی ہے جو اس ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے فاعل تھا جیسے: اَعْلَمْتُ زیدًا عمرًا منطلقًا، اَرَیْتُ خالدًا بکرًا اخاک. یہاں ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد زیدا اور خالد مفعول ہوئے جبکہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے عَلِمَ زیدٌ، رای خالدٌ میں یہ دونوں فاعل تھے۔

شارح فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ کی شان ہے کہ اس کے داخل ہونے سے پہلے جو فاعل ہوتا ہے وہ اس کے داخل ہونے کے بعد مفعول بن جاتا ہے پس اگر اس کے داخل ہونے سے پہلے وہ فعل لازمی ہو جیسے: خَرَجَ زیدٌ تو اس کے داخل ہونے کے بعد وہ متعدّی بیک مفعول ہوگا جیسے اخرجتُ زیدًا اور اگر پہلے ایک مفعول کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوگا جیسے لَبِسَ زیدٌ جُبَّةً، اَلْبَسْتُ زیدًا جُبَّةً اور دو کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد تین کی طرف متعدّی ہوگا جیسا کہ "اَعْلَمْ" "اریٰ" میں گزر گیا۔

وَمَا لِمَفْعُولَیْ عَلِمْتُ مُطْلَقًا

لِلثَّانِ وَالثَّالِثِ اَیْضًا حُقِّقَا

ترجمہ:...... جو احکام عَلِمْتُ کے دو مفعولوں کیلئے ہیں مطلقًا تو وہی احکام اَعْلَمَ، اریٰ کے دوسرے اور تیسرے مفعول کیلئے بھی ثابت ہیں۔

(ش) أی: یثبت للمفعول الثانی والمفعول الثالث من مفاعیل ((أعلم، وأری)) ما ثبت لمفعولی ((علم، ورأی)): من کونهما مبتدأ وخبرًا فی الأصل، ومن جواز الإلغاء والتعلیق بالنسبة إلیهما، ومن جواز حذفهما أو حذف أحدهما إذا دلّ علی ذلک دلیل.

ومثال ذلک: ((أعلمت زیدًا عمرًا قائمًا)) فالثانی والثالث من هذه المفاعیل أصلهما المبتدأ والخبر—وهما ((عمرو قائم))—ویجوز إلغاء العامل بالنسبة إلیهما، نحو: ((عمرو أعلمت زیدًا قائمٌ)) ومنه قولهم: ((البَرَکَةُ أعْلَمَنَا اللّٰهُ مَعَ الأکابر)) ف ((نا)): مفعول أول، و((البرکة

مبتدأ، و((مع الأكابر)) ظرف في موضع الخبر، وهما اللذان كانا مفعولين، والأصل: ((أعلمنا الله البركة مع الأكابر))، ويجوز التعليق عنهما؛ فتقول: ((أعلمت زيدًا لعمرو قائم))

ومثال حذفهما للدلالة أن يقال: هل أعلمت أحدًا عمرا قائمًا؟ فتقول: أعلمت زيدًا ومثال حذف أحدهما للدلالة أن تقول في هذه الصورة: ((أعلمت زيدًا عمرا)) أي: قائمًا، أو ((أعلمت زيدًا قائمًا)) أي: عمرا قائمًا.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے عَلِمَ، رأی کے دونوں مفعولوں کیلئے کچھ احکام ذکر ہوئے مثلاً یہ کہ ان کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہوتے ہیں جیسے: عَلِمَ زیدٌ عمرا قائمًا میں عمرو اور قائم مفعول بننے سے پہلے اصل میں مبتدا خبر تھے چنانچہ عمرو قائم کہا جاتا تھا اور یہ کہ ان میں الغاء وتعلیق دونوں ہوا کرتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں کا یا ایک کا دلالت کی وجہ سے حذف جائز ہے یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ یہ سارے احکام أعْلَمَ، أرٰی کے دوسرے اور تیسرے مفعول کیلئے بھی ثابت ہونگے۔

چنانچہ اعلمت زیدًا عمرًا قائمًا میں دوسرا اور تیسرا مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہیں، اسی طرح اس میں بھی الغاء جائز ہے جیسے عمروٌ اعلمتُ زیدًا قائمٌ اور اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے۔ "البَرَكَةُ أعْلَمَنا اللّٰهُ مَعَ الاكابر" یہاں (نا) ضمیر متکلم مفعول اوّل ہے (البركة) مبتدا ہے (مع الاكابر) ظرف ہے خبر کی جگہ پر واقع ہے اور یہ دونوں پہلے مفعول تھے اصل عبارت یوں تھی" أعلَمَنا اللّٰهُ البركةَ مَعَ الاكابر"، تعلیق کی مثال جیسے "أعلمتُ زيدًا لعمرٌو قائمٌ" دونوں کے حذف کی مثال بوجہ دلالت کے یہ ہے کہ کہا جائے "هَلْ اعلمتَ احدًا قائمًا" اور جواب میں صرف اعلمتُ زيدًا کہکر دو مفعولوں کو حذف کیا جائے، ایک کے حذف کی مثال یہ ہے کہ آپ اسی صورت میں کہہ دیں "اعلمتُ زيدًا عمرًا" یا "اعلمتُ زيدًا قائمًا"

وَإنْ تَعَدَّيَا لِوَاحِدٍ بِلاَ
هَمْزٍ فَلاِثْنَيْنِ بِهِ تَوَصَّلاَ

وَالثَّانِ مِنْهُمَا كَثَانِي اثْنَي كَسَا
فَهُوَ بِهِ فِي كُلِّ حُكْمٍ ذُو ائْتِسَا

ترجمہ:...... اگر رأی اور علم ہمزہ کے بغیر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں تو ہمزہ کے ساتھ دو کی طرف متعدی ہونگے اور ان کا دوسرا مفعول "کَسَا" کے دوسرے مفعول کی طرح ہے۔ پس یہ ہر حکم میں اس کا تابع ہے۔

(ش) تقدم أن ((أى، وعلم)) إذا دخلت عليهما همزة النقل تعديا إلى ثلاثة مفاعيل، وأشار في هذين البيتين إلى أنه إنما يثبت لهما هذا الحكم إذا كانا قبل الهمزة يتعدّيانِ إلى مفعولين، وأما إذا كانا قبل الهمزة يتعدّيان إلى واحد- كما إذا كانت ((رأى)) بمعنى أبصر، نحو: ((رأى زيد عمرًا)) و((علم)) بمعني عرف نحو: ((علم زيدٌ الحق)) -فإنهما يتعديان بعد الهمزة إلى مفعولين، نحو: ((أريت زيدًا عمرًا)) و((أَعْلَمْتُ زيدًا الحقَّ)) والثاني من هذين المفعولين كالمفعول الثاني من مفعولي ((كسا)) و((أَعْطَى)) نحو: كَسَوْتُ زيدًا جُبَّةً)) و((أعطيتُ زيدًا درهما)): في كونه لا يصح الإخبار به عن الأول؛ فلا تقول: [زيد الحق، كما لا تقول] ((زيد درهم))، وفي كونه يجوز حذفه مع الأول، وحذف الثاني وإبقاء الأول، وحذف الأول وإبقاء الثاني، وإن لم يدل على ذلك دليل؛ فمثال حذفهما: ((أعلمتُ وأعطيتُ))، ومنه قوله تعالى: ﴿فأمّا من أعطى واتقى﴾، ومثال حذف الثاني وإبقاء الأول: ((أعلمت زيدًا، وأعطيت زيدًا)) ومنه قوله تعالى: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾، ومثال حذف الأول وإبقاء الثاني نحو: ((أَعْلَمْتُ الحقَّ، وأعطيتُ دِرْهَمًا)) ومنه قوله تعالى: ﴿حَتَّى يُعْطُوا الجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ وهذا معنى قوله: ﴿والثاني منهما- إلى آخر البيت)).

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ راى، عَلِم پر جب ہمزہ داخل ہو جائے تو یہ تین مفعول کی طرف متعدی ہونگے اب ان دو اشعار میں اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جب یہ دونوں ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہوں۔ ورنہ اگر ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے ایک مفعول کی طرف

متعدی ہوں مثلاً جب "رای" "اَبْصَرَ" کے معنیٰ میں ہو جیسے "رأی زیدٌ عمرًا" اور عَلِمَ "عَرَفَ" کے معنیٰ میں ہو جیسے
علِمَ زیدٌ الحقَّ" تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد صرف دو کی طرف متعدی ہونگے جیسے "أریتُ زیدًا عمرًا"
علمتُ زیدًا الحقَّ"

الثانی الخ:

دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ان دو مفعولوں میں دوسرے مفعول کا حکم وہی ہے جو
کسا" اور "اعطی" کے دوسرے مفعول کا ہے کہ اس کے ذریعہ پہلے مفعول سے خبر دینا جائز نہیں لہٰذا "اعطیتُ
ادرھمًا" میں جیسے زیدٌ درھمٌ "نہیں کہہ سکتے اسی طرح "اعلمتُ زیدًا الحقَّ" میں زیدٌ حقٌّ "نہیں کہہ سکتے۔
اس حکم میں بھی شریک ہے کہ دوسرے مفعول کو حذف کر کے پہلے کو ذکر کریں یا برعکس، اگر چہ اس پر دلیل دلالت بھی نہ
ے۔

دونوں مفعولوں کے حذف کی مثال "اَعلمتُ" "اعطیتُ" ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فامّا مَنْ
طی واتّقٰی" دوسرے مفعول کے حذف اور پہلے کے ذکر کی مثال "اَعلمتُ زیدًا" "اعطیتُ زیدًا ہے اور اسی
اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" یہاں (ک) مفعول اوّل ذکر ہے اور مفعول
محذوف ہے۔ پہلے کے حذف اور دوسرے کے ذکر کی مثال "اعلمتُ الحقَّ" "اعطیتُ درھمًا ہے اور اسی سے
تعالیٰ کا یہ قول ہے "حتّٰی یُعطوا الجزیۃ" یہاں (المسلمین) مفعول اوّل حذف ہے۔ (والشان منھما
) و آنے شعر کا یہی مطلب ہے۔

وَكَـــــارَى الشَّـــــابِـــقِ نَبَّـــــا، أَخْبَـــــرَا
حَـــــدَّثَ أَنْبَـــــا، كَـــــذَاكَ خَبَّـــــرَا

ترجمہ:...... پہلے اری کی طرح نبا، اخبرَ، حدّثَ، انبا بھی ہے اسی طرح خبّرَ بھی
ہے۔

) تقدّم أن المصنف عدّ الأفعال المتعدية إلى ثلاثة مفاعيل سبعة، وسبق ذكر: ((أعلَم، وأرَى))
وفي هذا البيت الخمسة الباقية، وهي: ((نبّأ)) كقولك: ((نبّأتُ زيدًا عمرًا قائمًا)) ومنه قوله:

١٣٧ - نُبِّئْتُ زُرْعَةَ والسَّفَاهَةُ كاسمِها
يُهْدِي إليَّ غَرَائِبَ الأشعَارِ

وَ((أخبَرَ)) كقولك: ((أخبرت زيدًا أخاك منطلقًا)) ومنه قوله:

١٣٨ - وَمَا عَلَيْكِ - إِذَا أُخْبِرْتِنِي دَنِفًا
وَغَابَ بَعْلُكِ يَوْمًا - أَنْ تَعُودِينِي؟

وَ((حدَّث)) كقولك: ((حدّثتُ زيدًا بكرًا مقيمًا)) ومنه قوله:

١٣٩ - أو مَنَعْتُمْ مَا تُسْأَلُونَ، فَمَنْ حُدِّ
ثْتُمُوهُ لَهُ علينا الوَلَاءُ

وَ((أنبأ)) كقولك: ((أنبات عبدالله زيدًا مسافرًا)) ومنه قوله:

١٤٠ - وَأُنْبِئْتُ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ
كَمَا زَعَمُوا خَيْرَ أَهْلِ الْيَمَنْ

وَ((خبَّر)) كقولك: ((خبّرت زيدًا عمرًا غائبًا)) ومنه قوله:

١٤١ - وَخُبِّرْتُ سَوْدَاءَ الغَمِيمِ مَرِيضَةً
فَأَقْبَلْتُ مِنْ أَهْلِي بِمِصْرَ أَعُودُهَا

وإنما قال المصنف: ((وكأرى السابق)) لأنه تقدم في هذا الباب أن ((أرى)) تارة تتعدّى إلى ثلاثة مفاعيل، وتارة تتعدّى إلى اثنين، وكان قد ذكر أولا [أرى] المتعدية إلى ثلاثة؛ فنبّه على أن هذه الأفعال الخمسة مثل ((أرى)) السابقة، وهي المتعدية إلى ثلاثة، لا مثل ((أرى)) المتاخرة، وهي المتعدية الى اثنين.

ترجمہ وتشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوا کرتے تھے ان میں ''اَعْلَمَ'' اور ''أرىٰ'' کا ذکر پہلے ہو چکا
اب باقی پانچ کو ذکر کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک ''نَبَّأَ'' بھی ہے جیسے ''نَبَّأْتُ زیدًا عمرًا

قائما'' اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۷۔ نُبِّئْتُ زُرْعَةَ والسَّفَاهَةُ كَاسْمِهَا
يُهْدِيْ إِلَيَّ غَرَائِبَ الاشْعَارِ

ترجمہ:...... مجھے زرعۃ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ مجھے عجیب اور غیر مانوس اشعار بھیجتا ہے (اور بے وقوفی اپنے معنی میں اسی طرح قبیح ہے جس طرح بے وقوفی کا لفظ، شاعر کا مطلب یہ ہے کہ زرعۃ بے وقوف اور کمزور عقل والا آدمی ہے)

تشریح المفردات:

(نُبِّئْتُ) باب تفعیل سے ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے خبردار کرنا، نبا اور خبر میں بعض حضرات فرق نہیں کرتے اور بعض کے نزدیک (نبا) (خبر) سے خاص ہے اس لئے کہ (نبا) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو زیادہ اہمیت والا اور بڑی شان ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ''عمّ يتساءلون عن النبأ العظيم'' (السفاهة) بے وقوفی و عقل کا کمزور ہونا از سمع (والسفاهة كاسمها أراد انّ السفاهة في معناها قبيحة كما انّ اسمها قبيح) يُهْدِي باب افعال سے ہدیہ، تحفہ دینا (غرائب) غريبة کی جمع ہے عجیب اور انوکھی بات۔ یہاں (غرائب الاشعار) سے وہ اشعار مراد ہیں جن کا قائل باقاعدہ تجربہ کار شاعر نہ ہو، اس طرح آدمی کے اشعار بھی عجیب و غریب لگتے ہیں۔

شانِ ورود:...... یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے اس میں زرعۃ بن عمرو بن خویلد کی مذمت بیان کر رہا ہے یہ دونوں عکاظ بازار میں ایک دوسرے سے ملے زرعہ نے نابغہ ذبیانی کو بنو اسد کی دشمنی اور ان کی قطع تعلقی پر ابھارا آپس میں حلیف ہونے کی وجہ سے اس طرح کرنا چونکہ دھوکے میں آ رہا تھا اس وجہ سے نابغہ نے انکار کر دیا زرعہ اپنی جانب چل پڑا اور نابغہ کو دھمکیاں دینے لگا اور اس کے خلاف اشعار کہنے لگا نابغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے یہ شعر کہا ''نبئتُ زرعة الخ''

محلِ استشہاد:

(نبئتُ زرعة...... يهدي) محلِ استشہاد ہے۔ یہاں نبّأ تین مفعولوں کی طرف متعدی ہے مفعول اوّل (تُ)

ضمیر نائب فاعل ہے اور مفعول ثانی زرعة ہے اور یُهْدِیُ إلیَّ غرائب الاشعار" جملہ مفعول ثالث ہے۔

تین مفعولوں کی طرف متعدی ہونے والا ایک فعل "أَخْبَرَ" بھی ہے جیسے "أخبرتُ زیدًا أخاک منطلقًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۸-وَمَا عَلَیْکِ -إذَا أُخْبِرْتِنِیْ دَنِفًا
وَغَابَ بَعْلُکِ یَوْمًا-أَنْ تَعُوْدِیْنِیْ؟

ترجمہ:..... کس چیز نے آپ کو میری عیادت کرنے سے روکا جب آپ کو میرے بیمار ہونے کی خبر دی گئی حالانکہ ایک دن آپ کا شوہر بھی گھر سے غائب تھا۔ (یعنی باوجود میرے مریض (مریض عشق) ہونے کے آپ میری عیادت کو کیوں نہیں آئی)

تشریح المفردات:

(وما علیک) استفہام انکاری ہے أی "أیُّ شیء ثبتَ علیک فی عیادتی" (دنف) بروزن کتف اس دائمی مرض کو کہتے ہیں جو انسان کی قوتوں کو ختم کردے۔ یہاں عشق کا مرض مراد ہے۔ (بعل) شوہر، بیوی، جمع بعال وبعول (تعودی) نصر سے عیادت کرنا، واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے آخر سے نون حذف ہوا ہے (عیادة) مریض کی مزاج پرسی کو کہتے ہیں۔

محل استشہاد:

(أخبِرْتِنی دنفًا) محل استشہاد ہے یہاں "اخبر" نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے مفعول اوّل تاء ضمیر بارز جو کہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور دوسرا مفعول یاء متکلم اور تیسرا دنفًا۔

وحدّث الخ:

حدّث بھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے "حَدَّثْتُ زیدًا بکرًا مقیمًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۹-أو مَنَعْتُمْ مَا تُسْأَلُوْنَ، فَمَنْ حُدِّ
ثْتُمُوْهُ لَهُ عَلَیْنَا الْوَلَاءُ

ترجمہ:...... (تم سے بھائی بندی اور مساوات کا مطالبہ کیا گیا تھا) اور تم نے منع کیا اس چیز کو جو تم سے مانگی گئی تھی پس کون ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی کہ اس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہے؟ (استفہام انکاری ہے یعنی کوئی بھی نہیں جس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہو)

تشریح المفردات:

(أومنعتُم) ماقبل کے شعر پر عطف ہے، (منعتم) ای مانسالکم ان تعطوه من النصفة والاخاء والمساواة، (الولاء) بمعنی غلبہ، بلندی ایک روایت میں (علاء) آیا ہے۔

محل استشہاد:

(حدثتموه) لهٗ علینا الولاء محل استشہاد ہے یہاں حدّث نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک نائب فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور دوسرا (ہ) ضمیر غائب اور تیسرا جملہ ''لهٗ علینا الولاءُ'' ہے۔

وأنبأ الخ:

تین مفعولوں کی طرف متعدی ہونے والا ایک فعل ''انبأ'' بھی ہے جیسے '' أنبأتُ عبدَاللّٰه زیدًا مُسافِرًا'' اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۰-وَأُنْبِئْتُ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ

كَمَا زَعَمُوا خَيْرَ أَهْلِ الْيَمَنْ

ترجمہ:...... مجھے قیس کے بارے میں خبر دی گئی (اور میں نے خود اس کا امتحان نہیں لیا یعنی میں نے اس پر تجربہ نہیں کیا) کہ وہ یمن والوں میں سے بہترین آدمی ہے۔

تشریح المفردات:

(قیسًا) یہاں قیس بن معدیکرب مراد ہے، اعشی میمون بن قیس اس کی تعریف کر رہا ہے۔ (لم ابله) بلاپبلو امتحان لینے کے معنی میں ہے نصر سے ہے مجزوم بحذف الواوَ ہے۔

محلِ استشہاد:

(انبئت قیسا...... خیر اھل الیمن) محلِ استشہاد ہے یہاں "انبا" نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے اوّل تاءِ متکلم ہے جو نائب فاعل واقع ہے دوسرا مفعول قیسًا اور تیسرا خیرَ اھل الیمن ہے۔

وخبَّر الخ:

خَبَّرَ بھی تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے جیسے: "خَبَّرْتُ زیدًا عمرًا غائبًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۱-وَخُبِّرْتُ سَوْدَاءَ الْغَمِيْمِ مَرِيضَةً

فَأَقْبَلْتُ مِنْ أَهْلِي بِمِصْرَ أَعُوْدُهَا

ترجمہ...... مجھے خبر دی گئی کہ سوداء الغمیم (محبوبہ کا لقب ہے) بیمار ہے تو میں مصر میں اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اس کی عیادت کیلئے آیا۔

تشریح المفردات:

(سوداء الغمیم) یہ محبوبہ کا لقب ہے چونکہ وہ غمیم نامی جگہ میں رہتی تھی اس وجہ سے یہ لقب پڑ گیا، غمیم حجاز کے ایک علاقے کا نام ہے۔(بمصر) ترکیب کے اعتبار سے "اھلی" کیلئے صفت ہے ای "الکائنین بمصر (اعودھا) اقبلت" کی تاء سے حال مقدّرہ ہے۔

شانِ ورود:...... یہ شعر عوام بن عقبہ بن کعب بن زہیر کا ہے ان کے والد اور دادا سب شاعر تھے شاعر بنو عبداللہ بن غطفان کی ایک عورت پر عاشق ہوا اور اس کے والد کو بھی اسی عورت کے ساتھ عشق تھا عوام روزگار کیلئے گیا راستہ میں پتہ چلا کہ اس کی محبوبہ بیمار ہے وہاں سے مصر چھوڑ کر عیادت کیلئے اپنی محبوبہ کے پاس آیا، محبوبہ نے اشارہ کر کے پوچھا تو عوام نے جواب دیا کہ میں آپ کی عیادت کیلئے آیا ہوں۔

آپس کی بات چیت کے بعد محبوبہ نے عوام کو واپس جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ وہ چلا گیا اس کے چلے جانے کے بعد محبوبہ اس کے فراق اور بیماری کی وجہ سے انتقال کر گئی، یہاں شاعر اسی نقشہ کو پیش کر رہا ہے۔

محل استشہاد:

(خُبِّرْتُ سوداء الغميم مريضة) محل استشہاد ہے یہاں ''خَبَّرَ'' نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک تاء ضمیر جو نائب فاعل واقع ہے۔ دوسرا (سوداء الغميم) اور تیسرا مريضة۔

وانّما قال المصنّف الخ:

مصنفؒ نے ''وَكارى السّابق نبّأ الخ'' کہا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ''أرى'' کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور کبھی دو مفعولوں کی طرف۔ پہلے مصنفؒ نے جس ''أرى'' کو ذکر کیا ہے وہ تین مفعول کی طرف متعدّی ہونے والا ہے۔ یہاں مصنفؒ نے (وكارى السابق نبّأ الخ) کہکر اشارہ کیا کہ نبّأ اور اس کے علاوہ دیگر افعال پہلے والے ذکر کردہ ''أرى'' کی طرح ہیں یعنی تین مفعول کی طرف یہ بھی متعدّی ہوتے ہیں اور اس'' أرى ''کی طرح نہیں جس کا ذکر بعد میں ہوا یعنی جو دو مفعول کی طرف متعدّی ہے۔

اَلْفَاعِلُ

الفاعِلُ الَّذِی کمَرْفُوعَی "أتی
زیدٌ" مُنیرًا وَجهُهُ نِعْمَ الفتٰی

ترجمہ:...... فاعل وہ ہے جو أتی زیدٌ "مُنیرًا وَجهُهٗ اور نعمَ الفتٰی کے دونوں مرفوع کی طرح ہو۔ (أتی زیدٌ فعل متصرف اور نعم الفتی فعل غیر متصرف اور "مُنیرًا وجهُه" مرفوع بشبه الفعل کی مثال ہے)۔

(ش) لما فرغ من الکلام علی نواسخ الابتداء شرع فی ذکر مایطلبه الفعل التام من المرفوع —وهو الفاعل، أو نائبه— وسیأتی الکلام علی نائبه فی الباب الذی یلی هذا الباب.

فأما الفاعل فهو: الاسم، المسند إلیه فعل، علی طریقة فعل، أو شبهه، وحکمه الرفع والمراد بالاسم: مایشمل الصریح، نحو: ((قَامَ زیدٌ)) والمؤوَّل به، نحو: ((یعجبنی أن تقُومَ)) أی: قِیَامُکَ.

فخرج ب ((المسند إلیه فعل)) ما أسند إلیه غیره، نحو: ((زَیدٌ أخوکَ)) أو جملة، نحو: ((زید قام أبوه)) أو ((زیدٌ قامَ)) أو ماهو فی قوة الجملة، نحو: ((زیدٌ قائمٌ غُلامُهُ)) أو زیدٌ قائمٌ)) أی: هو.

وخرج بقولنا ((علی طریقة فعل)) ما أسند إلیه فعل علی طریقة فعل، وهو النائب عن الفاعل، نحو: ((ضُربَ زیدٌ))

والمراد بشبه الفعل المذکور: اسم الفاعل، نحو: ((أقائمٌ الزَّیْدانِ)) والصفة المشبهة، نحو: ((زیدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ)) والمصدر، نحو: ((عجبت من ضرب زیدٍ عمرًا)) واسم الفعل، نحو: ((هَیْهَاتَ العَقِیقُ)) والظرف والجار والمجرور، نحو: ((زید عندک أبوه)) أو ((فی الدار غُلامَاهُ)) وأفعل التفضیل، نحو: ((مررت بالأفضل أبوه)) فأبوه: مرفوع بالأفضل، وإلی ماذکر أشار المصنف بقوله: ((کمرفوعی أتی —إلخ))

والمراد بالمرفوعين ما كان مرفوعًابالفعل أوبمايشبه الفعل، كماتقدم ذكره، ومثل المرفوع بالفعل بمثالين: أحدهما مارفع بفعل متصرف، نحو: ((أتى زيد))، والثانى مارفع بفعل غير متصرف، نحو: ((نِعْمَ الفَتَى))، ومثّل للمرفوع بشبه الفعل بقوله: ((منيرًا وجهه)).

ترجمہ وتشریح:

نواسخ الابتداء پر تفصیلی کلام گزر چکا اب اس چیز کو ذکر کر رہے ہیں جس کو فعل تام (اگر چہ ناسخ ہو جیسے: ... ـنـت) طلب کرتا ہے اور وہ فاعل یا نائب فاعل کہلاتا ہے۔ نائب فاعل کا ذکر اس باب کے بعد آئے گا انشاء اللہ یہاں فاعل کو ذکر کر رہے ہیں۔

فاعل کی تعریف:

فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو " فَعَلَ" کے طریقہ پر یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس کا حکم مرفوع ہونا ہے۔

اسم کہا تو یہ اسم صریح کو بھی شامل ہوا جیسے " قـامَ زيـدٌ" اور اس کو بھی شامل ہوا جو صراحۃً تو فعل ہو لیکن ماویلاً بالمصدر اسم ہو جیسے يعجبنى أن تقوم، أن جب مضارع پر داخل ہو تو اس کو مؤول بالمصدر کرتا ہے "المسند اليه فعل" کہا تو احتراز کیا اس سے جس کی طرف غیر فعل کا اسناد کیا گیا ہو جیسے زيدٌ أخوکَ یا جملہ کا اسناد ہو جیسے "زيدٌ قامَ ابوه"، زيدٌ قام، یا مکمل جملہ کا اسناد تو نہ ہو لیکن "فى قوة الجملة" کا ہو جیسے "زيدٌ قائمٌ غلامه" یا زيد قائم "ای هُو

على طريقة فَعَلَ ۔فعل کے طریق پر اسناد ہو یعنی فعل معروف کا اسناد ہو اس سے احتراز کیا اس اسناد سے جو "على طريقة فعل" ہو یعنی فعل مجہول والا ہو جیسے ضُرِبَ زيدٌ.

المرادبشبه الفعل الخ:

شبہ فعل سے مراد اسم فاعل ہے جیسے: "أقـائـمٌ الزيدان" اور صفت مشبہ جیسے "زيـدٌ حَسَنٌ وَجْهُـهُ" اور مصدر جیسے "عـجـبـتُ مِـنْ ضـرُب زيـدٍعمرًا"، اسم فعل جیسے هَيْهَـاتَ العقيقُ" ظرف اور جار مجرور جیسے: زيدٌ عندک ابوه" فِـى الـدّارِ غُلامَـاهُ"، اسم تفضیل جیسے "مَـرَرْتُ بـالأفـضـل أبوه" اسی کی طرف مصنفؒ نے

کہ مرفوعی الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

مرفوعین سے مراد مرفوع بالفعل اور مرفوع بشبہ الفعل ہیں، مرفوع بالفعل کی دو مثالیں مصنفؒ نے دی ہیں ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل المتصرف ہو جیسے "أتیٰ زیدٌ" اور ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل الغیر المتصرف ہو۔ جیسے نِعمَ الفتیٰ، مُنیرًا وَجْهُهٗ۔

وَبَعْدَ فِعْلٍ فَاعِلٌ فَإِنْ ظَهَر
فَهُوَ وَإِلَّا فَضَمِيرٌ اسْتَتَر

ترجمہ:...... فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے پس اگر فاعل ظاہر ہو تو وہی مطلوب ہے ورنہ فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مستتر ہے۔

(ش) حكم الفاعل التأخرعن رافعه– وهو الفعل أوشبهه –نحو: ((قام الزيدان ، وزيدقائمٌ غلاماه، وقام زيد)) ولايجوزتقديمه على رافعه؛فلا تقول:((الزيدان قام))،ولا((زيد غلاماه قائم))،ولا ((زيد قام)) على أن يكون ((زيد)) فاعلا مقدما،بل على أن يكون مبتدأ، والفعل بعده رافع لضمير مستتر، والتقدير((زيدٌ قَامَ هُوَ)) وهذامذهب البصريين،وأماالكوفيون فأجازواالتقديم فى ذلك كله.

وتظهرفائدة الخلاف في غيرالصورة الأخيرة–وهي صورة الأفراد–نحو: ((زَيْدٌ قَامَ))؛ فتقول على مذهب الكوفيين:((الزيدان قَامَ))والزيدون قامَ))وعلى مذهب البصريين يجب أن تقول:((الزيدان قَامَا،والزيدون قاموا))،فتأتى بألف وواوٍفي الفعل،ويكونان هماالفاعلين، وهذا معنى قوله:((وبعد فعل فاعل)).

وأشار بقوله فإن ظهر–ألخ))إلى أن الفعل وشبهه لابد له من مرفوع فإن ظهرفلاإضمار نحو:((قَامَ زيد))،وإن لم يظهرفهوضمير،نحو:((زيدٌقَامَ))أي:هو.

ترجمہ وتشریح:

فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے:

فاعل چونکہ وضعاً فعل کے بعد ہوتا ہے اس وجہ سے فاعل کی تقدیم جائز نہیں دوسری بات یہ ہے کہ فاعل کی تقدیم کی صورت میں مبتداء کے ساتھ التباس آتا ہے۔ مثلاً اگر فاعل کی تقدیم کو جائز قرار دیا جائے تو زیدٌ قامَ میں پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں زید مبتدا ہے اور قام سے خبر دی جارہی ہے یا قیام کا اسناد کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا بصریین کے یہاں فاعل کی تقدیم جائز نہیں۔ چنانچہ زیدٌ قامَ والی ترکیب میں زید مبتدا اور قام فعل فاعل جملہ خبر واقع ہے، اور کوفیین کے ہاں ان تمام صورتوں میں فاعل کی تقدیم جائز ہے۔

ثمرہ اختلاف:

اختلاف کا ثمرہ مفرد کے علاوہ تثنیہ جمع میں ظاہر ہوتا ہے کوفیین کے مذہب کے مطابق ''الزیدان قامَ، الزیدونَ قامَ کہنا جائز ہے اور بصریین کے نزدیک ''الزیدون قاما'' اور الزیدون قاموا'' پڑھنا ضروری ہے یعنی فعل میں آپ الف یا واؤ لائینگے اور یہی دونوں فاعل ہونگے۔ مصنفؒ کے قول ''وَبَعْدَ فعلٍ فاعلٌ'' کا یہی معنیٰ ہے۔

فان ظهر الخ:

اس سے مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فعل اور شبہ فعل کیلئے مرفوع (فاعل) کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو پھر اضمار نہیں ہوگا جیسے ''قَامَ زیدٌ'' اگر ظاہر نہ ہو تو فاعل ضمیر ہوگی۔ جیسے ''زیدٌ قام ای هُوَ''

وَجَرِّدِ الْفِعْلَ إِذَامَا أُسْنِدَا
لاثْنَيْنِ اَوْ جَمْعٍ كَ ((فَازَ الشُّهَدَا))
وَقَدْ يُقَالُ: سَعِدَا، وَسَعِدُوا
وَالْفِعْلُ لِلظَّاهِرِ - بَعْدُ - مُسْنَدُ

ترجمہ:...... (آپ تثنیہ جمع کی علامت سے) فعل کو خالی کردیں جب وہ تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو جیسے: فَازَ الشهداء (شہید کامیاب ہوگئے) یہاں فاعل جمع کا صیغہ

ہے (یعنی شھداء) اور اس کا مفرد جمع کی علامت سے خالی ہے اور کبھی سَعِدَا،
سَعِدُوا (یعنی فعل کو تثنیہ جمع لاکر) بھی کہا جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ فعل اس کے بعد
اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے۔

(ش) مذهب جمهور العرب أنه إذا أسند الفعل إلى ظاهر – مثنى، أو مجموع – وجب تجريده من علامة تدل على التثنية أو الجمع، فيكون كحاله إذا أسند إلى مفرد؛ فتقول: ((قام الزيدان، وقام الزيدون، وقامت الهندات))، كما تقول: ((قام زيد)) ولا تقول على مذهب هؤلاء: ((قاما الزيدان))، ولا ((قاموا الزيدون))، ولا ((قمن الهندات)) فتأتي بعلامة في الفعل الرافع للظاهر، على أن يكون ما بعد الفعل مرفوعا به، وما اتصل بالفعل – من الألف، والواو، والنون – حروف تدل على تثنية الفاعل أو جمعه، بل على أن يكون الاسم الظاهر مبتدأ مؤخرًا، والفعل المتقدم وما اتصل به اسما في موضع رفع به، والجملة في موضع رفع خبرًا عن الاسم المتأخر.

ويحتمل وجهًا آخر، وهو: أن يكون ما اتصل بالفعل مرفوعا به كما تقدم، وما بعده يدل مما اتصل بالفعل من الأسماء المضمرة – أعني الألف، والواو، والنون –

ومذهب طائفة من العرب – وهم بنو الحارث بن كعب، كما نقل الصفار في شرح الكتاب – أن الفعل إذا أسند إلى ظاهر – مثنى، أو مجموع – أتى فيه بعلامة تدل على التثنية أو الجمع؛ فتقول: ((قاما الزيدان، وقاموا الزيدون، وقمن الهندات)) فتكون الألف والواو والنون حروفا تدل على التثنية والجمع، كما كانت التاء في ((قامت هند)) حرفًا تدل على التأنيث عند جميع العرب، والاسم الذي بعد المذكور مرفوع به، كما ارتفعت ((هند)) بـ ((قامت))، ومن ذلك قوله:

۱۴۲ – تَوَلَّى قِتَالَ الْمَارِقِينَ بِنَفْسِهِ
وَقَدْ أَسْلَمَاهُ مُبْعَدٌ وَحَمِيمُ

وقوله:

۱۴۳ – يَلُومُونَنِي فِي اشْتِرَاءِ النَّخِيـ
ـلِ أَهْلِي، فَكُلُّهُمُ يَعْذِلُ

قوله:

۱۴۴-رَأَيْنَ الْغَوَانِي الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي
فَأَعْرَضْنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

ف ((مُبْعَدٌ وَحَمِيْمٌ))مرفوعان بقوله: ((أسلماه)) والألف في ((أسلماه))حرف يدل على كون الفاعل اثنين، وكذلك ((أهلي)) مرفوع بقوله((يلومونني)) والواوحرف يدل على الجمع، و((الغواني)) مرفوع ب ((رأينَ)) والنون حرف يدل على جمع المؤنث ، وإلى هذه اللغة أشار المصنف بقوله:((وقد يقال سعدا وسعدوا -إلى آخر البيت)).

ومعناه أنه قد يؤتى في الفعل المسند إلى الظاهر بعلامة تدل على التثنية، أو الجمع؛ فأشعر قوله((وقد يقال)) بأن ذلك قليل ، والأمر كذلك.

وإنما قال:((والفعل للظاهربعد مسند)) لينبه على أن مثل هذاالتركيب إنمايكون قليلاً إذاجعلت الفعل مسنداإلى الظاهر الذى بعده،وأماإذاجعلته مسنداًإلى المتصل به-من الألف، والواو،والنون-وجعلتَ الظاهر مبتدأ،أوبدلامن الضمير؛فلايكون ذلك قليلاً،وهذه اللغةالقليلة هي التي يعبرعنها النحويون بلغة:((أكلوني البراغيث))،ويعبرعنها المصنف في كتبه بلغة ((يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار))،ف((البراغيث)) فاعل أكلوني))،و((ملائكة)) فاعل ((يتعاقبون))، هكذازعم المصنف.

ترجمہ وتشریح:

فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اوراس میں اختلاف

جمہورعرب کا مسلک یہ ہے کہ فعل جب فاعل ظاہر کی طرف مسند ہو یعنی اس کا فاعل اسم ظاہر ہو اور وہ فاعل تثنیہ وجمع ہوتو اس صورت میں فعل کو تثنیہ جمع کی علامت سے خالی کرنا ضروری ہے۔لہٰذا اس کا حکم ایسا ہی ہوگا جس طرح مفرد کی طرف مسند کا ہوتا ہے یعنی فعل کو صرف مفرد لایا جائے گا جیسے قام الزیدان، قامَ الزیدون،قامتِ الهنداتُ ، ان کے مسلک پر قاما الزیدان، قاموا الزیدون" قمنَ الهندات نہیں کہا جائے گا بایں طور کہ فعل کا مابعد اس کیلئے

فاعل ہو اور وہ اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہو اور الف واؤ نون محض تثنیہ جمع پر دلالت کرنے کیلئے لائے گئے ہوں بلکہ اس صورت میں (الزیدان، الزیدون' الھندات) مبتدا مؤخر ہونگے اور قاما، قاموا – قُمْنَ خبر مقدم ہونگے۔ (شارح فرماتے ہیں) کہ ان میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ جو فعل کے ساتھ متصل ہیں مثلاً الف، واؤ، نون وہی اس کیلئے فاعل ہیں اور یہ مبدل منہ ہے اور مابعد کا اسم ظاہر ان ہی الف واؤ نون سے بدل ہیں۔

ومذهب طائفةمن العرب الخ:

بنوالحارث بن کعب (جو عرب کا ایک طائفہ ہے) کے نزدیک (جس طرح صفارؒ نے کتاب کی شرح میں نقل کیا ہے) کے نزدیک جب فعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو تو اس میں علامت لائی جائیگی جو دلالت کرے گی فاعل کے تثنیہ یا جمع ہونے پر (واضح رہے کہ ان کے ہاں فاعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی صورت میں فعل پر علامت تثنیہ یا جمع لانا ضروری نہیں بلکہ صرف جواز کی حد تک ہے کبھی وہ لاتے ہیں اور کبھی نہیں)

لہٰذا آپ ان کے مسلک کے مطابق کہینگے "قَامَاالزیدان، قَامُوا الزیدون قُمْنَ الھنداتُ" الف واؤ نون تثنیہ جمع پر دلالت کرنے والے حروف ہونگے جس طرح "قَامَتْ ھِنْدٌ" میں تاء تمام عرب کے ہاں تانیث پر دلالت کرتی ہے اور بعد کا اسم اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۴۲– تَوَلّٰی قِتَالَ الْمَارِقِیْنَ بِنَفْسِهِ
وَقَدْ اَسْلَمَاهُ مُبْعَدٌ وَحَمِیْمُ

ترجمہ:...... حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دین سے نکلنے والوں کے ساتھ لڑائی کی خود ذمہ داری لی حالانکہ ان کو اجنبی اور دوست سب لوگوں نے چھوڑا تھا۔

تشریح المفردات:

(تَوَلّٰی) باب تفعّل سے واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے کس چیز کی ذمہ داری لینا، سرپرستی کرنا (المارقین) نصر سے دین سے خارج ہونے والا' یہاں خوارج مراد ہیں، قیامت کی علامات والی حدیث شریف میں بھی ہے یمرقون من الدین کمایمرق السهم من الرمیّة" (اسلما) باب افعال سے کسی کی مدد کو چھوڑنا

(مبعد) عین کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ بمعنی اجنبی (حمیم) قریبی آدمی، گہرا دوست۔

شان ورود:...... یہ شعر عبید اللہ بن قیس کا ہے چونکہ یہ جن تین عورتوں پر عاشق تھا تینوں کا نام رُقیہ تھا اس وجہ سے "قیس الرّقیات" کہلانے لگا۔ حضرت مصعب بن زبیرؓ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خلافت امویہ کے خلاف نکل آئے تھے شاعر بھی ان ہی بھائیوں کے ساتھ تھا' حضرت مصعب بن زبیرؓ آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے ان کے مرثیہ میں شاعر مذکور نے یہ شعر کہا۔

محل استشہاد:

(اسلماہ مبعد وحمیم) محل استشہاد ہے یہاں فاعل تثنیہ ہے جمہور کے نزدیک "اسلمہ مبعد وحمیم" مفرد فعل ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے باوجود تثنیہ آیا ہے بنوالحارث بن کعب والوں کے مسلک کے مطابق، جمہور اس میں وہی دو تاویل کرتے ہیں جن کا ذکر ابھی پہلے ہو گیا۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۴۳ - یَلُوْمُوْنَنِیْ فِی اشْتِرَاءِ النَّخِیـ
لِ أَهْلِیْ، فَكُلُّهُمْ يَعْذِلُ

ترجمہ:...... میرے گھر والے مجھے کھجور کے درخت خریدنے پر ملامت کرتے ہیں پس ان میں سے ہر ایک (یعنی ہر کس و ناکس) ملامت کرتا ہے۔

تشریح المفردات:

(یلومون) لام یلوم نصر سے بمعنی ملامت کرنا، (اشتراء) باب افتعال کا مصدر ہے خریدنا (نخیل) کھجور کے درخت اسم جمع ہے اس لفظ سے اس کا واحد نہیں اور (نخل) اسم جنس جمعی ہے جس کے بارے میں کلمہ کی بحث میں گزر چکا کہ اس میں اور اس کے مفرد میں تاء کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس کا مفرد نخلۃٌ ہے (اھل) اہل وعیال، بیوی بچے، (یعذل) ضرب سے ملامت کرنا، اگرچہ حاشیۃ الخضری میں اس کو نصرَ سے بھی کہا ہے۔

محلّ استشہاد:

(یلوموننی ......اَھْلِی) محلّ استشہاد ہے یہاں فاعل (اھل) معنی کے اعتبار سے جمع ہے اسلئے فعل کو بھی جمع لایا ہے صحیح قول کے مطابق یَلُومُنی بصیغہ مفرد ہونا چاہیئے۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

رَأَیْنَ الْغَوَانِی الشَّیْبَ لَاحَ بِعَارِضِی
فَأَعْرَضْنَ عَنِّی بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

ترجمہ:......خوبصورت عورتوں نے میرے چہرے کے ایک حصّہ پر بالوں کی سفیدی دیکھی تو تر وتازہ خوب صورت رخساروں کے ذریعہ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا۔

تشریح المفردات:

(الغوانی) غانیة کی جمع ہے "وھی المرء ة التی استغنت بحسنها وجمالها عن الزینة"، وہ عورت جو اپنے حسن وجمال کی وجہ سے زینت اختیار کرنے سے مستغنی ہو۔ (الشیب) بالوں کی سفیدی (لاح) نصر سے ہے بمعنی ظاہر ہونا عارض چہرے کا ایک حصّہ، ایک رُخ (الخدود) خدّ کی جمع ہے بمعنی رخسار، (النواضر) ناضرة کی جمع ہے بمعنی تر وتازہ اور خوبصورت۔

محلّ استشہاد:

(رأین الغوانی) محلّ استشہاد ہے یہاں فاعل اسم ظاہر کی طرف فعل مسند ہے فصیح لغت کے مطابق رأت مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا لیکن پھر بھی جمع کے ساتھ آیا ہے۔

ومعناه انه الخ:

(قدیقال سعدا وسعدوا) کہکر مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ فعل کے ساتھ تثنیہ جمع کی علامتوں کو لانا جب فاعل اسم ظاہر ہو یہ کبھی کبھی ہوتا ہے یعنی یہ قلیل ہے (بایں وجہ کہ مصنفؒ نے مضارع پر قد داخل کیا ہے اور قد جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کا معنی دیتا ہے)

وانّماقال الخ:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے "والفعل للظاهر بعد مسند" کہکر اس بات پر تنبیہ کی کہ اس طرح کی ترکیب اس وقت قلیل ہے جب آپ فعل کو اسم ظاہر کی طرف مسند کریں یعنی اسم ظاہر کو فاعل بنائیں اور اگر آپ گزشتہ تفصیل کے مطابق قاما، قاموا، قمن میں الف، واؤ، نون کو فاعل بنائیں اور اسم ظاہر کو مبتدا کر دیں یا الف واؤ، نون کو مبدل منہ اور اسم ظاہر کو بدل بنائیں تو اس صورت میں قلیل نہیں۔

اسی لغت قلیلہ کو نحوی حضرات "اکلونی البراغیث" کی لغت کے نام سے یاد کرتے ہیں (یہاں بھی البراغیث اسم ظاہر جمع ہے فاعل واقع ہے اور اس کا فعل بھی جمع ہے' ترجمہ مجھے پسّو کھا گئے) اور مصنفؒ نے اپنی بعض کتابوں میں "یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة باالنهار" کی لغت سے اس کی تعبیر کی ہے (یہاں فاعل ملائکة جمع اسم ظاہر ہے فعل بھی "یتعاقبون" جمع آیا ہے۔

وَيَرْفَعُ الْفَاعِلَ فِعْلٌ أُضْمِرَا

كَمِثْلِ "زَيْدٌ" فِي جَوَابِ "مَنْ قَرَا"؟

ترجمہ:..... اور فاعل کو رفع دیتا ہے وہ فعل بھی جو مضمر ہو جیسے کہا جائے "زَيْدٌ" (بغیر فعل کے) اس شخص کے جواب میں جو کہے مَنْ قَرَءَ (یعنی کبھی قرینہ کے وقت فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہے یہاں سائل کے سوال میں چونکہ فعل مذکور ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کیا)

(ش) إذادلّ دليل على الفعل جاز حذفه، وإبقاء فاعله، كماإذاقيل لک: ((من قرأ))؟فتقول: ((زيد)) التقدير: ((قرأزيد))

وقد يحذف الفعل وجوبا، كقوله تعالىٰ: ﴿وإنْ أحَدٌ من المشركين استجَارَکَ﴾ ف ((أحد)) فاعل بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: ((وإن استجارک [أحد استجارک])) ، وكذلک كل اسم مرفوع وقع بعد ((إن)) أو ((إذا)) فإنه مرفوع بفعل محذوف وجوبًا، ومثال ذلک في ((إذا)) قوله تعالىٰ: ﴿إذاالسَّمآء انشقَّتْ﴾ ف ((السماء)) فاعل بفعل محذوف، والتقدير: ((إذاانشقّت السَّمآء انشقَّتْ)) وهذامذهب جمهور النحويين، وسيأتي الكلام على هذه المسألة

في باب الاشتغال، إن شاء الله تعالى

ترجمہ وتشریح:

قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے:

جب فعل پر کوئی دلالت کرنے والا قرینہ ہو تو فعل کو حذف اور فاعل کو برقرار رکھ سکتے ہیں، مثلاً کہا جائے مَنْ قَرَءَ، اور جواب میں "زیدٌ" کہا جائے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ کبھی فعل کو وجوبًا بھی حذف کر سکتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کے اس قول میں "وَإِنْ اَحَدٌ من المشركينَ استجارَكَ" اس میں تقدیرِ عبارت یوں ہے "وَإِنِ استجارَكَ احَدٌ من المشركين استجارَكَ" یہاں اَحَدٌ سے پہلے فعل کو وجوبی طور پر حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ بعد میں اس کا مفسِّر (تفسیر کرنے والا) یعنی مشرکین کے بعد والا "استجارک" ذکر ہے تو اس سے پہلے فعل کو اس لئے حذف کیا تاکہ مفسَّر اور مفسِّر میں اجتماع لازم نہ آئے جو کہ نا جائز ہے۔

اسی طرح جو اسم "إذا" کے بعد واقع ہو جیسے "إذا السماء انشقّتْ اس کے فعل کو بھی وجوبًا حذف کیا جاتا ہے تقدیرِ عبارت ہے "إذا انشقَّتِ السماءُ انشقّتْ" اس مسئلہ کی مزید تفصیل "اشتغال العامل من المعمول" یعنی ما أضمرَ عامله علىٰ شريطة التفسير کی بحث میں آئے گی، انشاء اللہ۔

وَتَاءُ تَانِيثٍ تَلِي المَاضِي، إذَا
كَانَ لِأُنْثَى "كَـ"أبَتْ هِنْدُ الأذَى

ترجمہ:...... تاء تانیث ماضی کے ساتھ آتی ہے جب ماضی مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو (کانَ) میں ھُوَ ضمیر ماضی کی طرف راجع ہے (کان) کے اندر ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی محذوف ہے۔"اى كَانَ مُسْنَدًا لِأُنثى") جیسے أبتْ هندٌ الاذى (یہاں ھندٌ مؤنث فاعل کی طرف اَبَتْ ماضی کو مسند کیا گیا اس لئے ماضی کے ساتھ تاء تانیث آ گئی)

(ش) إذا أسند الفعل الماضي إلى مؤنث لحقته تاء ساكنة تدل على كون الفاعل مؤنثا، ولا فرق في ذلك بين الحقيقي والمجازي، نحو: ((قَامَتْ هندٌ، وطلعت الشمس))، لكن لها حالتان: حالة لزو[م]

حالة جواز، وسيأتي الكلام على ذلك.

ترجمہ وتشریح:

فعل کا مؤنث فاعل کی طرف مسند ہونا:

جب فعل ماضی مؤنث فاعل کی طرف مسند ہوتو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء ساکنہ آتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاعل مؤنث ہے، شارحؒ فرماتے ہیں کہ تاء تانیث آنے میں مؤنث حقیقی اور مؤنث مجازی کے درمیان فرق نہیں بلکہ دونوں کے ساتھ آتی ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) بعض میں لازمی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے مؤنث حقیقی میں "قَامَتْ هِنْدٌ" پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) بعض میں جوازی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے طلعَ الشمسُ ،طلعَتِ الشمسُ اس کی مزید تفصیل آگے آئیگی انشاء اللہ۔

وَإِنَّمَا تَلْزَمُ فِعْلَ مُضْمَرِ
مُتَّصِلٍ، أو مُفْهِمِ ذَاتَ حِرِ

ترجمہ:......تاء تانیث مضمر متصل فاعل کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے یا اس اسم ظاہر کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے جو مؤنث کو بتائے۔(حر فرج یعنی شرمگاہ کو کہتے ہیں)

(ش) تلزم تاء التأنيث الساكنة الفعل الماضي في موضعين:

أحدهما: أن يسند الفعل إلى ضمير مؤنث متصل، ولا فرق في ذلك بين المؤنث الحقيقي والمجازي؛ فتقول: ((هند قامت، والشمس طلعت))، ولا تقول: ((قام)) ولا ((طلع))، فإن كان الضمير منفصلا لم يؤت بالتاء، نحو: ((هند ما قام إلا هي))

الثاني: أن يكون الفاعل ظاهرًا حقيقي التأنيث، نحو: ((قامت هند)) وهو المراد بقوله: ((أو مفهم ذات حر)) وأصل حر حرحٌ، فحذفت لام الكلمة.

وفهم من كلامه أن التاء لا تلزم في غير هذين الموضعين؛ فلا تلزم في المؤنث المجازي الظاهر؛ فتقول: ((طلع الشمس، وطلعت الشمس)) ولا في الجمع، على ما سيأتي تفصيله.

ترجمہ وتشریح:

تاءِ تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تاءِ تانیث ساکنہ فعل کے ساتھ دو جگہوں میں لازماً آتی ہے۔

۱......ایک اس صورت میں جب فاعل مؤنث کی ضمیر ہو یعنی فعل کا اسناد ہوا ہو متصل مؤنث کی ضمیر کی طرف، اس میں حقیقی اور مجازی مؤنث کے درمیان فرق نہیں۔ چنانچہ ھندٌ قَامَتْ، الشمسُ طلعتْ پڑھنا ضروری ہے اس میں قَامَ" طَلَعَ نہیں پڑھ سکتے۔

ہاں اگر ضمیر متصل کے بجائے منفصل ہو تو پھر تاء کو نہیں لایا جائے گا۔ جیسے: "ھندٌ ماقام الاّھِیَ"

۲...... دوسری جگہ جہاں فعل کے ساتھ تاء تانیث ضروری ہے وہ ہے جب اسم فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہو مصنفؒ کے قول "اَوْ مُفْهِمِ ذاتَ حِرٍ" سے یہی مراد ہے، حِرٍ اصل میں حِرِحٌ تھا یَدٌ دَمٌ کی طرح اس کا لام کلمہ بھی حذف ہوا ہے۔۔(حر) فرج المرأۃ (عورت کی شرمگاہ) کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں مطلق فرج مراد ہے۔

وفهم الخ:

مصنفؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو جگہوں کے علاوہ کہیں اور فعل کے ساتھ تاء تانیث لازم لازم نہیں۔ چنانچہ اسم ظاہر مؤنث مجازی کے فاعل میں ضروری ہے۔ لہٰذا آپ طلعَ الشمس، طلعتِ الشمس پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح جمع میں بھی قَامَ الرّجالُ قامت الرجال دونوں (تاء تانیث کے ساتھ یا اس کے بغیر) پڑھ سکتے ہیں۔

وَقَدْيُبِيحُ الْفَصْلُ تَرْكَ التَّاءِ فِي
نَحْوِ "أتَى الْقَاضِيَ بِنْتُ الْوَاقِفِ

ترجمہ:......کبھی "اتی القاضی بنت الواقف" جیسی مثالوں میں فاصلہ تاء کے چھوڑنے کو جائز کرتا ہے۔ (یعنی مثال مذکور میں فعل اور فاعل کے درمیان اِلَّا کے علاوہ فاصلہ آنے کی وجہ سے فعل سے تاء تانیث کو ہٹا سکتے ہیں)

(ش) إذا فصل بين الفعل وفاعله المؤنث الحقيقي بغير ((إلا)) جاز إثبات التاء وحذفها، والأجود الإثبات؛ فتقول: ((أتى القاضي بنت الواقف)) والأجود ((أتت)) وتقول: ((قام اليوم هند)) والأجود ((قامت))

ترجمہ وتشریح:

جب فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں الّا کے علاوہ کسی اور چیز کا فاصلہ آ جائے تو اس صورت میں تاء کو بھی لا سکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ تاء ثابت رہے۔ جیسے: أتى القَاضِيَ بنتُ الواقف میں " أتَتْ " اور " قامَ اليومَ هندٌ " میں قامَتْ پڑھنا بہتر ہے۔

والحذفُ مَعَ فَصْلٍ بِإلاَّ فُضِّلاَ
كَـ"مَا زَكَا إلاَّ فَتَاةُ ابنِ العَلاَ"

ترجمہ:...... تاء کے حذف کو فاصلہ کے ساتھ مفضّل بنایا گیا ہے (یعنی تاء کے حذف کو فضیلت حاصل ہے اس طرح حذف مفضل بصیغہ اسم مفعول ہوا) جیسے: مَا زَكَا إلاَّ فَتَاةُ بن العَلاَ، پاک نہیں مگر ابن العلاء کی بیٹی۔

(ش) وإذا فصل بين الفعل والفاعل المؤنث بـ((إلا)) لم يجز إثبات التاء عند الجمهور، فتقول: ((مَا قَامَ إلاَّ هندٌ، ومَا طَلَعَ إلا الشمس)) ولا يجوز ((ما قَامَتْ إلاَّ هِنْدٌ))، ولا ((مَا طَلَعَتْ إلاَّ الشَّمْسُ))، وقد جاء في الشعر كقوله:

١٤٥ — وَمَا بَقِيَتْ إلاَّ الضُلوعُ الجَرَاشِعُ

فقول المصنف: ((إن الحذف مُفَضَّل على الإثبات)) يُشْعِرُ بأن الإثبات — أيضًا — جائز، وليس كذلك لأنه إن أراد به أنه مُفَضَّل عليه باعتبار أنه ثابتٌ في النثر والنظم، وأن الإثبات إنما جاء في الشعر فصحيح، وإن أراد أن الحذف أكثر من الإثبات فغير صحيح لأن الإثبات قليل جدًا.

ترجمہ وتشریح:

جب فعل اور مؤنث فاعل کے درمیان الاّ کا فاصلہ آ جائے تو اس صورت میں تاء کو ثابت کرنا جائز نہیں۔ یہ

جمہور کا مسلک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں جو فاعل محذوف ہوتا ہے وہ حقیقۃً مذکر ہوتا ہے اس لئے کہ معنی اس طرح ہے "مَا قَامَ اَحَدٌ اِلاَّ هندٌ" تاہم تاء کے اثبات کو مصنفؒ نے جائز قرار دیا اس لئے کہ اس میں ظاہر اور ملفوظ پر (جس پر تلفظ کیا جاتا ہے) کا اعتبار ہے۔ چونکہ فاعل هندٌ مؤنث ہے اور اسی پر ظاہر میں تلفظ کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر کی رعایت کرتے ہوئے مصنفؒ نے تاء کے ثابت ہونے کو بھی جائز قرار دیا۔ چنانچہ مَا قَامَ اِلاَّ هـندٌ، مَا طَلَعَ الاالشمس پڑھنا ضروری ہے۔ اس میں ماقامت الاهندٌ ماطلعتْ الاَّ الشمس" صحیح نہیں۔ کبھی شعر میں اس کے خلاف (یعنی تاء کے ساتھ) بھی وارد ہوا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۵۔ وَمَا بَقِيَتْ اِلاَّ الضُّلُوعُ الجَرَاشِعُ

ترجمہ:...... اور باقی نہیں رہی (میری اونٹنی کی کوئی چیز) مگر موٹی اور کھوکھلی پسلیوں کی ہڈیاں۔

(شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف کر رہا ہے کہ کثرت سفر اور زیادہ ہنکانے کی وجہ سے وہ کمزور اور لاغر ہو چکی ہے اس میں شاعر اپنی جفاکشی اور مصروفیت و بہادری کی تعریف کر رہا ہے، اس سے پہلے والے شعر میں شاعر نے یہ کہا تھا کہ زیادہ ہنکانے اور [illegible] نے میری اونٹنی کے پیٹ کو دبلا اور پتلا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الضلوع) ضلعٌ کی جمع ہے اس کی جمع اضلاع اور اضلع بھی آتی ہے، بمعنی پسلی کما ورد فی حدیث انّ النساء خلقن من ضلع ایسر" (جراشع) بروزن قنافذ، جُرشع کی جمع ہے موٹی اور کھوکھلی۔

محل استشهاد:

"مابَقِيَتْ الاَّالضُلُوع" محل استشہاد ہے یہاں فعل کے ساتھ تاء تانیث آئی ہے۔ حالانکہ فعل اور فاعل مؤنث میں الاّ کا فاصلہ بھی ہے۔ جمہور کے ہاں شعر کے علاوہ میں یہ جائز نہیں۔

فقول المصنفؒ الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے "والحذفُ مَعَ فَصْلٍ بالاَّ فُضِّلاَ" کہکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حذف کو ذکر پر فضیلت حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاء کو ذکر کرنا (یعنی اثبات تاء) بھی جائز ہے اس

...اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حذف کو ذکر پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ حذف نظم اور نثر دونوں میں ہے اور اثبات ...رف شعر میں ہے تو پھر صحیح ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ حذف اثبات کے مقابلہ میں صحیح ہے۔ (تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اثبات بھی ہے لیکن وہ نسبۃً حذف کے مقابلے میں قلیل ہے) تو پھر صحیح نہیں اس لئے کہ اثبات نہ صرف یہ کہ نسبۃً قلیل ہے بلکہ وہ بہت ہی زیادہ قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حاشیۃ الخضری میں ہے کہ مصنفؒ نے اس کے علاوہ باقی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حذف نثر میں بھی جائز ہے اگر چہ یہ جمہور کے خلاف قول ہے، قرآن کریم کی ایک قراءت "فاصبحوا لایُریٰ الاَّ مساکنُهم" (مساکین کے رفع کے ساتھ اور دوسری قراءت "إن كانتْ الاّصيْحَةٌ، صيحة" کے رفع کے ساتھ) مصنفؒ استدلال کرتے ہیں کہ جہاں نثر میں فعل کے اندر تاء کو ذکر کیا ہے، جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ متواتر قراءت نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شارح کا اعتراض شق ثانی پر ہے (کہ مصنفؒ کے کلام سے نسبۃً قلیل ہونا معلوم ہوتا ہے والحال أن الاثبات قليل جدًا) والله اعلم۔

وَالْحَذْفُ قَدْ يَأْتِي بِلَا فَصْلٍ، وَمَعْ
ضَمِيرِ ذِي الْمَجَازِ فِي شِعْرٍ وَقَعْ

ترجمہ:...... کبھی تاء تانیث کا حذف اس فعل سے بھی واقع ہوتا ہے جو مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو اور فعل فاعل کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور کبھی یہ حذف واقع ہوتا ہے شعر میں باوجود اس کے کہ فاعل ضمیر ہوتی ہے اور عائد ہوتی ہے مؤنث مجازی کی طرف۔

ش) قد تحذف التاء من الفعل المسند إلى مؤنث حقيقي من غير فصل، وهو قليل جدا، حكى سيبويه: ((قال فلانة))، وقد تحذف التاء من الفعل المسند إلى ضمير المؤنث المجازي، وهو مخصوص بالشعر، كقوله:

١٣٦- فَلَا مُزْنَةٌ وَدَقَتْ وَدْقَهَا
وَلَا أَرْضَ أَبْقَلَ إِبْقَالَهَا

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتارہے ہیں کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا جبکہ فاعل مؤنث حقیقی ہوتا ہے پھر بھی فعل سے تاء کو حذف کیا جاتا ہے۔شارح فرماتے ہیں یہ بہت قلیل ہے سیبویہ رحمہ اللہ نے عرب سے "قال فلانة" کی حکایت کی ہے اس میں فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہے پھر بھی فعل مذکر آیا ہے، حالانکہ گذشتہ قواعد کی رو سے مؤنث آنا چاہیے ۔دوسری بات جو شارح بیان کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ فاعل مؤنث مجازی کی ضمیر ہوتی ہے (گذشتہ قاعدہ کی روشنی میں اس صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے جیسے "ھند قامت" الشمس طلعت لیکن پھر بھی فعل کو مذکر لایا جاتا ہے شارح کے نزدیک یہ شعر ہی کے ساتھ خاص ہے (اگر چہ ابن کیسان رحمہ اللہ کے ہاں شعر کی طرح نثر میں بھی جائز ہے جیسے الشمس طلع پڑھنا ان کے ہاں جائز ہے) جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۶-فَلاَ مُزْنَةٌ وَدَقَتْ وَدْقَهَا
وَلاَ أَرضَ ابقَلَ ابقَالَهَا

ترجمہ:......نہیں ہے کوئی بادل جس نے اس بادل جیسی بارش برسائی ہو اور نہیں ہے کوئی زمین جس نے اس زمین کی طرح اگایا ہو۔

تشریح المفردات:

(لا) نافیہ ملغاۃ یا ہے یا (لیس) کی طرح عمل کرنے والا ہے۔(مُزنة) پانی سے بھرا ہوا بادل' قرآن کریم میں ہے "أأنتم انزلتموہ من المزن أم نحن المنزلون" (ودقت) بمعنی امطرت بارش کا ہونا (ودقها) منصوب بنا بر مفعول مطلق ہے (ھا) ضمیر مزنة کی طرف راجع ہے ای ودقت ودقا مثل ودقها" قرآن کریم میں ہے "فترى الودق يخرج من خلاله" (بقل) نصر سے زمین کا سبزہ اگانا، اس میں بھی تقدیر عبارت ہے "ابقل ابقالا مثل ابقالها" شاعر یہاں نفع دینے والے بادل اور زمین کی تعریف کررہے ہیں۔

محل استشهاد:

(ابقل) محل استشہاد ہے یہاں فعل کی تاء کو حذف کیا گیا ہے حالانکہ یہ مؤنث مجازی (ارض) کی ضمیر کی طرف

ہے۔یعنی اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو مؤنث مجازی (ارض) کی طرف راجع ہے ضرورت شعری کی وجہ سے فعل کو مذکر لایا ہے۔

وَالتَّاءُ مَعَ جَمْعٍ سِوَى السَّالِمِ مِنْ
مُذَكَّرٍ - كَالتَّاءِ مَعْ إِحْدَى اللَّبِنْ
وَالْحَذْفُ فِي " نِعْمَ الْفَتَاةُ " اسْتَحْسَنُوا
لِأَنَّ قَصْدَ الْجِنْسِ فِيهِ بَيِّنْ

ترجمہ:......جمع مذکر سالم کے علاوہ جمع کے ساتھ تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح لَبِنٌ کے مفرد کی تاء کا ہے (یعنی جس طرح لبِن کے مفرد لبِنَۃٌ کی تاء کا حکم ہے کہ اس کو لایا بھی جا سکتا ہے اور حذف بھی کیا جاتا ہے کَسِرَ اللَّبِنَۃُ، کُسِرَتِ اللبنۃ دونوں جائز ہیں اسی طرح جمع مذکر سالم کے علاوہ یعنی جمع مذکر مکسر و مؤنث مکسر میں بھی دونوں جائز ہیں) اور "نِعم الفتاۃُ" کے اندر نحوی حضرات نے حذف کو بہتر جانا ہے اس لئے کہ اس میں جنس کا قصد کرنا واضح ہے۔

ش) إذا اسند الفعل إلى جمع: فإما أن يكون جمع سلامة لمذكر، أو لا، فإن كان جمع سلامة لمذكر لم يجز اقتران الفعل بالتاء، فتقول: ((قام الزيدون))، ولا يجوز: ((قامت الزيدون))، وإن لم يكن جمع سلامة لمذكر - بأن كان جمع تكسير لمذكر كالرجال، أو لمؤنث كالهنود، أو جمع سلامة لمؤنث كالهندات - جاز إثبات التاء وحذفها، فتقول: ((قام الرجال، وقامت الرجال، وقام الهنود، وقامت الهنود، وقام الهندات، وقامت الهندات))؛ فإثبات التاء لتأوله بالجماعة، وحذفها لتأوله بالجمع.

وأشار بقوله: ((كالتاء مع إحدى اللبن)) إلى أن التاء مع جمع التكسير، وجمع السلامة لمؤنث، كالتاء مع [الظاهر] المجازي التأنيث كلبنة؛ فكما تقول: ((كسرت اللبنة، وكسر اللبنة)) تقول: ((قام الرجال، وقامت الرجال)) وكذلك باقي ما تقدم.

واشار بقوله: ((والحذف في نعم الفتاة - إلى آخر البيت)) إلى أنه يجوز في ((نعم)) وأخواتها - إذا كان فاعلها مؤنثا - إثبات التاء وحذفها، وإن كان مفردًا مؤنثا حقيقيًا؛ فتقول: ((نعم المرأة هند ونعمت المرأة هند)) وإنما جاز ذلك لأن فاعلها مقصود به استغراق الجنس، فعومل معاملة جمع التكسير في جواز إثبات التاء وحذفها، لشبهه به في أن المقصود به متعدد ومعنى قوله ((استحسنوا)) أن الحذف في هذا ونحوه حسن، ولكن الإثبات أحسن منه.

ترجمہ وتشریح:

جب فاعل جمع واقع ہو:

جب فعل کا اسناد کیا گیا ہو جمع کی طرف یعنی فاعل جمع واقع ہو جائے تو یا وہ جمع مذکر سالم کی ہوگی تو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء کو لانا صحیح نہیں۔ لہٰذا "قَامَ الزیدون" پڑھا جائے گا "قَامتِ الزیدون" پڑھنا صحیح نہیں اور اگر جمع مذکر سالم کی نہیں یا جمع مذکر مکسر کی ہوگی جیسے الرّجال یا جمع مؤنث مکسر کی ہوگی جیسے "الھنود" ھند کی جمع یا جمع مؤنث سالم کی ہوگی جیسے "الھندات" تو ان تمام جمعوں میں تاء کو ثابت رکھنا اور حذف کرنا دونوں جائز ہیں چنانچہ "قام الرجال قامتِ الرجال اور "قام الھندات" قامتِ الھندات" "قام الھنود" قامتِ الھنود" سب پڑھ سکتے ہیں، ان صورتوں میں تاء کو اس وجہ سے لایا جاتا ہے کہ ان میں "جماعة" کی تاویل کی جائے اور جماعة مؤنث ہے لہٰذا فعل بھی مؤنث ہوگا فالتقدیر قامَتْ جماعة الرجال الخ اور حذف اس لئے کیا جاتا کہ اس میں لفظ "جمع" کی تاویل کی جائے گی اور لفظ "جمع" مذکر ہے لہٰذا فعل بھی مذکر ہوگا فالتقدیر قامَ جمع الرجال الخ" قرآن کریم میں اس طرح کی جمعوں میں دونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسے "وقال نسوة ای جمع نسوة" اذاجاءک المؤمنات ای جمع المؤمنات "غلبتِ الرّوم وغیرہ۔

واشاربقوله "كالتاء مع احدى اللبن"

کالتاء الخ کے ساتھ مصنفؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جمع مکسر مذکر ومؤنث، یا جمع سالم مؤنث کے تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح مؤنث مجازی ظاہر کی تاء کا ہے۔ (جس کی مثال لبنة ہے۔ بمعنی اینٹ) جس کُسِرَ اللبِنَة، کسرت اللبنة دونوں پڑھ سکتے ہیں اس طرح قامَ الرجالُ ، قامَتِ الرِّجالُ دونوں پڑھ سکتے

واشار بقوله والحذف فی نعم الفتاة الخ:

(والحذف فی نعم الفتاة) کہکر مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ "نعم" اور اس کے اخوات کا فاعل جب مؤنث ہو تو اس فعل میں تاء کو برقرار بھی کر سکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں (اگرچہ وہ مؤنث حقیقی کیوں نہ ہو) نعم المرأة هند، نعمت المرأة هند" دونوں پڑھ سکتے ہیں اور یہ اس لئے جائز ہے کہ "نعم" کے فاعل "المرأة" میں الف لام عہد کیلئے نہیں بلکہ جنسی ہے اور مقصود اس کے فاعل سے استغراق جنس ہے تو اس کے ساتھ بھی جمع تکسیر کا معاملہ کیا گیا کہ اس میں بھی تاء کا حذف اور اثبات دونوں جائز ہیں بایں وجہ کہ یہ جمع تکسیر کے ساتھ مقصود کے متعدد ہونے میں مشابہ ہے۔

اور "استحسنوا" کا مطلب یہ ہے کہ ان میں حذف حسن ہے لیکن تاء کا اثبات احسن (بصیغہ اسم تفضیل، بہت بہتر) ہے۔

وَالْاَصلُ فِی الْفَاعِلِ اَنْ یَتَّصِلاَ
وَالاصْلُ فِی الْمفعول ان ینفصلا
وَقَدْ یُجَاءُ بِخِلافِ الاصلِ
وَقَدْ یجِی المفعولُ قبل الفعل

ترجمہ:...... اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو اور مفعول میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل سے منفصل (جدا) ہو اور کبھی اصل کے بغیر بھی لایا جاتا ہے اور کبھی مفعول فعل سے پہلے آتا ہے۔

(ش) الأصل أن يلي الفاعل الفعل من غير أن يفصل بينه وبين الفعل فاصل؛ لأنه كالجزء منه، ولذلك يُسَكَّن له آخر الفعل: إن كان ضمير متكلم، أو مخاطب، نحو: ((ضربتُ، وضربتَ)) وإنما سكنوه كراهة توالي أربع متحركات، وهم إنما يكرهون ذلك في الكلمة الواحدة؛ فدلَّ ذلك على أن الفاعل مع فعله كالكلمة الواحدة.

والأصل في المفعول أن ينفصل من الفعل؛ بأن يتأخر عن الفاعل، ويجوز تقديمه على الفاعل إن خلامماسيذكره؛ فتقول: ((ضرب زيدًاعمرٌو))، وهذا معنى قوله: ((وقد يجاء بخلاف الأصل)).

وأشاربقوله: ((وقد يجيء المفعول قبل الفعل)) إلى أن المفعول قد يتقدم على الفعل، وتحت هذاقسمان:

أحدهما: مايجب تقديمه، وذلك كماإذاكان المفعول اسم شرط، نحو: ((أيًّا تضرب [أضربْ])) أو اسم استفهام، نحو: ((أيَّ رجل ضربت؟)) أو ضميرًامنفصلا لوتأخرلزم اتصاله، نحو: ﴿إيّاك نعبد﴾ فلو أخّر المفعول لزم الاتصال، وكان يقال: ((نعبدك)) فيجب التقديم، بخلاف قولك ((الدرهم إياه أعطيتك)) فإنه لايجب تقديم ((إياه)) لأنك لوأخرته لجازاتصاله وانفصاله على ماتقدم في باب الضمرات؛ فكنت تقول: ((الدرهم أعطيتكه، وأعطيتك إياه))

والثاني: مايجوز تقديمه وتأخيره، نحو: ((ضَرَبَ زَيْدٌعَمْرًا))؟ فتقول: ((عمْرًاضَرَبَ زَيْدٌ)).

ترجمہ وتشریح:

فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے:

غالب اورراجح فاعل میں یہ ہے کہ یہ فعل کے ساتھ متصل ہوا کرتا ہے فعل اورفاعل میں فاصل نہیں ہوتا، اس لئے کہ فاعل فعل کیلئے جزء کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کیلئے فعل کا آخرساکن کیا جاتا ہے اگرفاعل متکلم کی ضمیر ہو یا مخاطب کی ہو جیسے "ضَرَبْتُ" ضَرَبتَ" فعل کواس وجہ سے ساکن کیا جاتا ہے کہ پے درپے چارحرکات کا آنا صحیح نہیں جیسا کہ ارشاد الصرف کا دوسرا قانون ہے۔

"اجتماع اربع حرکات متوالیات دریک کلمه وحکم وے ممنوع است"

اورچارحرکات کے پے درپے آنے کوایک ہی کلمہ میں منع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فاعل اپنے فعل کے ساتھ ایک ہی کلمہ کی طرح ہے۔

مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے

مفعول کے اندر غالب یہ ہے کہ وہ فعل سے الگ ہوتا ہے یعنی فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل کے بعد مفعول ہوتا ہے، کبھی مفعول کی تقدیم فاعل پر بھی ہوا کرتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو (جس کا ذکر بعد میں آرہا ہے، اِنْ خَلَامَـا سَیَذکرہ اگر وہ خالی ہو اس سے جس کو مصنفؒ بعد میں ذکر کرینگے" کا یہی مطلب ہے) جیسے ضَرَبَ زیدًا عمرٌو، مصنف کے قول "وقد یجاء بخلاف الاصل" کا یہی معنیٰ ہے۔

اشار بقوله الخ:

"قد یجیئ المفعول قبل الفعل" کے ذریعہ مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفعول کبھی فعل سے پہلے بھی آتا ہے اس کے تحت دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ ہے جہاں مفعول ان اشیاء میں سے ہو جو صدارت کلام چاہتے ہوں بایں طور کہ وہ اسم شرط ہو جیسے: اَیًّا تَضْرِبْ اَضْرِبْ یا اسم استفہام ہو جیسے "اَیَّ رَجُلٍ ضَرَبْتَ" (یا مفعول کَمْ خبریہ ہو جیسے کم عبید ملکت، یا ان ہی میں سے ایک کی طرف مضاف ہو جیسے "غلامَ من تضربْ اَضرب" "مَالَ کَمْ رجُلٍ غصبتَ۔

نیز وہاں بھی مفعول کی تقدیم ضروری ہے جہاں مفعول منفصل ضمیر ہو اور تاخیر کی صورت میں اس کا متصل ہونا ضروری ہو جیسے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" اس صورت میں "اِیَّاکَ" ضمیر منفصل ہے اور اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو "نَعْبُدُکَ" ہو جائے گا۔ برخلاف "الدرهمَ ایّاه اعطیتکَ" کے اس صورت میں ایّاهُ کی تقدیم واجب نہیں کیونکہ تاخیر کی صورت میں اس کا اتصال بھی جائز ہے اور انفصال بھی جیسا کہ مضمرات کی بحث میں گزر گیا۔ لہٰذا آپ "الدّرهمَ اعطیتکه، اعطیتک ایّاه" دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ جہاں تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی جیسے ضَرَبَ زیدٌ عمرًا میں آپ عمرًا ضَرَبَ زیدٌ کہہ سکتے ہیں۔ (چونکہ اعراب ظاہر ہونے کی وجہ سے التباس نہیں اس وجہ سے تقدیم مضر نہیں)

وَاَخِّرِ الْمَفْعُولَ اِنْ لَبْسٌ حُذِرْ
اَوْ اُضْمِرَ الْفَاعِلُ غَیْرَ مُنْحَصِرْ

ترجمہ:...... مفعول کو آپ مؤخر کر دیں اگر التباس کا ڈر ہو یا فاعل ضمیر غیر محصور ہو۔

(ش) یجب تقدیم الفاعل علی المفعول: إذا خیف التباس أحدهما بالآخر، کما إذا خفی الإعراب فیهما، ولم توجد قرینة تبین الفاعل من المفعول، وذلک نحو: ((ضربَ موسیٰ عیسیٰ)) فیجب کون ((موسیٰ)) فاعلا، و ((عیسیٰ)) مفعولاً.

وهذا مذهب الجمهور، وأجاز بعضهم تقدیم المفعول فی هذا ونحوه، قال: لأن العرب لها غرض فی الالتباس کما لها غرض فی التبیین.

فإذا وجدت قرینة تبین الفاعل من المفعول جاز تقدیم المفعول وتأخیره، فتقول: ((أکل موسی الکمثریٰ، وأکل الکمثری موسی)) وهذا معنی قوله: ((وأخر المفعول إن لبس حذر))

ومعنی قوله: ((أو أضمر الفاعل غیر منحصر)) أنه یجب أیضاً تقدیم الفاعل وتأخیر المفعول إذا کان الفاعل ضمیراً غیر محصور، نحو: ((ضربتُ زیداً)) فإن کان ضمیراً محصوراً وجب تأخیره نحو: ((ماضَرَبَ زیداً إلا أنا))

ترجمہ وتشریح:

فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟

فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے جب ایک دوسرے سے التباس کا خطرہ ہو اس طرح کہ ان دونوں میں اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے خفی ہو اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہ ہو جو فاعل کو مفعول سے الگ کرتا ہو۔ جیسے ضَـرَبَ مُوسیٰ عیسیٰ اس صورت میں دونوں کے اندر فاعل ہونے کی صلاحیت ہے۔ لہٰذا موسیٰ کو (جو مقدم ہے) فاعل اور عیسیٰ کو مفعول بنایا جائے گا۔ یہ مذہب جمہور کا ہے، بعض حضرات (ابن الحاج رحمه الله) نے مفعول کی تقدیم کو اس صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ التباس میں بھی عرب کی کوئی نہ کوئی غرض ہوا کرتی جس طرح تبیین میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ''موسیٰ'' کو مفعول بہ بنایا جائے گا اور اس میں بھی کوئی غرض ہوگی۔

منحة الجلیل میں ابن الحاج رحمه الله کے اس مسلک کو مرجوح قرار دیا گیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ممکن کہ عرب کی غرض التباس میں ڈالنا ہو اس لئے کہ التباس میں سامع متکلم کے علاوہ کی مراد کو سمجھتا ہے حالانکہ لغت کو تفہیم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ البتہ عرب سے جو چیز منقول ہو کر آئی ہے اس کا نام اجمال ہے جو جائز ہے ابن الحاج کو اجمال

التباس کے فرق میں اختلاط ہوا اس وجہ سے انہوں نے اس کے حکم میں بھی فرق نہیں کیا۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اجمال یہ ہے کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے بایں طور کہ سامع کا ذہن کسی ایک معنی کی طرف سبقت نہ کرے مثلاً "عمیر" کہکر احتمال ہوتا ہے کہ یہ عمر کی تصغیر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عمرو کی تصغیر ہو لیکن کوئی ایک معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت نہیں کرتا، اور التباس اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے اور غیر مقصود معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت کرے جیسے "ضَرَبَ مُوسیٰ عیسیٰ" اس میں احتمال ہے کہ موسیٰ مضروب (مفعول) ہو لیکن سامع کے ذہن کی طرف اس کی ضاربیت (فاعلیت) کا معنی سبقت کرتا ہے اسلئے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ساتھ متصل فاعل ہوا کرتا ہے۔

الغرض التباس مقاصد بلغاء میں سے نہیں (جو ضَرَبَ موسیٰ عیسیٰ میں ہے) البتہ اجمال ہے فافہم وتدبر ولا تکن من الغافلین۔

فاذا وجدت الخ:

اگر کوئی قرینہ ہو جو فاعل کو مفعول سے جدا کرے تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی، جیسے اکل موسی الکمثری میں اکلَ الکمثریٰ موسیٰ پڑھ سکتے ہیں اگر چہ ان دونوں میں اعراب خفی ہے لیکن چونکہ کمثریٰ (ناشپاتی، امرود) کو کھایا جاتا ہے اس وجہ سے وہ مفعول کیلئے متعین ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔

ومعنی قولہ "او اضمر الفاعل غیر منحصر"

"او اضمر الفاعل" الخ کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فاعل کی تقدیم اور مفعول کی تاخیر ضروری ہے جب فاعل ضمیر غیر محصور ہو جیسے "ضَرَبتُ زیداً" اگر فاعل محصور ضمیر ہو تو اس صورت میں اس کی تاخیر ضروری ہے جیسے "مَاضَرَبَ زیداً الا اَنَا"

وَمَا بِإلَّا أَوْ بِإنَّمَا انْحَصَرْ
أَخِّرْ وَقَدْ يَسْبِقُ إنْ قَصْدٌ ظَهَرْ

ترجمہ:..... جو (فاعل یا مفعول) الا یا انّما کے ساتھ محصور ہو اس کو آپ مؤخر کریں اور مقصود ظاہر ہونے کے وقت کبھی مقدم بھی ہوتا ہے۔

(ش)يقول: إذا انحصر الفاعل أو المفعول بـ((إلاّ)) أو بـ((إنّما)) وجب تأخيره، وقد يتقدم المحصور من الفاعل أو المفعول على غير المحصور، إذا ظهر المحصور من غيره، وذلك كما إذا كان الحصر بـ((إلا)) فأما إذا كان الحصر بـ((إنما)) فإنه لا يجوز تقديم المحصور، إذ لا يظهر كونه محصورا إلا بتأخيره، بخلاف المحصور بـ((إلا)) فإنه يعرب بكونه واقعا بعد((إلا)) فلا فرق بين أن يتقدم أو يتأخر.

فمثال الفاعل المحصور بـ((إنما)) قولك: ((إنما ضرب عمرًا زيد))، ومثال المفعول المحصور بإنما: ((إنما ضرب زيد عمرًا))، ومثال الفاعل المحصور بـ ((إلا)): ((ما ضرب عمرًا إلا زيد))، ومثال المفعول المحصور بإلا: ((ما ضرب زيد إلا عمرًا))، ومثال تقدم الفاعل المحصور بـ ((إلا)) قولك: ((ما ضرب إلا عمرو زيدا))، ومنه قوله:

١٤٧ - فَلَمْ يَدْرِ إلا اللّٰهُ مَاهَيَّجَتْ لَنَا
عَشِيَّةَ آنَاءُ الدِّيَارِ وَشَامُهَا

ومثال تقديم المفعول المحصور بإلا قولك: ((ما ضرَبَ إلا عمرا زيد))، ومنه قوله:

١٤٨ - تَزَوَّدْتُ مِنْ لَيْلَى بِتَكْلِيمِ سَاعَةٍ
فَمَا زَادَ إلاَّ ضِعْفَ مَا بِي كَلاَمُهَا

هذا معنى كلام المصنف.

واعلم أن المحصور بـ((إنَّما)) لا خلاف في أنه لا يجوز تقديمه، وأما المحصور بإلا ففيه ثلاثة مذاهب:

أحدها - وهو مذهب أكثر البصريين، والفراء، وابن الأنباري -: أنه لا يخلو: إما أن يكون المحصور بها فاعلا، أو مفعولا، فإن كان فاعلا امتنع تقديمه، فلا يجوز: ((ما ضرب إلا زيد عمرا)) فأما قوله: فلم يدر إلا اللّٰه ماهيجت لنا [١٤٧] فأوّل على أن ((ماهيجت)) مفعول بفعل محذوف، والتقدير: ((درى ما هيجت لنا)) فلم يتقدم الفاعل المحصور على المفعول؛ لأن هذا ليس مفعولا للفعل المذكور، وإن كان المحصور مفعولا جاز تقديمه، نحو: ((ما ضرب إلا عمرا زيدٌ))

الثاني – وهو مذهب الكسائي: أنه يجوز تقديم المحصور بـ((إلا)) فاعلا كان أو مفعولا.

الثالث – وهو مذهب بعض البصريين، واختاره الجزولي، والشلوبين – أنه لا يجوز تقديم المحصور بـ((إلا)): فاعلا كان أو مفعولا.

ترجمہ وتشریح:

محصور فاعل ومفعول کا حکم:

مصنف علیہ الرحمۃ اب اس فاعل اور مفعول کا ذکر کر رہے ہیں جس میں حصر کا ارادہ کیا گیا ہو، اب حصر یا تو فاعل میں ہوگا یا مفعول میں نیز یا تو حصر اِلاَّ کے ساتھ ہوگا یا "انّما" کے ساتھ، کل چار صورتیں ہوئیں۔

فاعل محصور بانّما کی مثال " انّما ضَرَبَ عمرًا زيدٌ" مفعول محصور بانّما کی مثال "انّما ضرب عمرًا زيدٌ" فاعل محصور بالاّ کی مثال "ما ضربَ عمرًا الاّ زيدٌ" مفعول محصور بالاّ کی مثال "ما ضربَ زيدٌ الا عمرًا" اس متن میں مصنف علیہ الرحمۃ فرما رہے ہیں کہ جب فاعل یا مفعول محصور بالاّ یا بانّما ہو تو اس صورت میں ان کی تاخیر واجب ہے۔

ہاں کبھی محصور فاعل یا مفعول غیر محصور پر بھی مقدم ہو سکتا ہے بشرطیکہ محصور ظاہر ہو بایں طور کہ حصر الاّ کے ساتھ ہو، اگر حصر انّما کے ساتھ ہو تو محصور کی تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر آ جائے۔ برخلاف محصور بالاّ کے کہ وہاں الاّ کے بعد واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا محصور ہونا معلوم ہو جائے گا چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔

ومثال تقدّم الفاعل المحصور الخ:

فاعل محصور بالاّ کی تقدیم کی مثال آپ کا یہ قول ہے "مَا ضَرَبَ الاّ عمرٌو زيدًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۷–فَلَمْ يَدْرِ إلا اللّٰهُ مَا هَيَّجَتْ لَنَا
عَشِيَّةَ آنَاءُ الدِّيَارِ وَشَامُهَا

ترجمہ:...... جو جوش ہمیں شام کے وقت محبوبہ کے گھروں کے ارد گرد نالیوں اور اس کی علامتوں نے دلایا اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا۔

تشریح المفردات:

(هَیَّجت) باب تفعیل سے بمعنی جوش دلانا، برانگیختہ کرنا "عشیۃ" منصوب بنا بر ظرفیت، (آناء الدیار) معطوف علیہ (شامها) اس پر عطف' اس میں (شامها) سے پہلے واؤ حرف عطف ہے اصلی نہیں۔ (آناء) نؤی کی جمع ہے بروزن قفلٌ یا بروزن صُرَدٌ یا ذئبٌ یا کلبٌ ان گڑھوں کو کہتے ہیں جو خیموں کے ارد گرد بنائے جاتے ہیں تاکہ ان میں پانی نہ جائے اور خیمے محفوظ رہیں۔ (آناء) بروزن آبار اس میں دو احتمال ہیں یا اس کے شروع میں ہمزہ ممدودہ ہے اگرچہ اصل میں انئاءٌ تھا (عین کلمہ ہمزہ تھا بروزن اعمال) عین کلمہ ہمزہ کو نون پر مقدم کیا جمع میں دو ہمزے ایک ساتھ جمع ہوئے دوسرا ساکن تھا اس کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق الف سے تبدیل کیا جس طرح آبارٌ میں ہوا جو اصل میں "ابئارٌ" تھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو اپنی اصل پر چھوڑا جائے۔ بعض حضرات نے اس کو بروزن (ابعادٌ) باب افعال کا مصدر بنایا ہے لیکن یہ معتبر نہیں)

یہ ساری تحقیق صاحب منحۃ الجلیل کی ہے۔ بعض حضرات (علامہ عینیؒ وغیرہ) کے نزدیک (آناءٌ) نائٌ کی جمع ہے بمعنی دوری (عشیۃ آناء الدیار) ان کے ہاں مفعول فیہ ہے (وشام) میں واؤ اصلی ہے (وشم) کی جمع ہے (وشم) کھال میں سوئی سے گود کر رنگ بھرنے کا نشان (وشامها) ان کی تحقیق کے مطابق فاعل ہے ان کی ترکیب کے مطابق ترجمہ یوں ہے:

"محبوبہ کے گھروں کی دوری کے شام اس کے ہاتھوں کی گدائی کے نشانات نے ہمارے اندر جو جذبات پیدا کئے اس کو اللہ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا"

بہر حال علامہ عینیؒ پر صاحب منحۃ الجلیل نے رد کیا ہے۔ ویسے بھی صاحب منحۃ الجلیل کی تحقیق واضح اور عام فہم معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم وَعِلْمُہ اتم۔

محل استشہاد:

(الاّ اللہ ماهیَّجت) محل استشہاد ہے یہاں فاعل محصور (لفظ اللہ) کو غیر محصور (ماهیّجتْ "مفعول")

مقدم کیا ہے حالانکہ مؤخر ہونا چاہیے تھا اور کسائی رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے اس شعر سے استدلال کرتے ہیں۔ شارح رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں صحیح نہیں، بعد میں شارح اس کا جواب دینگے۔ مفعول محصور بالا کی مثال ''ماضرب الا عمرًا زید'' اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۸ - تَزَوَّدْتُ مِنْ لَيْلَى بِتَكْلِيمِ سَاعَةٍ
فَمَا زَادَ إِلَّا ضِعْفَ مَا بِي كَلَامُهَا

ترجمہ:...... میں نے اپنی محبوبہ لیلیٰ سے تھوڑی دیر بات کرنے کو اپنے لئے توشہ بنایا۔
پس اس کی بات نے میری تکلیف کو اور بھی دوچند کر دیا۔

تشریح المفردات:

(تزودت) باب تفعّل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے بمعنی توشہ لینا، قرآن کریم میں ہے ''وتزودوا فان خیر الزادِ التقوی'' (لیلیٰ) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے یہ مجنون بنی عامر کا شعر ہے۔ بعض حضرات نے تلاش بسیار کے باوجود اس کو دیوان مجنون میں نہیں پایا۔ جاحظ یہ وجہ فرماتے ہیں کہ لوگ جس شعر میں لیلیٰ کا نام پاتے ہیں اس کو مجنون کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے (لیلیٰ) غیر منصرف ہے الف مقصورہ کی وجہ سے۔

محل استشہاد:

(فمازادالاضعف مابی کلامھا) محل استشہاد ہے یہاں مفعول بہ (ضعف) مقدم ہوا ہے فاعل (کلامھا) پر حالانکہ مفعول محصور بالا ہے مؤخر ہونا چاہیے تھا، تقدیم کسائی اور اکثر بصریین کے ہاں جائز ہے اس شعر سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اور باقی بصریین اس کا جواب دیتے ہیں کہ ''زاد'' کے اندر ضمیر مستتر ہے وہ اس کا فاعل ہے جو ماقبل تکلیم کی طرف راجع ہے اور کلامھا فاعل ہے فعل محذوف کا تقدیر عبارت یوں ہے ''زادہ کلامھا''

صاحب منحۃ الجلیل نے اس تاویل کو بعید قرار دیا ہے لیکن ناچیز کی رائے کے مطابق جب ''لم یدر الا اللہ ماھیجت لنا'' میں فعل محذوف کی تاویل ہو سکتی ہے (جس کا تفصیلی ذکر آرہا ہے) تو اس میں بھی فعل محذوف کی تاویل کرنا کوئی بعید نہیں۔ ولکل وجه واللہ اعلم.

واعلم ان المحصور بانما الخ:

اس سے پہلے شارح نے انما اور الا کے ساتھ فاعل اور مفعول کی حصر کی مثالیں اور اس سلسلہ میں مصنف کی رائے بتادی اب نئے سرے سے اس میں دیگر علماء کے مذاہب کو بیان فرمارہے ہیں (اگر شارح پہلے ہی سے بعد میں ذکر ہونے والے مسلک اور اس سلسلہ میں اختلاف ذکر کرتے تو بات میں اختصار بھی ہو جاتا اور آسانی سے مقصود بھی سمجھ میں آتا)

چنانچہ انما کے بارے میں فرمایا کہ محصور بانما کی تقدیم کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر ہو جائے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) البتہ محصور بالا میں تین مسلک ہیں۔

۱:...... پہلا مسلک مذہب اکثر بصریین اور فراء اور ابن الانباری رحمھم اللہ کا ہے کہ محصور یا فاعل ہوگا یا مفعول اگر فاعل ہے تو اس کی تقدیم جائز نہیں۔ لہٰذا "ما ضرب الا زید عمرًا" باقی رہا وہ شعر "فلم یدر الا اللہ ماھیجت لنا الخ"

(اس میں اگر چہ بعض حضرات کی رائے مختلف ہے جیسا کہ اس شعر کے محل استشہاد میں گزر گیا) تو اس میں تاویل یہ کی گئی ہے کہ "ماھیجت لنا" یدرِ کا مفعول نہیں تا کہ یہ کہا جاوے کہ فاعل محصور (لفظ اللہ) کو مفعول غیر محصور پر مقدم کیا گیا ہے بلکہ یہ فعل محذوف "دری" کیلئے مفعول ہے۔ اور محصور اگر مفعول ہو تو اس کی تقدیم جائز ہے جیسے "ماضرب الا عمرا زید"

۲:...... دوسرا مذہب کسائی رحمہ اللہ کا ہے کہ محصور کی تقدیم جائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول، ان کی دلیل وہ دو اشعار ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا۔ بعض دیگر حضرات جو ان میں تاویل کرتے ہیں ان کی طرف سے ان اشعار کے جواب کا ذکر بھی گزر چکا۔

۳:...... تیسرا مذہب بعض بصریین کا ہے جزولی (پورا نام ابوموسیٰ عیسیٰ بن عبدالعزیز ہے جزولۃ سے ہے ۶۰۶ ھ کو وفات پا گئے) اور شلوبین رحمہما اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ محصور بالا کی تقدیم مطلقاً نا جائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول۔

وَشَاعَ نَحْوُ "خَافَ رَبَّهُ عُمَرَ"
وَشَذَّ نَحْوُ "زَانَ نَوْرُهُ الشَّجَرَ"

ترجمہ:......اور شائع ہے کلام عرب میں "خَافَ رَبَّه عمر" جیسی ترکیب (عمر اپنے رب سے ڈرا' اس سے مراد ہر وہ مثال ہے جس میں مفعول کو مقدم کیا گیا ہو اور وہ مفعول ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو فاعل کی طرف لوٹتی ہو، جس طرح خاف ربّه عمر میں (ہ) ضمیر مفعول کی بعد میں فاعل عمر کی طرف راجع ہے) اور شاذ ہے "زانَ نوره الشجر" جیسی ترکیب (درخت کو اس کی کلیوں نے خوبصورت بنایا' فاعل اس مثال میں مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول "الشجر" کی طرف)

(ش) أي: شاع في لسان العرب تقديم المفعول المشتمل على ضمير يرجع إلى الفاعل المتأخر، وذلك نحو: ((خاف ربه عمر)) ف ((ربّه)) مفعول، وقد اشتمل على ضمير يرجع إلى ((عمر)) وهو الفاعل، وإنما جاز ذلك -وإن كان فيه عود الضمير على متأخر لفظًا- لأن الفاعل منوى التقديم على المفعول، لأن الأصل في الفاعل أن يتصل بالفعل؛ فهو متقدم رتبة، وإن تأخر لفظًا.

فلو اشتمل المفعول على ضمير يرجع إلى ما اتّصل بالفاعل، فهل يجوز تقديم المفعول على الفاعل؟ في ذلك خلاف، وذلك نحو: ((ضرب غلامها جار هند)) فمن أجازها -وهو الصحيح- وجّه الجواز بأنه لما عاد الضمير على ما اتصل بما رتبته التقديم كان كعوده على ما رتبته التقديم؛ لأن المتصل بالمتقدم متقدم.

وقوله: ((وشذ -إلى آخره)) أي شذ عود الضمير من الفاعل المتقدم على المفعول المتأخر، وذلك نحو: ((زان نوره الشجر)) فالهاء المتصلة بنور -الذي هو الفاعل- عائدة على ((الشجر)) وهو المفعول، وإنما شذ ذلك لأن فيه عود الضمير على متأخر لفظًا ورتبة؛ لأن ((الشجر)) مفعول، وهو متأخر لفظًا، والأصل فيه أن ينفصل عن الفعل؛ فهو متأخر رتبة.

وهذه المسألة ممنوعة عند جمهور النحويين وما ورد من ذلك تأولوه، وأجازها أبو عبدالله الطوال من الكوفيين، وأبو الفتح ابن جني، وتابعهما المصنف، ومما ورد من ذلك قوله:

۱۴۹- لمّا رأى طالبوه مصعبا ذعروا
وَكَادَ، لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ، يَنْتَصِرُ

وقوله:

۱۵۰- كَسَاحِلْمُهُ ذَاالْحِلْمِ أثْوَابَ سُؤْدَدٍ
ورَقّى نَدَاهُ ذَاالنَّدَى فِي ذُرَى الْمَجْدِ

وقوله:

۱۵۱- وَلَوْ أنَّ مَجْدًا أخْلَدَالدّهْرَ وَاحِدًا
مِنَ النَّاسِ أبْقَى مَجْدُهُ الدَّهْرَ مُطْعِمَا

وقوله:

جَزَى رَبُّهُ عَنِّى عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ
جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

وقوله:

۱۵۳- جَزَى بَنُوهُ أبَاالْغيلَانَ عَنْ كِبَرٍ
وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ

فلو كان الضمير المتصل [بالفاعل] المتقدم عائدًا على ما اتصل بالمفعول المتأخر امتنعت المسألة، وذلك نحو: ((ضرب بعلها صاحب هند))، وقد نقل بعضهم في هذه المسألة أيضًا خلافًا، والحق فيها المنع.

ترجمہ وتشریح:

فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم:

لسان عرب میں کثرت استعمال کے اعتبار سے ایسے مفعول کی تقدیم مشہور اور شائع ہے جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو بعد میں ذکر شدہ فاعل کی طرف لوٹتی ہو جیسے ''خاف ربّه عمر'' میں ربه مفعول ہے اور اس میں (ہ) ضمیر ہے جو لوٹتی

ہے "عمر" فاعل کی طرف۔

(شارحؒ فرماتے ہیں) اگرچہ اس میں ضمیر متأخر لفظاً کی طرف لوٹتی ہے اور اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ فاعل مفعول پر مقدم ہوتا ہے اور فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے جائز ہے کہ فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے گو لفظاً مؤخر ہے تو یہ ایسا ہوا گویا کہ فاعل مقدم کی طرف ہی ضمیر راجع ہے (اور اضمار قبل الذکر وہ ممنوع ہے جو لفظاً اور رتبةً دونوں ہو صرف لفظاً ممنوع نہیں کما فی هذا المقام)

قولہ واشتمل الخ:

اس سے پہلے تو وہ صورت بیان ہوئی جس میں مفعول کے اندر ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی بذات خود فاعل کی طرف، اب یہ بتارہے ہیں کہ اگر وہی ضمیر لوٹتی ہو اس کی طرف جو فاعل کے ساتھ متصل ہو جیسے "ضرب غلامها جار هند" (یہاں "غلامها" مفعول میں ضمیر ہے جو فاعل (جار) کے ساتھ متصل (هند) کی طرف راجع ہے) تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہوگی یا نہیں؟

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے جائز قرار دیا ہے (اور یہی صحیح ہے) انہوں نے جواز کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب مفعول کی ضمیر متصل بالفاعل (جو رتبةً مقدم ہے) کی طرف لوٹے تو یہ ایسا ہی ہے گویا کہ خود فعل (الذی رتبته التقدیم) کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے متقدم (فاعل) کے ساتھ متصل بھی متقدم ہوتا ہے (جنہوں نے اس کو ناجائز کہا ذرا ان کی بھی سنیے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مثلاً غلامها میں (ها) ضمیر مفسَّر (بصیغہ اسم مفعول) ہے اور اس کا مفسِّر (هند) مؤخر ہے لفظاً اور رتبةً باوجود یکہ فعل (ضرب) کا بھی اس (هند) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں" بخلاف زان نوره الشجر فانّه وان عاد علیٰ متاخر لکن الفعل تعلّق به وعمل فیه"

قولہ وشذّ الخ:

فاعل اگر مقدم ہو اور اس میں ضمیر ہو جو لوٹ رہی ہو مؤخر مفعول کی طرف تو یہ قیاساً شاذ ہے اگرچہ کلام عرب میں زیادہ سنا گیا ہے جیسے "زَانَ نورُهُ الشجر" (۵) ضمیر نور فاعل کے ساتھ متصل ہے اور لوٹ رہی ہے "الشجر" کی طرف جو مفعول ہے اور یہ شاذ اس لئے ہے کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لفظاً اور رتبةً۔ چنانچہ شجر مفعول لفظاً بھی مؤخر ہے اور رتبةً بھی اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ یہ فعل سے الگ ہو۔

جمہور نحویین کے ہاں یہ منع ہے اور جہاں اس کے خلاف وارد ہوا ہے وہاں جمہور نے تاویل کی ہے۔

محمد بن احمد بن عبداللہ الطوال (بضم الطاء وتخفیف الواو) متوفی ۲۴۳ھ اور ابوالفتح بن جنی اور مصنف رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس پر واردشدہ اشعار میں سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۹ - لما رأى طالبوه مصعبا ذعروا

وَكَادَ، لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ، يَنْتَصِرُ

ترجمہ:...... جب حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو (قتل کرنے کیلئے) ان کے طلب کرنے والوں نے دیکھا تو وہ (دشمن) ڈر گئے اور قریب تھا (اگر تقدیر ان (ابن زبیرؓ) کی مدد کرتی) تو وہ اپنا بدلہ لے لیتے۔

تشریح المفردات:

(رأى بمعنى ابصَرَ) بمعنی دیکھنا از فتح، (طالبوہ) نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ (مصعبًا) حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں ۷۱ھ کو ان کو دشمنوں نے شہید کیا ان کے حامیوں میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ (ذعروا) ماضی مجہول جمع مذکر غائب ہے ای اخذهم الخوف ان پر خوف آ گیا اور ہیبت چھا گئی (كاد) فعل ناقص اس میں (هو) ضمیر ہے وہ اس کیلئے فاعل ہے جو راجع ہے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی طرف۔ (ساعد) باب مفاعلہ سے مدد کرنا (المقدور) اس کیلئے فاعل، مفعول بہ اس کا محذوف ہے ای ساعده (لَوْ سَاعَدَ المقدُور درمیان میں جملہ معترضہ ہے)

محلّ استشہاد:

(طالبوه مصعبا) محلّ استشہاد ہے یہاں فاعل متقدم (طالبوه) کی ضمیر مفعول مؤخر (مصعبًا) کی طرف راجع ہے ابوعبداللہ طوال ابن جنیؒ اور مصنفؒ کے ہاں یہ جائز ہے۔

ایک شعر یہ بھی ہے۔

۱۵۰ - كَسَا حِلْمُهُ ذَا الْحِلْمِ أَثْوَابَ سُؤْدَدٍ

وَرَقَّى نَدَاهُ ذَا النَّدَى فِي ذُرَى الْمَجْدِ

ترجمہ:...... بُردبار کو اس کی بردباری نے سرداری کے کپڑے پہنائے اور سخی کو اس کی سخاوت نے بزرگی کی چوٹیوں پر پہنچایا۔

تشریح المفردات:

(کسا) فعل ماضی ہے ایسے دو مفعول کی طرف متعدّی ہوتا ہے جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہوتے، پہننے اور پہنانے کے معنی میں آتا ہے کما تقول کَسَوْتُ زیدًا جبّۃً وغیرہ "حِلم" بردباری، صبر و تحمل، سرد مزاجی (سؤدد) بمعنی سرداری، بفتح الدال الاولیٰ، وبضمّھا کالقنفذ (رقی) بتشدید القاف واحد مذکر غائب ماضی از باب تفعیل بمعنی چڑھانا، ترقی دینا (النّدیٰ) سخاوت وعطاء (ذریٰ) جمع ہے ذروۃ (بضم الذال وکسرھا) کی بمعنی چوٹی، بلندی حدیث شریف میں ہے "وَذروۃ سنامہ الجھاد" (المجد) بزرگی شرافت و عزت۔

محل استشہاد:

(کساحلمہ ذاالحلم، رقی نداہ ذاالندی) محلِ استشہاد ہے فاعل متقدم (حلمہ، نداہ) میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر (ذاالحلم، ذاالنّدی) کی طرف، یہ جمہور کے ہاں صحیح نہیں ابن جنیؒ اور مصنفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۱ - وَلَوْ أَنَّ مَجْدًا أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِدًا
مِنَ النَّاسِ أَبْقَى مَجْدُهُ الدَّهْرَ مُطْعِمَا

ترجمہ:...... اگر بزرگی کسی کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہنے دیتی تو مطعم کی بزرگی اس کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں باقی رکھتی (لیکن کسی کی کوئی بزرگی کسی کو ہمیشہ رہنے نہیں دیتی اس وجہ سے مطعم کو بھی دنیا سے جانا پڑا اور اس کی بزرگی وعزت اس کے کام نہ آئی)

تشریح المفردات:

(اخلد) باب افعال سے ہمیشہ کیلئے باقی رکھنا (الدھر) اس کا اطلاق ہمیشہ پر ہوتا ہے (مطعما) مطعم بن عدی مراد ہے۔

شان ورود:......شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے چونکہ مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف بن قصی (جو مکّہ کے مشرکوں کے سرداروں میں سے تھے) ہجرت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت فرماتے اور مالی تعاون کرتے، ان بہترین اوصاف کی بناء پر اسی لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کے مرثیہ میں یہ شعر کہا ہے اس سے پہلے یہ شعر ہے۔

أعینُ ألاابکی سَیِّدَ النَّاسِ، وَاسفحِی

بِدَمعٍ، فَإنْ انزفتِه فاسکُبِی الدّما

ترجمہ:......جس کا مطلب ہے اے میری آنکھ کیا میں لوگوں کے سردار پر نہ روؤں اے میری آنکھ آنسو بہادے اگر وہ بھی ختم ہے تو پھر خون بہادے۔

محلّ استشہاد:

(أبقٰی مجده مطعما) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں مفعول (مطعمًا) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (مجده) میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف حالانکہ وہ لفظًا اور رتبةً مؤخر ہے۔ (اس میں بھی گزشتہ تفصیل ہے) اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

جَزَی رَبُّهُ عَنِّی عَدِیَّ بْنَ حَاتِمٍ

جَزَاءَ الْکِلَابِ الْعَاوِیَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

ترجمہ:......میری طرف سے عدی بن حاتم کو اس کا ربّ بدلہ دے جس طرح بھونکنے والے کتوں کو (پتھر مار کر) سزا دی جاتی ہے اور تحقیق اس کے ربّ نے یہ کرلیا (یعنی میری دعا قبول کی۔)

تشریح المفردات:

((عدیّ بن حاتم) مشہور صحابی رسول ہیں، شاعر نے ان پر بددعا کی ہے یا تو شاعر مذہب کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا یا زمانہ جاہلیّت میں یہ شعر پڑھا ہوگا اور بعد میں مسلمان ہو چکا ہوگا، ورنہ تو اتنے بڑے صحابی کو اس طرح کی قبیح ترین بددعا دینا کسی بھی طرح جائز نہیں جن کو عبادت کا اتنا شوق تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر نماز کا کوئی بھی وقت نہیں

آیا مگر میں پہلے سے اس کی طرف مشتاق ہوتا تھا، میں جب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتا تو آپ میری بات سنتے میرے لئے اپنی جگہ سے ہلتے (فرماتے ہیں) ایک مرتبہ میں آپ علیہ السلام کے ہاں آیا آپ کا گھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھرا پڑا تھا آپ نے مجھے جگہ دی یہاں تک کہ میں آپ کی ایک جانب بیٹھ گیا، وہ مہاجرین میں سے تھے اپنی قوم میں ایک شریف خطیب اور حاضر جواب آدمی تھے کوفہ آئے وہاں سکونت اختیار کی اور وہیں ۶۷ھ یا ۶۸ھ یا ۶۹ھ کو ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ بعض حضرات نے اس شعر کی نسبت نابغہ ذبیانی کی طرف کی ہے اور بعض نے مشہور واضع نحو ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی طرف۔ واللّٰہ اعلم.

محلِّ استشہاد:

(ربّہ......عدی) محل استشہاد ہے مفعول (عدی) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (ربّہ) میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف۔ (مرّ تفصیله)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۳ - جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغِيلَانَ عَنْ كِبَرٍ
وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ

ترجمہ:...... ابوالغیلان کو اس کے بیٹوں نے بڑھاپے اور بہترین کارکردگی کے باوجود ایسا بدلہ دیا جو سِنِّمار کو دیا جاتا ہے۔

تشریح المفردات:

(ابا الغیلان) ایک آدمی کی کنیت ہے جس کا نام وحال معلوم نہیں ہوسکا (بنوہ) اصل میں بنون لہ تھا نون کو اضافت اور لام کو تخفیف کی وجہ سے حذف کیا (عن) بمعنی بعد (کبر) بڑھاپا، عمر کا زیادہ ہونا، (سنمّار) یہ ایک رومی آدمی کا نام ہے جس نے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن امرؤ القیس کے لئے ایک عالی شان محل بنایا تھا بیس سال میں اس کی تعمیر پوری ہوئی جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہوا تو بادشاہ نعمان نے اس انجینئر کو چھت سے زمین پر گرایا تاکہ اس طرح کا محل کسی دوسرے کیلئے نہ بنائے، سوء المجازاۃ (برا بدلہ دینے) میں یہ ایک ضرب المثل بن گیا، کہا جاتا ہے "جزانی جزاء سنمّار"

محلِّ استشہاد:

(بنوہ ابا الغیلان) محلِّ استشہاد ہے بنوہ فاعل مقدم میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف (جو أبا الغیلان ہے) پہلے تفصیل سے کئی اشعار گزرے جن میں فاعل مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف، جمہور کے ہاں یہ صحیح نہیں اور ایسے اشعار کو وہ یا تو شاذ کہتے ہیں یا ضرورت شعریہ پر حمل کرتے ہیں۔

چونکہ اس کے جواز پر ابھی پانچ چھ شواہد گزرے ہیں اس کے علاوہ بھی کلام عرب میں زیادہ تر اس طرح آیا ہے اس وجہ سے صاحب منحة الجلیل کی رائے یہ ہے کہ جواز کا یہ مسلک (جو امام اخفش اور ابن جنی اور ابوعبداللہ الطوال، اور ابن مالک رحمہم اللہ) کا ہے) میرے نزدیک راجح ہے (اگرچہ جمہور کے خلاف ہے) حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے ان کے نزدیک کلام عرب کے استعمال کا اعتبار ہے قواعد اس کے مقابلے میں مرجوح ہیں۔

فلو کان الضمیر الخ:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر ہوا جس میں ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی مفعول کی طرف اب اس فاعل کا حکم بتا رہے ہیں جس میں ضمیر مفعول کے ساتھ متصل کی طرف لوٹتی ہے شارح فرماتے ہیں کہ یہ صورت صحیح نہیں جیسے "ضَرَبَ بَعْلُهَا صاحبَ هند" بعض حضرات نے اگرچہ اس میں بھی اختلاف نقل کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ صورت ممنوع ہے۔

اَلنَّائِبُ عن الفاعِلِ

یَنُوبُ مفعولٌ بِهِ عَنْ فَاعِلِ
فِیمَا لَهُ، کَنِیلَ خَیرُ نَائِلِ

ترجمہ:...... مفعول بہ فاعل کی جگہ نائب ہوکر آتا ہے ان احکام میں جو فاعل کیلئے ہوتے ہیں جیسے نِیلَ خیر نائِلِ (بہترین انعام حاصل کیا گیا)

(ش) یحذف الفاعل ویقام المفعول به مقامه، فیعطی ما کان للفاعل: من لزوم الرفع، ووجوب التأخر عن رافعه، وعدم جواز حذفه، وذلک نحو: ((نیل خیر نائل)) فخیر نائل: مفعول قائم مقام الفاعل، والأصل: ((نال زیدٌ خیر نائل)) فحذف الفاعل –وهو ((زید))– وأقیم المفعول به مقامه– وهو ((خیر نائل)) ولا یجوز تقدیمه؛ فلا تقول: ((خیر نائل نیل)) علی أن یکون مفعولا مقدما، بل علی أن یکون مبتدأ، وخبره الجملة التی بعده –وهی ((نیل)) والمفعول القائم مقام الفاعل ضمیر مستتر– والتقدیر: [نیل هو]) وکذلک لا یجوز حذف ((خیر نائل)) فتقول: ((نیل))

ترجمہ وتشریح:

نائب فاعل کے احکام:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر تفصیلاً گزر چکا، نیز اس کے احکام ومسائل بھی تفصیلاً بیان ہوئے اب نائب فاعل کا ذکر کر رہے ہیں (نائب فاعل کو بعض حضرات مفعول مالم یسمّ فاعله کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق نہیں البتہ حاشیة الخضری میں ہے کہ نائب فاعل کی اصطلاح "مفعول مالم یسمّ فاعله" سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ اس ظرف کو شامل نہیں ہوتا جو فاعل سے نائب ہوکر آتا ہے اس لئے کہ مطلق ذکر کے وقت مفعول بہ ہی مراد ہوتا ہے۔ جبکہ نائب فاعل سب کو شامل ہے)

چنانچہ فرمایا: فاعل کو حذف کر کے مفعول بہ کو اس کے مقام لایا جاتا ہے اور فاعل کے تمام احکام اس کو بھی دیئے جاتے ہیں مثلاً مرفوع ہونا، عامل سے مؤخر ہونا وغیرہ، جیسے "نِیلَ خیر نائل" خیر نائل مفعول ہے اور

فاعل کے قائم مقام ہے جو کہ زید ہے تقدیر عبارت یوں ہے "نـال زیـدٌ خیـر نـائـل" مفعول بہ (خیـر نائل) کو حذف کر کے فاعل (زید) کو اس کے قائم مقام بنایا، اسی طرح خیر نائل کی تقدیم بھی اس طرح جائز نہیں کہ یہ مفعول مقدم ہو بلکہ ترکیب میں یہ مبتدا واقع ہو اور "نیـل" جملہ خبر ہوگا اور نائب فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مستتر ہے والتقدیر "نیل ھو"

اسی طرح "خیز نائل" کا حذف بھی صحیح نہیں تا کہ صرف "نیل" کہا جا سکے۔

فَـأَوَّلَ الْـفِـعْـلِ اضْـمُـمَـنْ والْـمُـتَّـصِـل

بِـالآخِـرِ اكْـسِـرْ فِـي مُـضِـيٍّ كَـوُصِـل

واجْـعَـلْـهُ مِـنْ مُـضَـارِعٍ مُـنْـفَـتِـحَـا

كَـيَـنْـتَـحِـي الْـمَـقُـولِ فِـيـهِ: يُـنْـتَـحَـى

ترجمہ:...... پس آپ فعل کے شروع کو ضمہ دیں اور آخر کے ساتھ متصل کو ماضی میں کسرہ دیں جیسے وَصَلَ میں وُصِلَ اور مضارع میں آپ حرف اوّل کو مفتوح کر دیں جیسے یَنْتَحِیْ اس میں کہا جائے گا "یُنْتَحٰی" (انتحاء) بمعنی اعتماد کرنا، پیش ہونا۔

(ش) یضم أول الفعل الذی لم یسم فاعله مطلقًا، أی: سواء کان ماضیًا، أو مضارعًا، ویکسر ماقبل آخر الماضی، ویفتح ماقبل آخر المضارع.

ومثال ذلک فی الماضی قولک فی وَصَلَ: "وُصِلَ"، وفی المضارع قولک فی 'ینتحی': "ینتحِی" (ترجمہ وتشریح واضح ہے)

وَالثَّـانِـي الـتَّـالِـيَ تَـا الْـمُـطَـاوَعَـه

كَـالأَوَّلِ اجْـعَـلْـهُ بِلاَ مُـنَـازَعَـه

وَثَـالِـثَ الَّـذِي بِـهَـمْـزِ الْـوَصْـلِ

كَـالأَوَّلِ اجْـعَـلَـنَّـهُ كَـاسْـتُـحْـلِـي

ترجمہ:...... فعل بنی للمفعول میں دوسرے حرف کو جو تاء مطاوعت کے بعد ہے پہلے کی طرح (مضموم) کر دیں بغیر کسی جھگڑے کے، اور ہمزہ وصل ساتھ تیسرے حرف کو بھی

پہلے کی طرح (مضموم) کردیں۔

(ش)إذا كان الفعل المبنى للمفعول مفتتحا بتاء المطاوعة ضم أوله وثانيه،وذلك كقولك في "تَدَحْرَجَ": "تُدُحْرِجَ "وفي "تكسَّر"؛"تُكُسِّر"وفي " تغافل": " تغوفل"

وإن كان مفتتحا بهمزة وصل ضم أوله وثالثه،وذلك كقولك في"استحلى": "اُستحلى" وفي "اِقْتَدَرَ اُقْتُدِرَ" وفي " اِنطَلَقَ": "اُنْطُلِقَ"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل مبنی للمفعول کے شروع میں تاء مطاوعت ہو (مطاوعت کہتے ہیں تاثیر کو قبول کرنا اور پہلے کی چیز دوسرے کو حاصل ہونا، جیسے: تَعَلَّمْتُهُ فَتَعَلَّمَ میں نے اس کو سکھایا پس اس نے سیکھا) تو پہلے اور دوسرے حرف کو ضمہ دیا جائے گا۔ جیسے: تَدَحْرَجَ سے تُدُحْرِجَ ، تکسَّرَ سے تُكُسِّرَ ،تغافَلَ سے تُغُوفِلَ.

اور اگر شروع میں ہمزہ وصلی ہو تو پہلے اور تیسرے حرف کو ضمّہ دیا جائے جیسے: استحلیٰ سے اُستُحلِيَ . اِقْتَدَرَ سے اُقْتُدِرَ، انطَلَقَ سے اُنْطُلِقَ۔

وَاكْسِرْ أَوْ اشْمِمْ فَاثُلاثِيَّ أُعِلّ
عَيْنًا وَضَمٌّ جَاءَ كَ "بُوْعَ" فَاحْتُمِلْ

ترجمہ:......کسرہ دیں یا اشمام کریں ثلاثی معتل العین کے فاء میں اور ضمّہ بھی آیا ہے جیسے "بُوْعَ" پس اس کا بھی احتمال ہے۔

(ش) إذا كان الفعل المبنى للمفعول ثلاثيا معتل العين سمع في فائه ثلاثة أوجه :(۱) إخلاص الكسر، نحو: ((قيل، وبيع)) ومنه قوله:

۱۵۴ -حِيكَتْ عَلَى نِيرَيْنِ إِذْ تُحَاكُ
تَخْتَبِطُ الشَّوْكَ وَلاَ تُشَاكُ

(۲)وإخلاص الضم، نحو: ((قوله، وبوع))، ومنه قوله:

۱۵۵ -لَيْتَ ،وَهَلْ يَنْفَعُ شَيْئًا لَيْتُ؟
لَيْتَ شَبَابًا بُوعَ فَاشْتَرَيْتُ

وهي لغة بني دبير وبني فقعس[وهما من فصحاء بني أسد]

(۳) والإشمام-وهو الإتيان بالفاء حركة بين الضم والكسر-ولا يظهر ذلك إلا في اللفظ،ولا يظهر في الخطّ، وقد قرئ في السبعة قوله تعالى:﴿وقيل ياأرض ابلعي ماءك وياسماء أقلعي وغيض الماء﴾ بالإشمام في ((قيل))و((غيض))

ترجمہ وتشریح:

قيلَ بيعَ کی تین وجہیں:

جب فعل مبنی للمفعول ہو اور ثلاثی معتل العین ہو تو اس کی فاء میں تین وجہیں جائز ہیں ۔(صرف کسرہ جیسے "قِيلَ" بِيعَ" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۴ -حِيكَتْ عَلَى نِيرَيْنِ إِذْتُحَاكُ
تَخْتَبِطُ الشَّوْكَ وَلاَ تُشَاكُ

ترجمہ:...... یہ چادر بنی گئی ہے دو مضبوط اکٹھے دھاگوں پر جب اس کو بنا جا رہا تھا یہ مارتی ہے کانٹے کو اور خود اس میں کانٹا نہیں چبھتا۔

تشریح المفردات:

(حيكت) از ضرب بمعنی بنا(نيرين) نير کا تثنیہ ہے بمعنی اکٹھے دھاگے، کپڑے کا نقش ونگار، کہا جاتا ہے رجلٌ ذو نيرين اپنے ساتھی سے دگنی قوت والا" حربٌ ذاتُ نيرينِ" سخت جنگ (تختبط) واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے باب افتعال ضرب سے بمعنی زور سے مارنا، سخت روندنا کچلنا(الشوک) کانٹا(لا تشاک) اى لا يدخلها شوک" نصر سے بمعنی کانٹا چبھونا۔

محل استشہاد:

(حيكت) محل استشہاد ہے فعل ثلاثی معتل العین ہے اور اخلاص کسر کے ساتھ ہے۔

۲:......دوسری وجہ ثلاثی معتل العین کے مبنی للمفعول میں اخلاص ضمّ ہے یعنی فاکلمہ پر ضمّہ کا ہونا جیسے "قُول" "بُوع"

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۵-لَیتَ ،وَهَلْ یَنْفَعُ شَیْئًا لَیْتُ
لَیْتَ شَبَابًا بُوعَ فَاشْتَرَیْتُ

ترجمہ:......کاش (اور کیا کاش کا لفظ کچھ نفع دیتا ہے؟ کاش) کہ جوانی بیچی جاتی پس میں اس کو خریدتا۔

تشریح المفردات:

(لیت) حرف تمنی ناصبہ ہے۔اسم کو نصب خبر کو رفع دیتا ہے ناممکن شئ کی تمنا کیلئے آتا ہے۔یہاں تین مرتبہ "لیت" کا لفظ آیا ہے پہلا لیتَ مشہور حرف تمنی ہے دوسرا باعتبار لفظ یقعُ فعل کیلئے فاعل ہے اور مرفوع بنا بر فاعلیت ہے اسلئے کہ مقصود لفظ "لیت" ہے تیسرا والا (لیت) پہلے والے کی تاکید ہے لہٰذا تیسرے کا اسم اور خبر نہیں ہے "وَهَلْ یَنْفَعُ شیئًا لیت" جملہ معترضہ ہے۔(ھل) سے استفہام انکاری مراد ہے اس لئے کہ ایک روایت میں "وَمَا ینفع شیئًا لیت" آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ لیت کا لفظ کوئی نفع نہیں دیتا ہے۔

محل استشہاد:

(بوع) محل استشہاد ہے اخلاص ضم والی روایت ہے عرب کی ایک جماعت بنودبیر اور بنو فقعس کی لغت ہے جو بنو اسد کے فصحاء میں سے تھے۔

۳:......تیسری لغت اشمام کی ہے یعنی فاکلمہ پر ایسی حرکت لانا جو ضمّہ اور کسرہ کے درمیان ہو، خط کے اندر یہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ تلفظ میں ظاہر ہو جاتا ہے، منجد میں ہے کہ قاریوں اور نحویوں کے نزدیک ہونٹ کے ساتھ بغیر آواز نکالے ہوئے حرکت کی طرف اشارہ کرنے کو اشمام کہتے ہیں۔قراءت سبعہ میں "وقیل یاارض ابلعی ماءکِ ویاسماء اقلعی وغیض الماء" کی آیت میں قیل اور "غیض" اشمام کے ساتھ آیا ہے۔

وَإِنْ بِشَكْلٍ خِيفَ لَبْسٌ يُجْتَنَبْ
وَمَا لِبَاعَ قَدْ يُرَى لِنَحْوِ حَبّْ

ترجمہ:......اگر کسی صورت میں التباس کا خطرہ ہو (یعنی مذکورہ تین وجوہات اخلاص کسرہ اخلاص ضمّ، اشمام میں سے) تو اس سے اجتناب کیا جائے گا نیز جو حکم بَاعَ کے فاء کیلئے ہے وہ حَبّْ (یعنی مضاعف کے فاء کیلئے بھی دیکھا گیا ہے۔

(ش)إذاأسند الفعل الثلاثی المعتل العین– بعد بنائه للمفعول– إلى ضمیرمتکلم أومخاطب أوغائب:فإماأن یکون واویًا،أویائیًا.

فإن کان واویًا –نحو:((سام))من السوم –وجب –عند المصنف–کسرالفاء أوالإشمام؛ فتقول:((سمتُ)) ولا یجوزالضم؛ فلا تقول:((سمته))]؛لئلا یلتبس بفعل الفاعل،فإنه بالضم لیس إلا، نحو:((سمت العبد))

وإن کان یائیًا– نحو:((باع))من البیع–وجب–عندالمصنف أیضًا–ضمه أوالإشمام؛فتقول:((بعت یا عبد))ولایجوزالکسر؛فلاتقول:((بعت))؛لئلا یلتبس بفعل الفاعل؛ فإنه بالکسرفقط، نحو:((بعت الثوب))

وهذامعنی قوله:((وإن بشکل خیف لبس یجتنب))أی : وإن خیف اللبس فی شکل من الأشکال السابقة–أعنی الضم،والکسر، والإشمام –عدل عنه إلی شکل غیره لالبس معه.

هذاماذکره المصنف،والذی ذکره غیره:أن الکسرفی الواوی، والضم فی الیائی، والإشمام هوالمختار،ولکن لایجب ذلک،بل یجوزالضم فی الواوی،والکسرفی الیائی.

وقوله:((ومالباع قد یری لنحوحبّ)) معناه أن الذی ثبت لفاء ((باع))–من جوازالضم، والکسر،والإشمام–یثبت لفاء المضاعف، نحو:((حبّ))؛فتقول:((حَبّ))، و((حُبّ))وإن شئت أشممت.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے معتل العین کے ماضی مجہول میں تین وجہوں کے جواز کا ذکر ہوا اب مصنفؒ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ تین وجہیں وہاں جائز ہیں جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پھر صحیح نہیں۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب فعل ثلاثی معتل العین کی اسناد ہو جائے ضمیر متکلم یا مخاطب یا غائب کی طرف تو یا وہ فعل واوی ہوگا یا یائی۔

اگر واوی ہو جیسے سَامَ (یَسُوْمُ) تو مصنفؒ کے ہاں التباس سے بچنے کیلئے صرف فا کا کسرہ اور اشمام جائز ہے۔ چنانچہ سِمتُ کہا جائے گا اور ضمہ پڑھنا صحیح نہیں لہٰذا سُمْت (بضم السین) کہنا غلط ہے کیونکہ فا کے ضمہ کی صورت میں یہ فعل معروف کے ساتھ خلط ملط ہو جائے گا (یعنی وہ فعل جس کا فاعل ہوتا ہے) فعل معروف کی مثال سُمْتُ العبد ہے یائی جیسے "باعَ" تو مصنف کے ہاں اس میں بھی صرف ضمہ یا اشمام واجب ہے، چنانچہ "بُعْتَ یاعبد" کہا جائے گا اور "بِعت یاعبد" (بکسر الباء) صحیح نہیں تاکہ فاعل کے فعل سے التباس نہ آئے پتہ نہیں چلے گا (یاء کے کسرہ کی صورت میں) کہ یہ فعل معروف ہے یا مجہول مصنفؒ کے قول "وان بشکلٍ خیف الخ کا یہی مطلب ہے۔

یہ مسلک مصنفؒ کا ہے جبکہ دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ واوی میں کسرہ اور یائی میں ضمہ اور اشمام مختار ہے (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ بھی وجوبًا نہیں بلکہ واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ جائز ہے۔ چنانچہ قَالَ یقولُ سے ماضی مجہول اور معروف دونوں قُلْنَ قُلْتَ قلتما الخ ایک جیسے آتے ہیں (اگر چہ اصل تعلیل میں فرق ہوتی ہے) اسی طرح بعن بعت بعتما الخ میں بھی۔ عام طور پر صرف کی کتابوں میں اسی قول کو لیا گیا ہے۔ یعنی واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ چنانچہ ارشاد الصرف میں قلن کے متعلق قانون ہے۔

(ہر واؤ غیر مکسور کہ در ماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ بیفتد فا کلمہ وراحرکت ضمّہ می دھند وجوبًا) اور (خفن) "بِعْنَ" کے تعلّق قانون یہ ہے

(ہر واو مکسور ویائے مطلقًا کہ درماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ باشد بیفتد فا کلمہ وے را حرکت کسرہ می دھند وجوبًا)

باقی رہا التباس کا شبہ تو قرینے سے اس کا ازالہ ممکن ہے۔

بہر حال سیبویہ رحمہ اللہ نے ان تینوں وجوں کو عرب سے مسموع قرار دیا ہے اور اس پر انہوں نے تصریح کی ہے۔

ومالِبَاعَ الخ:

مصنفؒ اس قول سے یہ بتا رہے ہیں کہ جو تین وجہیں (جواز ضم، جواز کسرہ، اشمام) بَـاعَ کے فاء کیلئے ثابت ہیں وہ مضاعف کے فاء کیلئے بھی ہیں جیسے حَبَّ، اس میں آپ حُبَّ، حِبَّ اشمام تینوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

وَمَـــالِـفَـــابَـــاعَ لِـمَـــاالـعيـنُ تَـلِـي

فِـي اِخْتَـارَوانْـقَـادَ وشِبْـهٍ ينـجَـلِـي

ترجمہ:...... جو حکم باع کے فاء کیلئے ثابت ہے وہی اس حرف کیلئے بھی ہے جس کے ساتھ عین کلمہ متصل ہے اِختارَ، انْقَادَ اور اس کے مشابہ میں جو واضح ہو۔

(ش) أي يثبت —عند البناء لِلْمفعول— لما تليه العين من كل فعل يكون على وزن افتَعَلَ، أو انفَعَلَ وهو معتل العين مايثبت لفاء باعَ من جواز الكسر: والضم، وذلك نحو: ((اختار، وانقاد)) وشبههما؛ فيجوز في التاء والقاف ثلاثة أوجه: الضم، نحو: ((اختور))، و((انقود))، والكسر، نحو: ((اختير))، و((انقيد))، والإشمام، وتحرك الهمزة بمثل حركة التاء والقاف.

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ مبنی للمفعول میں جو تین وجہیں گزر گئی یہ اس فعل کے فاء میں بھی ثابت ہیں جو افتعل، انفعلَ کے وزن پر ہو جیسے اختارَ انْقَادَ وغیرہ چنانچہ تاء اور قاف میں ضمہ بھی جائز ہے جیسے "اختور انقود (یہاں جب تاء اور قاف کو ضمہ دیا تو یاء کو ماقبل مضموم ہونے کی بناء پر یُوسِرُ کے قاعدہ۔ (ھر یائیے ساکن مظھر غیر واقع مقابله فا کلمہ باب افتعال ماقبلش مضموم آن را بواو بدل کنند وجوبًا) کے تحت واؤ سے تبدیل کیا۔ اور کسرہ بھی جائز ہے جیسے اُختیرَ اُنقِیدَ۔

اسی طرح اشمام بھی جائز ہے اس صورت میں ہمزہ کو تاء اور قاف کی حرکت دی جائے گی۔

وَقَابِلٌ مِنْ ظَرْفٍ اَوْ مِنْ مَصْدَرٍ
اَوْ حَرْفِ جَرٍّ بِنِيَابَةٍ حَرِيْ

ترجمہ:...... جو ظرف مصدر حرف جر میں سے قابل ہو وہ نیابت کا زیادہ لائق ہے۔

(ش) تقدم أن الفعل إذا بنی لما لم یسم فاعله أقیم المفعول به مقام الفاعل، وأشار فی هذا البیت إلی أنه إذا لم یوجد المفعول به أقیم الظرف أو المصدر أو الجار والمجرور مقامه؛ وشرط فی کل [واحد] منها أن یکون قابلاً للنیابة، أی: صالحاً لها، واحترز بذلک مما لا یصلح للنیابة، کالظرف الذی لا یتصرف، والمراد به ما لزم النصب علی الظرفیة، نحو: ((سحر)) إذا أرید به سحر یوم بعینه، ونحو: ((عندک)) فلا تقول: ((جلس عندک)) ولا ((رکب سحر)) لئلا تخرجهما عما استقر لهما فی لسان العرب من لزوم النصب، وکالمصادر التی لا تتصرف، نحو: ((معاذ الله)) فلا یجوز رفع ((معاذ الله)) لما تقدم فی الظرف، وکذلک ما لا فائدة فیه: من الظرف، والمصدر، [والجار والمجرور]، فلا تقول: ((سیر وقت)) ولا ((ضُرِب ضَرْبٌ)) ولا ((جلس فی دار)) لأنه لا فائدة فی ذلک.

ومثال القابل من کل منها قولک: ((سیر یوم الجمعة، وضرب ضرب شدید، ومر بزید)).

ترجمہ وتشریح:

مفعول بہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ جب فعل مبنی للمفعول ہو جائے تو مفعول بہ کو فاعل کے قائم مقام بنایا جائیگا۔ اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو ظرف مصدر یا جار مجرور کو اس کے قائم مقام بنائینگے۔

لیکن ان میں سے ہر ایک میں شرط ہے کہ وہ نیابت کے قابل ہو یعنی نائب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

چنانچہ ظرف اور مصدر کی نیابت کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ ان میں سے ہر ایک متصرف ہو دوسری یہ ہے کہ ہر ایک مختص ہو ان دونوں میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی گئی تو نیابت صحیح نہیں ہوگی۔

(جاننا چاہیئے کہ ظروف کی تین قسمیں ہیں۔

۱:......اول جو نصب بنا بر ظرفیت کو لازم ہوں کسی بھی حالت میں اس سے جدا نہ ہوتے ہوں نیز من جارہ کے آنے سے اس پر جر بھی نہ آتا ہو جیسے "قط، عوض، اذا، سحر" (جو معین دن کا مراد ہو)۔

۲:......دوم جو احدالامرین نصب بنا بر ظرفیت یا من کے ذریعہ جر کو لازم ہو جیسے عندَ، ثَم (بفتح الثاء) ان دونوں قسموں کو ظرف غیر متصرف کہا جاتا ہے۔

۳:......تیسری قسم جو نصب بنا بر ظرفیت اور جر بہ من سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے "زمن، وقت۔ ساعة الیوم، دهر، حين ان کو ظرف متصرف کہا جاتا ہے، مصادر میں متصرف وہ ہیں جو نصب بنا بر مصدریت سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے ضرب، قتل اور غیر متصرف مصدر میں وہ ہیں جو صرف منصوب بنا بر مصدریت ہی ہوں، جیسے معاذ اللّٰہ۔ لہٰذا معاذ کو مرفوع پڑھنا صحیح نہیں اور ظروف میں مختص اس کو کہتے ہیں جو اضافت یا وصف کے ساتھ خاص ہوں اور مصادر میں مختص اس کو کہتے ہیں جو عدد یا نوع پر دال ہوں لہٰذا ضرب ضربٌ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں نہ عدد ہے نہ نوع) شرح میں اسی کو مختصر کر کے پیش کیا گیا ہے فراجعه وطالعه۔

اسی طرح جس میں فائدہ نہ ہو وہاں بھی نائب فاعل بنانا ظرف مصدر جار مجرور کا صحیح نہیں۔ چنانچہ سیر وقت ضُرِبَ ضَرْبٌ، جُلِسَ فی دار کہنا صحیح نہیں۔

نیابت کے قابل کی مثال یہ قول ہے "سیر یوم الجمعة ضرب ضرب شدید مر بزید" (پہلی مثال میں ظرف متصرف مختص کو دوسری میں مصدر متصرف مختص کو اور تیسری میں فائدہ والے جار مجرور کو مفعول کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔

وَلَا يَنُوبُ بَعْضُ هٰذِی، إِنْ وُجِدْ
فِی اللَّفْظِ مَفْعُولٌ بِهٖ وَقَدْ يَرِدْ

ترجمہ:......ان میں سے (یعنی مصدر، ظرف، جار مجرور میں سے) بعض فاعل کے قائم مقام نہیں ہونگے اگر لفظ میں مفعول بہ موجود ہو اور کبھی واقع ہو جاتا ہے۔

(ش) مذهب البصريين – إلا الأخفش – أنه إذا وجد بعد الفعل المبني لما لم يسم فاعله: مفعول به، ومصدر، وظرف، وجار ومجرور – تعين أقامة المفعول به مقام الفاعل؛ فتقول: ضرب زيد ضربا شديدًا يوم الجمعة أمام الأمير في داره، ولا يجوز إقامة غيره [مقامه] مع وجوده، وما ورد من ذلك شاذ أو مؤول.

ومذهب الكوفيين أنه يجوز إقامة غيره وهو موجود: تقدم، أو تأخر فتقول: ((ضرب ضرب شديد زيدا، وضرب زيدًا ضرب شديد)) وكذلك في الباقي؛ واستدلوا لذلك بقراءة أبي جعفر: (ليجزى قوما بما كانوا يكسبون) وقول الشاعر:

١٥٦ – لَمْ يُعْنَ بِالْعَلْيَاءِ إلَّا سَيِّدا
وَلَا شَفَى ذَا الْغَيِّ إلَّا ذو هُدَى

ومذهب الأخفش أنه إذا تقدم غير المفعول به عليه جاز إقامة كل [واحد] منهما؛ فتقول: ضرب في الدار زيد، وضرب في الدار زيدا، وإن لم يتقدم تعين إقامة المفعول به، نحو: ((ضرب زيد في الدار))؛ فلا يجوز ((ضرب زيدًا في الدَّارِ))

ترجمہ وتشریح:

اخفش رحمہ اللہ کے علاوہ باقی بصریین کا یہ مسلک ہے کہ فعل مبنی للمفعول کے بعد اگر مفعول بہ، مصدر، ظرف، جار مجرور واقع ہو تو مفعول بہ کو فاعل کی جگہ قائم مقام بنانا ضروری ہے جیسے ضُرِبَ زَیدٌ ضربًا شدیدًا یومَ الجمعة امام الامیر فی دارہ (یہاں مصدر ظرف جار مجرور کے ساتھ مفعول بہ (زید) بھی موجود تھا اس وجہ سے اسی کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا) مفعول کے موجود ہوتے ہوئے غیر کو اس کے قائم مقام بنانا صحیح نہیں البتہ جہاں وارد ہوا ہے وہ یا تو شاذ ہے یا اس میں تاویل کی جائے گی۔

اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ غیر کو قائم مقام بنا سکتے ہیں اگر چہ مفعول بہ موجود ہو چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔ مؤخر کی مثال جیسے ضرب ضربٌ شدید زیدا، ضرب زیدا ضرب شدید (پہلی مثال میں مفعول بہ مؤخر موجود ہے اور دوسری میں مفعول بہ مقدم موجود ہے پھر بھی مصدر کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔ اسی طرح باقی کی مثالیں بھی

ہیں)

ابوجعفر کی قراءت سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے: "لیجزی قوما بما کانوا یکسبون" (یہاں جار مجرور کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا حالانکہ مفعول بہ (قوما) موجود ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۶-لَمْ يُعْنَ بِالْعَلْيَاءِ إِلَّا سَيِّدَا

وَلَا شَفَى ذَا الْغَيِّ إِلَّا ذُو هُدَى

ترجمہ: بلندی کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا مگر سردار آدمی اور جہالت والے کو شفاء نہیں دی مگر ہدایت والے نے۔

تشریح المفردات:

(لم یعن) نفی جحد مجہول کا صیغہ ہے علامت جزم حذف الف ہے۔ (عنی بالامر) کسی کام کی طرف توجہ دینا، مشغول ہونا، اہتمام کرنا (العلیاء) یہاں مضاف حذف ہے ای بتحصیل العلیاء۔ (العلیاء) بفتح العین ومد الھمزۃ، وبضم العین وقصر الھمزۃ اصل میں ہر اونچی جگہ کو کہتے ہیں یہاں بلند مرتبہ مراد ہے۔ (سیدا) سردار (الغیّ) غوی یغوی ضرب یضربُ کا مصدر ہے جہل میں منہمک ہونا۔

محل استشہاد:

(لم یعن بالعلیاءِ الاّ سیّدا) محل استشہاد ہے یہاں جار مجرور (بالعلیاء) فاعل سے نائب ہو کر آیا ہے (اصل عبارت یوں تھی لم یعن اللّٰہ بالعلیاء الا سیدا= اللہ تعالیٰ بلند و بالا مرتبہ پر نہیں مشغول کرتے مگر سردار کو) فاعل لفظ اللہ کو حذف کیا سیدا مفعول بہ کے موجود ہونے کے باوجود اور جار مجرور (بالعلیاء) کو نائب فاعل بنایا یہ اخفشؒ کے علاوہ دیگر بصریین کا مسلک ہے، جمہور اس کو ضرورت شعریہ پر محمول کرتے ہیں بایں طور کہ اصل میں الا سید چاہیے لیکن قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے سیّدا پڑھا گیا۔

اور امام اخفشؒ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب مفعول بہ کے علاوہ مقدم ہو جائے تو اس صورت میں اس کو نائب فاعل بنانا جائز ہے جیسے "ضرب فی الدار زید ضرب فی الدار زیدا" اور اگر مقدم نہ ہو یعنی مفعول بہ مقدم ہو تو مفعول بہ کو نائب فاعل بنانا متعین ہے جیسے "ضرب زید فی الدار" اس میں ضرب زید فی الدار کہنا صحیح نہیں

وَبِـاتِّـفَـاقٍ قَـدْ يَـنُـوبُ الثَّـانِ مِـنْ

بَـابِ "كَسَـا" فِـيمَـا التِبَـاسُـهُ أُمِـنْ

ترجمہ: ...اور اتفاق کے ساتھ کبھی "کسا" کے باب کا دوسرا مفعول نائب فاعل بن کہا آتا ہے جہاں التباس سے امن ہو (یعنی جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو)

إذا بني الفعل المتعدي إلى مفعولين لما لم يسم فاعله: فإما أن يكون من باب "أعطى"، أو من باب "ظن"

فإن كان من باب "أعطى" - وهو المراد بهذا البيت - فذكر المصنف أنه يجوز إقامة الأول منهما وكذلك الثاني، بالاتفاق؛ فتقول: "كسي زيد جبة، وأعطي عمرو درهما"، وإن شئت أقمت الثاني؛ فتقول: "أعطي عمرًا درهم، وكسي زيدًا جبة"

هذا إن لم يحصل لبس بإقامة الثاني، فإذا حصل لبس وجب إقامة الأول، [وذلك] نحو: "أعطيت زيدا عمرا" فتعين إقامة الأول؛ فتقول: "أعطي زيد عمرًا" ولا يجوز إقامة الثاني حينئذ؛ لئلا يحصل لبس؛ لأن كل واحد منهما يصلح أن يكون آخذًا، بخلاف الأول.

ونقل المصنف الاتفاق على أن الثاني من هذا الباب يجوز إقامته عند أمن اللبس؛ فإن عنى به أنه نقل عن جهة النحويين كلهم فليس بجيد؛ لأن مذهب الكوفيين أنه إذا كان الأول معرفة والثاني نكرة تعين إقامة الثاني؛ فلا تقول: "أعطي درهم زيدًا"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل متعدی بہ دو مفعول مبنی للمفعول ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا اعطی کے باب میں سے ہوگا (یعنی اس کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہونگے) یا ظنّ کے باب سے ہوگا (یعنی اس کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہونگے)

اگر اعطی کے باب سے ہو (اور اسی شعر سے بھی یہی مراد ہے) تو پہلے مفعول کو بھی نائب فاعل بنانا جائز ہے اور دوسرے کو بھی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ "كُسِيَ زَيْدٌ جُبَّةً، أُعْطِيَ عَمْرٌو دِرْهَمًا" بھی پڑھ سکتے

ہیں اور دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنا کر کُسِیَ زیدًا جُبَّۃٌ، اُعطی عمرًا درھمٌ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دوسرے مفعول کو نائب فاعل بناتے وقت التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہوگا۔ جیسے "اعطیت زیدًا عمرًا" یہاں پہلے کو نائب فاعل بنا کر "اُعطیَ زیدٌ عمرًا" پڑھنا ضروری ہے اور دوسرے کو بنانا صحیح نہیں اس لئے کے یہاں زید، عمر دونوں میں آخذ (یعنی معنیً فاعل) ہونے کی صلاحیت ہے، چونکہ جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے اس لئے پہلے کو نائب فاعل بنانے میں التباس نہیں ہوگا اور پتہ چلے گا کہ یہی نائب فاعل ہے۔

شارحؒ کا مصنفؒ پر اعتراض:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ "کسا" کے باب کے مفعول ثانی کو التباس نہ ہونے کی صورت میں فاعل کے قائم مقام بنا سکتے ہیں اگر مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ تمام نحویوں کا اس پر اتفاق ہے تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پہلا مفعول معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہے ورنہ دونوں کو بنا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں "اعطی زیدٌ درھمًا" پڑھنا ضروری ہے اور اعطی درھم زیدٌ صحیح نہیں۔

شارحؒ کے اعتراض کا جواب:

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ شارح نے جو کوفیین کا مسلک نقل کیا ہے یہ نقل ہی صحیح نہیں، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصنفؒ کی مراد جمہور بصریین کا اتفاق ہے نہ کہ کوفیین کا فلا اعتراض علیہ۔

فِـي بَـابِ "ظَـنَّ" وَ"أَرَى" الـمَـنـعُ اشْتَهَـرْ
وَلَا أَرَى مَـنْـعًـا إِذَا الـقَـصْـدُ ظَهَـرْ

ترجمہ:...... "ظنّ" اور "أری" کے باب میں (دوسرے اور تیسرے مفعول کے نائب فاعل ہونے کا) منع مشہور ہے اور میں منع کی رائے نہیں رکھتا جب مقصود ظاہر ہو۔

(ش) یعنی أنه إذا كان الفعل متعديًا إلى مفعولين الثاني منهما خبر في الأصل، كظن وأخواتها، أو كان متعديًا إلى ثلاثة مفاعيل كأرى وأخواتها – فالأشهر عند النحويين أنه يجب إقامة الأ

...متنع إقامة الثاني في باب "ظنّ" والثاني والثالث في باب "أعلم"؛ فتقول: "ظُنَّ زيدٌ قائمًا" ولا ...وز: "ظُنَّ زيدًا قائمٌ" وتقول: "أعلم زيدفرسك مسرجًا" ولا يجوز إقامة الثاني؛ فلا تقول: "أعلم ...دًا فرسك مسرجًا" ولا إقامة الثالث؛ فتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرج"، ونقل ابن أبي الربيع ...تفاق على منع إقامة الثالث، ونقل الاتفاق — أيضًا — ابن المصنف.

وذهب قوم — منهم المصنف — إلى أنه لا يتعين إقامة الأول، لا في باب "ظن" ولا في باب "أعلم" لكن يشترط ألا يحصل لبس؛ فتقول: "ظن زيدًا قائم، وأعلم زيدًا فرسك مسرجًا"

وأما إقامة الثالث من باب "أعلم" فنقل ابن أبي الربيع وابن المصنف الاتفاق على منعه، ...ليس كما زعما، فقد نقل غيرهما الخلاف في ذلك؛ فتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرج"

فلو حصل لبس تعين إقامة الأول في باب: ظن، وأعلم" فلا تقول: "ظن زيدًا عمرو" على أن ...عمرو" هو المفعول الثاني، ولا "أعلم زيدًا خالد منطلقًا"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو یا تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو جیسے أری اور اس کے اخوات، تو نحویوں کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ان کے مفعولوں میں سے پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہے اور ظنّ کے دوسرے اور أری، أعلم، کے دوسرے اور تیسرے کو فاعل کے قائم مقام (نائب فاعل) بنانا صحیح نہیں۔ لہٰذا "ظُنَّ زیدٌ قائمًا" کہا جائے اور ظُنَّ زیدًا قائمٌ صحیح نہیں۔ اسی طرح "أعلم زیدٌ فرسکَ مُسْرَجًا" صحیح ہے اور أعلمَ زیدًا فرسُکَ مُسْرَجًا، اور أعلم زیدًا فَرَسکَ مُسْرَجٌ صحیح نہیں۔

ونقل الخ:

ابن ابی الربیعؒ نے تیسرے مفعول کو نائب فاعل بنانے کے منع پر اتفاق نقل کیا ہے نیز علامہ بدرالدین متوفی ۶۸۶ھ (جو مصنفؒ کے بیٹے ہیں) نے بھی نقل کیا ہے کہ ظنّ کے باب میں اور "أعلم" کے باب میں پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانے کیلئے متعین کرنا ضروری نہیں بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو "وَلا أَرَى مَنعًا إذا القصدُ ظَهَر" کا یہی مطلب ہے۔

وأما اقامة الثالث:

شارح فرماتے ہیں کہ اعلم کے باب میں تیسرے مفعول کے نائب فاعل ہونے کی ممانعت پر اگرچہ ابن ابی الربیع اور ابن المصنف نے اتفاق نقل کیا ہے لیکن دیگر حضرات نے اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ لہذا آپ ان کے مسلک کے مطابق "اعلم زیدًا فرسک مسرجٌ" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اگر التباس کا خطرہ ہو تو "ظنّ، اور اعلم" کے باب میں پہلے کو نائب فاعل بنایا جائے گا۔ چنانچہ "ظنّ زیدًا عمرٌ" نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی "اعلم زیدًا خالدٌ منطلقًا" جائز ہے۔

وَمَا سِوَى النَّائِبِ مِمَّا عُلِّقَا
بِالرَّافِعِ النَّصْبُ لَهُ مُحَقَّقَا۔

ترجمہ:...... نائب فاعل کے علاوہ جو مفعول عامل (فعل) رافع کے ساتھ پیوست ہیں ان کے لئے نصب ثابت ہے۔

(ش) حكم المفعول القائم مقام الفاعل حكم الفاعل؛ فكما أنه لا يرفع الفعل إلا فاعلا واحدًا، كذلك لا يرفع الفعل إلا مفعولاً واحدًا، فلو كان للفعل معمولان فأكثر أقيمت واحدًا منها مقام الفاعل، ونصبت الباقي، فتقول: "أعطى زَيْدٌ درهمًا، وأُعْلِمَ زَيْدٌ عمرًا قائمًا، وضُرِبَ زَيْدٌ ضربًا شديدًا يَوْمَ الجمعة أمام الأمير في داره"

ترجمہ وتشریح:

جو مفعول فاعل کے قائم مقام ہے اس کا حکم فاعل کی طرح ہے جس طرح فعل ایک فاعل کو رفع دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی مفعول کو رفع دے گا (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) اگر فعل کے دو یا زیادہ معمول (مفعول) ہوں تو ایک کو آپ نائب فاعل بنا کر باقی کو نصب دیدیں جیسے "اُعْطِيَ زيدٌ درهمًا' أعلم زيدٌ عمرًا قائمًا، ضُرِبَ زيدٌ ضَرْبًا شديدًا يومَ الجمعة أمامَ الامير في داره۔

اشتغالُ العَامِلِ عَنِ المَعمُول

إنْ مُضْمَرُ اسْمٍ سَابِقٍ فِعلاً شَغَل

عَنهُ بِنَصْبِ لَفْظِهِ أوِ المَحَلّ

فَالسَّابِقَ انْصِبْهُ بِفِعلٍ أضْمِرَا

حَتْمًا، مُوَافِقٍ لِمَا قَدْ أظْهِرَا

ترجمہ:.....اگر پہلے اسم کی ضمیر فعل کو اس اسم کے اندر عمل سے مشغول کر لے لفظی یا محلی نصب کے ساتھ تو آپ پہلے اسم کو مضمر فعل کے ساتھ نصب دیں (اور یہ ضروری ہے) اس حال میں کہ وہ فعل ظاہر کے موافق ہو۔

(ش) الاشتغال: أن يتقدم اسم، ويتأخر عنه فعل، [قد] عمل في ضمير ذلك الاسم أو في سببيه– وهو المضاف إلى ضمير الاسم السابق– فمثال المشتغل بالضمير: "زيدًا ضربته، وزيدًا مررت به" ومثال المشتغل بالسببي "زيدًا ضربت غلامه" وهذا هو المراد بقوله: "إن مضمر اسم – إلى آخره" والتقدير: إن شغل مضمر اسم سابق فعلا عن ذلك الاسم المضمر لفظا نحو: "زيدًا ضربته" أو بنصبه محلا نحو: "زيدًا مررت به" فكل واحد من "ضربت" و"مررت" اشتغل بضمير "زيد" لكن "ضربت" وصل إلى الضمير بنفسه، و"مررت" وصل إليه بحرف جر؛ فهو مجرور لفظا ومنصوب محلا، وكل من "ضربت، ومررت" لو لم يشتغل بالضمير لتسلط على "زيد" كما تسلط على الضمير، فكنت تقول: "زيدًا ضربت" فتنصب "زيدًا" ويصل إليه الفعل بنفسه كما وصل إلى ضميره، وتقول: بزيد مررت فيصل الفعل إلى زيد بالباء، ويكون منصوبًا محلا كما كان الضمير.

وقوله: "فالسابق انصبه – إلى آخره" معناه أنه إذا وجد الاسم والفعل على الهيئة المذكورة؛ فيجوز لك نصب الاسم السابق.

واختلف النحويون في ناصبه:

فذهب الجمهور إلى أن ناصبه فعل مضمر وجوبًا؛ [لأنه لا يجمع بين المفسر والمفسر] ويكون الفعل المضمر موافقًا في المعنى لذلك المظهر، وهذا يشمل ما وافق لفظًا نحو قولك في "زيدًا ضربته": إن التقدير "ضربت زيدًا ضربته" وما وافق معنى دون لفظ كقولك في "زيدًا مررت به": إن التقدير: "جاوزت زيدًا مررت به" وهذا هو الذي ذكره المصنف.

والمذهب الثاني: أنه منصوب بالفعل المذكور بعده، وهذا مذهب كوفي، واختلف هؤلاء؛ فقال قوم: إنه عمل في الضمير وفي الاسم معًا؛ فإذا قلت: "زيدًا ضربته" كان "ضربت" ناصبًا لـ "زيد" وللهاء، ورُدّ هذا المذهب بأنه لا يعمل عامل واحد في ضمير اسم ومظهره، وقال قوم: هو عامل في الظاهر، والضمير ملغى، ورُدّ بأن الأسماء لا تلغى بعد اتصالها بالعوامل.

ترجمہ وتشریح:

مَا أضمرَ عاملہ عَلىٰ شریطة التفسیر کی وضاحت:

یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ اشتغال یعنی "ما أضمر عامله على شريطة التفسير" کی بحث کو تفصیل سے ذکر کررہے ہیں، مرفوعات منصوبات کے درمیان اس بحث کو لائے اس لئے کہ یہ کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مرفوع۔ اشتغال کی تعریف کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اشتغال یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور اس کے بعد فعل آجائے جو پہلے اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق (جو ماقبل اسم کی ضمیر کی طرف مضاف ہو) میں عمل کرتا ہو جو فعل ماقبل کی ضمیر کے عمل میں مشغول ہے (اسی کو مشتغل بالضمير کہتے ہیں) ہو اس کی مثال زيدًا ضربتُهُ زيدًا مَرَرْتُ بِه۔

اور مشتغل بالمتعلق کی مثال زيدًا ضربت غلامَه (یہاں ضربتُ فعل مؤخر نے ماقبل اسم کے متعلق غلام میں عمل کیا ہے) مصنف کے قول "إن مضمر اسم الخ" سے یہی مراد ہے۔

لفظی نصب کی مثال زيدًا ضربتُه اور محلاً نصب کی مثال زيدًا مَرَرْتُ بِه، ضربتُ اور مَرَرْتُ نے یہاں زید کی ضمیر میں عمل کیا ہے لیکن ضربتُ ضمیر کو بلا واسطہ اور مررتُ بواسطہ حرف جر متعدی ہے (یہ اگرچہ لفظاً مجرور ہے لیکن محلاً منصوب ہے) اور یہ دونوں اگر ضمیر کے عمل میں مشغول نہ ہوتے تو زید پر مسلط ہو کر اس کو نصب دیتے۔

فالسابق انصبه الخ:

اس کا مطلب ہے کہ اسم اور فعل جب اس ہیئت پر پائے جائیں تو پہلے اسم کو منصوب بنانا جائز ہے۔

البتہ اس سے پہلے والے اسم کے ناصب میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا مضمر فعل ہے وجوبا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو ذکر کیا جائے مثلاً ضربت زیدًا ضربته تو مفسَّر (بصیغہ اسم مفعول یعنی زید) اور مفسِّر (یعنی بعد کی ضمیر) میں اجتماع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔ نیز فعل مضمر ظاہر کے موافق ہوگا یہ موافقت لفظاً موافقت کو بھی شامل ہے جیسے: زیدًا ضربتُه ای ضربتُ زیدًا ضربتُه اور معنیً موافقت کو بھی جیسے "جاوَزْتُ زیدًا ای مَرَرْتُ به، تجاوز اور مرور کے معنی موافق ہیں (بمعنی گزرنا)

اسم سابق کے ناصب میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ بعد والے فعل (ضربتُ) کی وجہ سے منصوب ہے یہ کوفی مذہب ہے ان حضرات کا پھر آپس میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس بعد والے فعل نے ضمیر اور ماقبل اسم دونوں میں معاً عمل کیا ہے لیکن یہ مذہب مردود ہے اس لئے کہ ایک عامل اسم ظاہر میں اور اس کی ضمیر میں عمل نہیں کرتا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صرف اسم ظاہر میں عامل ہے اور ضمیر ملغی ہے (یعنی لغو) لیکن اس پر بھی رد کیا گیا ہے کہ عوامل کے ساتھ متصل ہونے کے بعد ضمائر ملغی نہیں ہوتے۔ (لہٰذا پہلا مسلک راجح ہے)

وَالنَّصْبُ حَتْمٌ إِنْ تَلاَ السَّابِقُ مَا
يَخْتَصُّ بِالْفِعْلِ كَإِنْ وَحَيْثُمَا

ترجمہ:...... اور نصب واجب ہے اگر پہلا اسم ایسے حروف کے بعد آجائے جو فعل کے ساتھ خاص ہوں جیسے إن اور حیثُمَا.

(ش) ذكر النحويون أن مسائل هذا الباب على خمسة أقسام: أحدها: مايجب فيه النصب، والثاني: ما يجب فيه الرفع، والثالث مايجوز فيه الأمران والنصب ارجح والرابع: مايجوز فيه الامران والرّفع ارجحُ والخامس مايجوز فيه الامران على السواء.

فأشار المصنف إلى القسم الأول بقوله: "والنصب حتم — إلى آخره" ومعناه أنه يجب نصب الاسم السابق إذا وقع بعد أداة لا يليها إلا الفعل، كأدوات الشرط نحو: إن، وحيثما؛ فتقول: "إن

زیداً اکرمتہ اکرمک، وحیثما زیداً تلقہ فاکرمہ"، فیجب نصب "زیداً" فی المثالین وفیما اشبھھما، ولا یجوز الرفع علی أنہ مبتدأ، إذ لا یقع [الاسم] بعد ھذہ الأدوات، وأجاز بعضھم وقوع الاسم بعدھا، فلا یمتنع عندہ الرفع علی الابتداء، کقول الشاعر:

۱۵۷- لاتجزعی إن منفس اھلکتہ
فاذا ھلکت فعند ذلک فاجزعی

تقدیرہ: "إن ھلک منفس"، واللہ اعلم.

ترجمہ وتشریح:

ماأضمر عاملہ کے مسائل کی پانچ قسموں کا ذکر:

اس سے پہلے "ماأضمر عاملہ" کی تعریف اور مثالیں گزر گئیں اب اس کے مسائل کو ذکر کر رہے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس باب کے مسائل پانچ قسموں پر ہے۔

(۱)...... جہاں نصب واجب ہے۔

(۲)...... رفع واجب ہے۔

(۳)...... رفع نصب دونوں جائز ہیں البتہ نصب راجح ہے۔

(۴)...... دونوں جائز ہیں اور رفع راجح ہے۔

(۵)...... دونوں جائز ہیں بغیر ترجیح کے۔

قسم اوّل:

والنصب حتم الخ کے ذریعے مصنفؒ نے قسم اوّل کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم سابق نصب واجب ہے جب وہ ایسے حروف کے بعد واقع ہو جن کے ساتھ فعل ہی متصل ہوتا ہے (ایک صورت میں مفعول واقع ہوگا اور اس کا عامل فعل محذوف ہوگا، اس لئے کہ ایسے حروف کے بعد صرف فعل ہی آتا ہے) جیسے اد وات شرط (ادوات شرط) کے بعد اشتغال ضرورت شعری میں آتا ہے نثر میں صرف دو ادوات کے بعد آتا ہے۔

ا:...... إن کے بعد بشرطیکہ فعل مشغول ماضی ہو جیسے "إن زیداً لقیتہ فاکرمہ"

……إذا میں مطلقاً ثابت ہے جیسے "إذا زيداً لقيته فلقاه فأكرمه" نیز اس کے علاوہ ادوات تخصیص، ادوات عرض، ہمزہ کے علاوہ ادوات استفہام کے بعد بھی صرف فعل ہی آیا کرتا ہے البتہ ہمزہ استفہام اسماء پر بھی داخل ہوتا ہے)

وأجاز بعضهم الخ:

بعض حضرات نے ادوات شرط کے بعد بھی اسم کے واقع ہونے کو جائز کہا ہے لہٰذا ان کے ہاں اسم سابق میں رفع بنا بر ابتداء جائز ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۵۷ـ لاتجزعي إنْ مُنْفِسٌ أهلكتُه
فإذا هلكتُ فعند ذلكِ فاجزعي

ترجمہ:……اگر میں عمدہ مال خرچ کروں تو آپ گھبرائیں نہیں (یا آپ بے برداشت نہ ہوں) ہاں جب میں خود ہلاک ہو جاؤں تو اس وقت گھبرانا۔

تشریح المفردات:

(لاتجزعي) واحد مؤنث حاضر نہی معروف کا صیغہ ہے از جزع (جـ ز ع) اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے اوپر آنے والی مصیبت کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے۔ (منفِسٌ) نفیس اور عمدہ مال (اهلكته) باب افعال سے ماضی متکلم ہے بمعنی فانی کرنا، (فعند ذالک) میں ک مکسور ہے اس لئے کہ مؤنث کو خطاب ہے۔

شان ورود:…… شاعر نمر بن تولب رضی اللہ عنہ ایک بہادر اور سخی آدمی تھے ان کے ہاں زمانہ جاہلیت میں چند مہمان آئے انہوں نے ان کیلئے چارہ اونٹنیاں ذبح کر دیں اور پینے کیلئے شراب کا ایک مٹکا خریدا اس پر بیوی نے ان کو ملامت کی اور فضول خرچی پر ناراض ہوئی جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ اگر عمدہ اور زیادہ مال میں خرچ کروں تو اس پر آپ جزع فزع نہ کریں ہاں میری اپنی ہلاکت ہو جائے تو اس پر آپ بے شک جزع فزع کرلیں۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا۔

إذا ما لم تمت رأس الرجال من الأذى
فتعلّنا البعثال الامثل قصّ الاظافر

ترجمہ:...... جب آدمیوں کے سر تکلیف سے بچ جائیں تو مال کو خرچ کرنا ایسا ہے جیسے ناخنوں کو کاٹنا جس طرح ناخن کاٹنے سے ختم نہیں ہوتے بلکہ پھر بھی بڑھتے ہیں اسی طرح مال کی مثال ہے۔

محلّ استشہاد:

(إن منفسٌ) محلّ استشہاد ہے یہاں ادات شرط کے بعد اسم مرفوع آیا ہے اور اکثر ان ادات کے بعد فعل آتا ہے لہٰذا منصوب ہونا چاہئے تھا جمہور کے ہاں یہاں (منفسًا) نصب کے ساتھ بھی آیا ہے پھر تو کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ "منفِسًا" اھلکت فعل کے ساتھ منصوب ہوگا، اور برتقدیر صحت (یعنی اگر مرفوع روایت تسلیم بھی کرلی جائے) منفسٌ فاعل واقع ہے ھلک فعل محذوف کیلئے تو یہ مرفوع بنابر فاعلیت ہے نہ بنابر ابتداء۔ واللہ اعلم

وَإِنْ تَلاَ السَّابِقُ مَا بِالابتدا
يختص فالرفع التزمه أبدا
كذا إذا الفعل تلا ما لم يرد
ماقبل معمولاً لِمَا بَعْدُ وُجِد

ترجمہ:...... اگر اسم سابق ایسے ادات کے بعد آجائے جو ابتداء کے ساتھ خاص ہو تو اس (اسم) کے ساتھ آپ رفع لازم کریں اسی طرح (آپ رفع لازم کریں) جب اسم سابق ایسے ادات کے بعد آجائے جس کا ماقبل مابعد کیلئے (جو موجود ہے) معمول نہ ہو۔

(ش) أشار بهذين البيتين إلى القسم الثاني، وهو مايجب فيه الرفع، فيجب رفع الاسم المشتغل عنه إذا وقع بعد أداة تختص بالابتداء، كإذا التي للمفاجأة، فتقول: "خرجت فإذا زيد يضربه عمرو" برفع "زيد" ولايجوز نصبه؛ لأن "إذا" هذه لايقع بعدها الفعل: لاظاهرًا، ولامقدرًا.

وكذلك يجب رفع الاسم السابق إذا ولي الفعل المشتغل بالضمير أداة لايعمل مابعدها فيما قبلها، كأدوات الشرط، والاستفهام، و"ما" النافية، نحو: "زيد إنْ لقيته فاكرمه، وزيد هل تضربه، وزيد مالقيته" فيجب رفع "زيد" في هذه الأمثلة ونحوها، ولايجوز نصبه؛ لأن مالايصلح أن

يعمل فيما قبله لا يصلح أن يفسر عاملا فيما قبله، وإلى هذا أشار بقوله: "كذا إذا الفعل تلا— إلى آخره"

أي: كذلك يجب رفع الاسم السابق إذا تلا الفعل شيئًا لا يرد ما قبله معمولا لما بعده،

ومن أجاز عمل ما بعد هذه الأدوات فيما قبلها، فقال: "زيدا ما لقيت" أجاز النصب مع الضمير بعامل

مقدر، فيقول: "زيدًا ما لقيته"

ترجمہ وتشریح:

مَاأُضمِرَ عَامِلُهٗ کی دوسری قسم:

ان دونوں اشعار سے مصنفؒ نے "ما أضمر عامله على شريطة التفسير" کی دوسری قسم کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں رفع واجب ہے۔

لہٰذا ماقبل والے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے جب وہ اسم ایسے ادات کے بعد آجائے جو ابتداء کے ساتھ خاص ہوں جیسے إذا مفاجاتیہ۔ چنانچہ آپ کہیں گے "خرجتُ فإذا زيدٌ يضربه عمرو" (زید کے رفع کے ساتھ) یہاں زید کو منصوب پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ إذا مفاجاتیہ ایسے ادات میں سے ہے جن کے بعد فعل نہ ظاہراً آتا ہے اور نہ تقدیراً۔

(صاحب منحة الجليل نے یہاں کام کی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مؤلفین کتب نحو اس قسم کو اشتغال (یعنی ما أضمر عامله الخ) میں سے شمار کرنے میں مختلف ہیں ابن حاجب رحمہ اللہ نے تو سرے سے اس کو ذکر ہی نہیں کیا اور ابن ہشام رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اشتغال کے باب سے نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عام کتب میں اشتغال کے باب میں یہ ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ مشغول بہ (جس کی وجہ سے ماقبل اسم میں عمل سے مشغول ہے مثلاً زيدا ضربته میں (ہ) ضمیر مشغول بہ ہے) کا عامل اگر ضمیر سے ہٹ کر اسم سابق (مشغول عنه) پر مسلط ہو جائے تو وہ اس میں عمل کرے چنانچہ اکثر کتابوں میں اس طرح ذکر کیا ہے "بحيث لو سلط عليه هو او مناسبه لنصبه" لیکن اس دوسری قسم پر یہ قاعدہ برابر نہیں آتا مثلاً خرجت فاذا زيدٌ يضربه عمرو" والی پیش کردہ مثال میں اگر یضرب کے بعد آپ ضمیر کو حذف کر کے یضرب کو ماقبل زید پر مسلط کریں (لے آئیں) تو وہ اس میں عمل نہیں کرے گا اسلئے کہ زید (جو کہ متقدم ہے) مرفوع ہے اور یضرب (جو مؤخر ہے) منصوب معمول چاہتا ہے نہ کہ مرفوع۔

البتہ جن حضرات نے اس قسم کو اشتغال کے باب میں شمار کیا ہے انہوں نے اس ضابطہ کی پرواہ نہیں کی، والحق هو الاوّل لما ذکرناه)

وکذلک یجب رفع الاسم السابق الخ:

اسی طرح پہلے والے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے جب فعل مشغل بالضمیر کے ساتھ ایسے ادات آجائیں جن کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا ہو جیسے ادات شرط، ادات استفہام، ما نافیہ (محشی نے اس طرح کی دس قسمیں ذکر کی ہیں) جیسے "زید إن لقیته فاکرمه، زیدٌ هل تضربه، زید مالقیته" ان مثالوں میں زید کو مرفوع پڑھنا واجب ہے منصوب جائز نہیں اس لیے کہ جو ماقبل میں عمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو وہ ماقبل عامل کی تفسیر کی بھی صلاحیت نہیں رکھ سکتا ہے، کذا إذا ما الفعل تلا سے مصنف اسی کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔

بعض ایسے حضرات جنہوں نے اس قسم کے ادات کے مابعد کا ماقبل میں عمل کرنے کو جائز کہا ہے انہوں نے یہاں نصب کو جائز قرار دیا ہے اور اسی کیلئے عامل کو مقدر مانا ہے "لیقول زیدًا مالقیته"

وَاخْتِيرَ نَصْبٌ قَبْلَ فِعْلٍ ذِي طَلَبْ
وَبَعْدَ مَا إِيلاؤُهُ الْفِعْلَ غَلَبْ

وَبَعْدَ عَاطِفٍ بِلاَ فَصْلٍ عَلَى
مَعْمُولِ فِعْلٍ مُسْتَقِرٍّ أَوَّلاَ

ترجمہ:...... اور اسم سابق کا نصب مختار ہے جب وہ طلب والے فعل سے پہلے ہو یا ان ادات کے بعد ہو جن کا فعل کے ساتھ متصل آنا زیادہ ہو، اور اسی طرح اس اسم کا نصب بھی مختار ہے جب وہ واقع ہو ایسے اسم کے بعد جو بغیر فاصلہ کے ایسے فعل کے معمول پر عطف ہو جو پہلے مستقر (موجود) ہو۔

(ش) هذا هو القسم الثالث، وهو ما يختار فيه النصب.

وذلک إذا وقع بعد الاسم فعل دال على طلب — کالأمر، والنهي، والدعاء — نحو: "زیدًا اضربه، وزیدًا لا تضربه، وزیدًا رحمه الله"؛ فیجوز رفع "زید" ونصبه، والمختار النصب.

وکذلک یختار النصب إذاوقع الاسم بعدأداة یغلب أن یلیهاالفعل کهمزة الاستفهام، نحو:" أزیدًا ضربته" بالنصب والرفع،والمختار النصب.

وکذلک یختار النصب إذاوقع الاسم المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة فعلیة ولم یفصل بین العاطف والاسم، نحو:"قام زید وعَمْرًاأکرمته "؟فیجوز رفع "عمرو" ونصبه، والمختار النصب ؛ لتعطف جملة فعلیة علی جملة فعلیة.

فلوفصل بین العاطف والاسم کان الاسم کمالو لم یتقدمه شيء،نحو:"قام زید وأما عمروفأکرمته" فیجوزرفع"عمرو"ونصبه،والمختارالرفع کماسیأتي،وتقول:"قام زید وأما عمرًافأکرمه"فیختار النصب کما تقدم؛لأنه وقع قبل فعل دالٍّ علی طلب.

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے مصنفؒ تیسری قسم کوذکرفرمارہے ہیں جہاں نصب مختار ہے۔یہاں تین جگہیں اس طرح کی ذکر کی ہیں۔

(۱) نصب مختار ہے جب اسم کے بعد ایسافعل ہو جوطلب پر دلالت کرتا ہو جیسے امر نہی (نہی میں نہ کرنے کوطلب کیا جاتا ہے) دُعاء، جیسے "زیدًا اضربه ،زیدًا لا تضربه، زیدًارحمہ اللہ ان میں رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن مختار نصب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں رفع کی صورت میں زید مرفوع بنابرابتداء ہے اور پھر جملہ طلبیہ کے ذریعہ سے مبتدا سے خبر دی جاتی ہے جو کہ خلاف الاصل ہے اس لئے کہ جملہ طلبیہ انشاء ہے اور اس میں صدق اورکذب کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ جملہ خبریہ میں ہوتا ہے، اور رفع جائز اس لئے ہے کہ حضرات نحویین نے اس کو جائز بھی قرار دیا ہے، اس لئے یہاں نصب مختار ہے کہ تا کہ زید مبتدا ہی نہ ہو اور مذکورہ بالا اشکال وارد نہ ہو۔

وکذلک الخ:

اسی طرح جب اسم ایسے ادات کے بعد واقع ہو جن کے بعد اکثر وبیشتر لسان عرب میں فعل ہی آتا ہو جیسے ہمزہ استفہام مثال جیسے "أزیدًااضربته (زید کے رفع اور نصب کے ساتھ' لیکن مختار نصب ہے)

وکذلک الخ:

اسی طرح نصب مختار ہے جب اسم سابق (مشتغل عنہ) ایسے عاطف کے بعد ہو جس سے پہلے جملہ فعلیہ ہو اور عاطف اور اسم میں فاصلہ بھی نہ ہو جیسے "قامَ زیدٌ وعمرًا اکرمته" یہاں اکرمته عمرًا کے بعد واقع ہے اور اس سے پہلے جملہ فعلیہ ہے لہٰذا عمر کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن نصب مختار ہے اسلئے کہ نصب کی صورت میں عمرًا اکرمته جملہ فعلیہ ہو جائے گا اور اس سے پہلے بھی جملہ فعلیہ ہے جو معطوف علیہ ہے لہٰذا جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آ جائے گا جو کہ موافق اصل ہے۔ مصنفؒ کے قول وبعد عاطف بلافصل الخ کا یہی مطلب ہے۔

فلو فصل الخ:

لیکن اگر عاطف اور اس اسم کے درمیان فاصلہ آ جائے تو پھر نصب مختار نہیں اور یہاں ایسا ہوگا گویا اسم سے پہلے کچھ نہیں ہے جیسے " قام زید واَمّا عمرٌو فاکرمته " یہاں عمر اور زید میں امّا کا فاصلہ آیا ہے اس لئے رفع مختار ہے۔ اور قام زیدٌ واَمّا عمرًا فاکرمته یہاں نصب مختار ہے اس لئے کہ یہ ایسے فعل سے پہلے ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے (بایں وجہ کہ اکرم امر کا صیغہ ہے اور امر میں طلب ہوا کرتی ہے)۔

وَإِنْ تَلاالْمَعْطُوفُ فِعْلاً مُخبِرًا
عَنِ اسْمٍ، فَاعْطِفَنْ مُخَيَّرَا

ترجمہ:......اور اگر معطوف ایسے فعل کے بعد آ جائے جس کے ذریعہ سے اسم سے خبر دی جاتی ہو تو آپ عطف کریں اس حال میں کہ آپ کو رفع اور نصب میں اختیار ہے۔

(ش) أشار بقوله:"فاعطفن مخيرا" إلى جواز الأمرين على السواء، وهذا هو الذى تقدم أنه القسم الخامس۔

وضبط النحويون ذلک بأنّه إذا وقَعَ المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة ذات وجهين جاز الرفع والنصب على السواء، وفسروا الجملة ذات الوجهين بأنها جملة: صدرها اسم، وعجزها فعل، نحو:"زيد قام وعمرو أكرمته" فيجوز رفع " عمرو " مراعاة للصدر، ونصبه مراعاة للعجز.

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے قسم خامس کو ذکر کر رہے ہیں (شارح کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق یہ پانچویں قسم ہے۔ اگرچہ ذکر کے اعتبار سے چوتھی ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔

نحویوں نے اس کیلئے ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ جب اسم (مشغل عنه) ایسے عاطف کے بعد آجائے کہ اس سے پہلے ذو وجہین جملہ ہو، یعنی ایسا جملہ کہ اس کا شروع اسم اور آخر فعل ہو تو اس صورت میں رفع اور نصب دونوں علی السّواء جائز ہیں جیسے "زيدٌ قامَ وعمرواً اكرمته" عمرو کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کی صدارت کا لحاظ کرتے ہوئے (اس لئے کہ عمرو زید پر عطف ہو جائے گا زید مرفوع ہے تو عمرو بھی مرفوع ہو جائے گا) اس وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے) اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کے آخر کا لحاظ کرتے ہوئے۔

والرّفعُ في غيرِ الّذي مَرَّ رَجَحْ
فَمَا أُبِيحَ افْعَلْ وَدَعْ مَا لَمْ يُبَحْ

ترجمہ:......ان جگہوں کے علاوہ میں (جن کا ذکر ہو چکا) رفع راجح ہے پس جو مباح ہے
آپ وہ کریں اور غیر مباح کو چھوڑ دیں۔

(ش) هذا هو الذي تقدم أنه القسم الرابع وهو مايجوز فيه الأمران ويختار الرفع، وذلك: كل اسم لم يوجد معه مايوجب نصبه، ولا مايوجب رفعه، ولا مايرجح نصبه، ولا مايجوز فيه الأمرين على السواء، وذلك نحو: "زيد ضربته" فيجوز رفع "زيد" ونصبه، والمختار رفعه؛ لأن عدم الإضمار أرجع من الإضمار.

وزعم بعضهم أنه لا يجوز النصب؛ لما فيه من كلفة الإضمار، وليس بشيء، فقد نقله سيبويه وغيره من أئمة العربية، وهو كثير، وأنشد أبو السعادات ابن الشجري في أماليه على النصب قوله:

۱۵۸ - فَارِساً مَا غَادَرُوهُ مُلْحَماً
غَيْرَ زُمَّيْلٍ وَلاَ نِكْسٍ وَكِلْ

ومنه قوله تعالىٰ: ﴿جناتِ عدنٍ يدخلونها﴾ بكسر تاء "جنات"

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے قسم رابع کو ذکر کر رہے ہیں۔ (ذکر کے اعتبار سے یہ پانچویں قسم ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور رفع مختار ہے اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے ساتھ موجب نصب اور رفع نہ ہوں اور نہ مرجح نصب اور تجویز الامرین والی صورت ہو۔ جیسے ''زید ضربته'' یہاں زید کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی، اور مختار رفع ہے اس لئے کہ (رفع کی صورت میں اضمار نہیں ہوتا اور) اضمار کا نہ ہونا اضمار سے راجح ہے۔

بعض حضرات کے زعم کے مطابق نصب جائز ہی نہیں اس لئے کہ نصب کیلئے اضمار کی مشقت کرنی ہوگی۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ کوئی خاص دلیل نہیں اس لئے کہ اس نصب کو اور اس کے اضمار کو سیبویہ رحمہ اللہ نے ائمہ عربیت سے نقل کیا ہے اور کلام عرب میں یہ کثیر بھی ہے۔ اور ابو السعادات ابن شجری نے اپنے امالی میں نصب کے ساتھ شاعر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

۱۵۸- فَارِسًا مَا غَادَرُوهُ مُلْحَمًا
غَيْرَ زُمَّيْلٍ وَلَا نِكْسٍ وَكِلْ

ترجمہ:...... انہوں نے بہادر آدمی کو (میدان جنگ میں) چھوڑا اس حال میں کہ وہ گھیرا ہوا تھا بزدل اور ایسا کمزور نہیں تھا جو اپنا کام (عاجزی کی وجہ سے) دوسروں کے حوالہ کرتا ہو۔

تشریح المفردات:

(فارسا) کسی بھی شئ پر سوار کو کہا جاتا ہے چاہے گھوڑا ہو، اونٹ یا گدھا ہو۔ بعض کے نزدیک گھوڑا پر سوار ہی کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد بہادر ہے ''ما'' زائد ہے نافیہ نہیں ہے۔ (غادروا) غدر ترک چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ (ملحما) اس کو کہتے ہیں جس کو میدان جنگ میں چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا ہو۔ (زمّیل) زا کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ بزدل (نکس) نون کے کسرہ اور کاف کے سکون کے ساتھ بمعنی ضعیف (وکل) بفتح الواو وکسر الکاف وَكَلَ يكل (ضرب یضرب) سے اسم فاعل ہے وہ آدمی جو عاجز ہونے کی وجہ سے اپنا کام خود نہ کر سکے اور اوروں کے حوالہ کرے، اس صورت میں یہ نکس کیلئے صفت ہے یا بفتح الواو والکاف ماضی کا صیغہ

ہے فعل با فاعل صفت۔

محل استشہاد:

(فـارسًا ماغادروه) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں اسم سابق پر نصب آیا ہے حالانکہ نہ نصب کیلئے موجب موجود ہے اور نہ مرجّح۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "جنّاتِ عَدْنٍ یدخلونَها" جنّات کی تاء کے کسرہ کے ساتھ، یہاں بھی (فـارسًا) کی طرح نہ مرجح نصب ہے اور نہ موجب نصب پھر بھی نصب آیا ہے۔ (اگرچہ بظاہر کسرہ ہے۔ لیکن اس میں جمع مؤنث سالم کا اعراب جاری ہے اور نصب جر کے تابع ہے۔)

وَفَصْلُ مشغُولٍ بِحَرْفِ جَرٍّ
أَوْ بِإِضَافَةٍ كَوَصْلٍ يَجْرِي

ترجمہ:......حرف جر یا اضافت کے ساتھ مشغول کا فاصلہ وصل (بغیر فاصلے والے) کی طرح چلتا ہے (یعنی فاصلہ ہو یا نہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے)

(ش) يعنى أنه لا فرق فى الأحوال الخمسة السابقة بين أن يتصل الضمير بالفعل المشغول به نحو: "زيدضربته" أوينفصل منه: بحرف جر، نحو "زيدمررتُ بهٖ" أوباضافةٍ نحو: "زيدٌ ضربتُ غلامَه أو "غلامَ صَاحبِهٖ" أو "مررت بغلامه، أوبغلام صاحبه]، فيجب النصب فى نحو: "إن زيدًامررت به أكرمك" كَمَايجب فى "إن زيدًا لقيته أكرمك" وكذلك يجب الرفع فى "خرجت فإذازيدمربه عمرو" ويختارالنصب فى "أزيدًامررت به؟" ويختارالرفع فى "زيد مررت به" ويجوزالأمران على السواء فى "زيد قام وعمرو مررت به" وكذلك الحكم فى "زيد [ضربت غلامه، أو] مررت بغلامه".

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتا رہے ہے کہ پانچوں قسموں میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل مشغول بہ کے ساتھ متصل ہو جیسے "زیدٌ ضربتُه" یا حرف جر کی وجہ سے منفصل ہو جیسے "زیدٌ مررتُ به" یا اضافت کی وجہ سے انفصال آیا ہو جیسے "زیدٌ ضربتُ غلامهٗ غلامَ صاحبه" مررتُ بغُلامه" بغُلام صاحبه" الغرض فعل مشغول کے بعد فاصلہ ہو تو بھی اس

کا حکم بغیر فاصلہ والے کی طرح ہے۔الیٰ آخرہ من الامثلة الباقية۔

وَسَوِّ فِي ذَا الْبَابِ وَصْفًا ذَا عَمَلْ

بِالْفِعْلِ إِنْ لَمْ يَكُ مَانِعٌ حَصَلْ

ترجمہ:......اس (اشتغال) کے باب میں عمل کرنے والے وصف کو فعل کے ساتھ احکام میں برابر کردیں اگر کوئی مانع حاصل نہ ہو۔

(ش) يعني أن الوصف العامل في هذا الباب يجري مجرى الفعل فيما تقدم، والمراد بالوصف العامل: اسم الفاعل، واسم المفعول.

واحترز بالوصف مما يعمل عمل الفعل وليس بوصف كاسم الفعل، نحو: "زيد دراكه" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن أسماء الأفعال لا تعمل فيما قبلها؛ فلا تفسر عاملاً فيه.

واحترز بقوله "ذا عمل" من الوصف الذي لا يعمل، كاسم الفاعل إذا كان بمعنى الماضي، نحو: "زيد أنا ضاربه أمس" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن ما لا يعمل لا يفسر عاملاً.

ومثال الوصف العامل "زيد أنا ضاربه: الآن، أو غدًا، والدرهم أنت معطاه" فيجوز نصب "زيد، والدرهم" ورفعهما كما كان يجوز ذلك مع الفعل .

واحترز بقوله: " إن لم يك مانع حصل" عما إذا دخل على الوصف مانع يمنعه من العمل فيما قبله، كما إذا دخلت عليه الألف واللام، نحو: "زيد أنا الضاربه"؛ فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن ما بعد الألف واللام لا يعمل فيما قبلهما؛ فلا يفسر عاملا فيه، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

اشتغال کے باب میں عمل کرنے والے وصف کا حکم بھی فعل کی طرح ہے وصف عامل سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول ہیں۔(وصف) کہکر احتراز کیا اس سے جو فعل کی طرح تو ہو لیکن وصف نہ ہو جیسے اسم فعل، زیدٌ دَرَاكِهِ، یہاں زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے کہ " دَراكِ" اسم فعل ہے اور اسماء افعال ماقبل میں عمل نہیں کرتے تو ماقبل عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتے۔

واحترزبقوله ذاعمل:

وصف عامل کہکر اس وصف سے احتراز کیا جو عامل نہ ہو مثلاً وہ اسم فاعل جو بمعنی ماضی ہو جیسے "زیدٌ أنا ضاربُه أمسِ" یہاں بھی زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے جو عمل نہیں کرتا وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتا۔

وصف عامل کی مثال "زیداً أنا ضاربه الآن، غداً، الدرهم انت معطاه، یہاں زید' درھم کا نصب بھی جائز ہے اور رفع بھی جس طرح فعل کے ہوتے ہوئے نصب ہوتا ہے۔

واحترزبقوله ان لم یک الخ:

"ان لم یک مانع حصل" کہکر احتراز کیا اس وصف سے جس پر کوئی مانع داخل ہو جو وصف کو ماقبل کے اندر عمل سے روکتا ہو بایں طور کہ اس پر الف لام داخل ہو جیسے "زید أنا الضاربه" یہاں زید کا نصب جائز نہیں اس لئے کہ الف لام کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا "فلا یفسّر عاملاً فیه"

وَعُلْقَةٌ حَاصِلَةٌ بِتَابِعِ
كَعُلْقَةٍ بِنَفْسِ الاسمِ الواقعِ

ترجمہ:...... جو علاقہ تابع کے ساتھ حاصل ہے وہ اس علاقہ کی طرح ہے جو نفس اسم کے ساتھ ہے (یعنی تابع کا حکم اور متعلق کا حکم اشتغال کے باب میں ایک ہے مثال سے اس کی وضاحت آرہی ہے۔ انشاء اللہ)

(ش) تقدّم أنه لا فرق فی هذا الباب بین ما اتصل فیه الضمیر بالفعل، نحو: "زیدًا ضربته" وبین ما انفصل بحرف جر، نحو: "زیدًا مررت به"، أو بإضافة، نحو "زیدًا ضربت غلامه"

وذکر فی هذا البیت أن الملابسة بالتابع کالملابسة بالسببی، ومعناه أنه إذا عمل الفعل فی أجنبی، وأتبع بما اشتمل علی ضمیر الاسم السابق -من صفة، نحو: "زیدًا ضربت رجلا یحبه"، أو عطف بیان، نحو: "زیدًا ضربت عمرًا أباه"، أومعطوف بالواو خاصّة نحو: "زیدًا ضربت عمرًا وأخاه"- حصلت الملابسة بذلک کما تحصل -بنفس السّببی، فینزل "زیدًا ضربت رجلا یحبه" منزلة "زیدًا ضربت غلامه"، وکذلک الباقی.

وحاصله أن الأجنبی إذا أتبع بما فیه ضمیر الاسم السابق جری مجری السّببی، واللّٰہ أعلم.

ترجمہ وتشریح:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ اشتغال کے باب میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل کے ساتھ متصل ہو جیسے: زیدًا ضربتُه یا منفصل ہو حرف جر کے ساتھ جیسے "زیدًا مررتُ به" یا اضافت کے ساتھ جیسے "زیدًا ضربتُ غلامَه" یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تابع کے ساتھ ملابست (ملنا، متعلق ہونا) اس طرح ہے گویا اسم کے متعلق کے ساتھ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل جب اجنبی میں عمل کرے اور اس اجنبی کے بعد تابع آ جائے جو اسم سابق کی ضمیر پر مشتمل ہو صفت ہو جیسے زیدًا ضربتُ رجلاً یحبّه (یہاں ضربتُ نے عمل کیا ہے رجلاً میں جو کہ اجنبی ہے اور اس کے بعد یحبّه تابع صفت آیا ہے) یا عطف بیان ہو جیسے زیدًا ضربتُ عمرًا أباه (یہاں ضربتُ نے عمرًا اجنبی میں عمل کیا ہے اور اس کے بعد تابع أباه عطف بیان کی صورت میں آیا ہے) یا عطف بالحرف ہو جیسے زیدًا ضربتُ عمرًا و أخاه، ان تمام صورتوں میں نفس متعلق (جیسے زیدًا ضربتُ غلامَه) کی طرح یہاں بھی ملابست حاصل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ تابع کے آنے کا حکم بھی زیدًا ضربتُ غلامه کی طرح ہے یعنی متعلق اسم کی طرح ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام مثالوں میں (یعنی زیدًا ضربتُ غلامَه، یا زیدًا ضربتُ رجلاً یُحبّه "میں اسم سابق یعنی زید پر مسلط ہونے والا عامل ضربتُ براہ راست نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ مقصود متکلم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں زید کی مضروبیت لازم آتی ہے ہاں اس کا مناسب فعل (مثلاً اهنتُ کو لایا جائیگا۔ فیقال اهنتُ زیدًا ضربتُ غلامه والخ میں نے زید کی توہین کی یعنی میں نے اس کے غلام کو مارا، چنانچہ غلام کو مارنا درحقیقت زید ہی کی توہین ہے۔

وصلتُ الیٰ هذا المقام یوم الثلاثاء

فی ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ فللّٰہ الحمد

تعدّی الفعل ولزومه

عَلامَةُ الفِعلِ المُعَدّى أنْ تَصِلْ
"هَا" غَيرِ مَصْدَرٍ بِهِ نَحوُ "عَمِلْ"

ترجمہ:......فعل متعدّی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ مصدر کے علاوہ کی ہاء متصل ہو جیسے "عَمِلَ" (یہ فعل متعدّی کی مثال ہے)

ش) ينقسم الفعل إلى متعد، ولازم؛ فالمتعدى: هو الذى يصل إلى مفعوله بغير حرف جر، [نحو: ضربت زيدًا] واللازم: ماليس كذلك، وهو: مالا يصل إلى مفعوله إلا بحرف جر نحو: "مررت بزيد" أو لا مفعول له نحو: "قام زيدٌ" ويسمى مايصل إلى مفعوله بنفسه: فعلا متعديا، وواقعًا، ومجاوزًا، وما ليس كذلك يسمى: لازمًا، وقاصرًا، وغير متعدٍّ، و[يسمى] متعديا بحرف جر.

وعلامة الفعل المتعدى: أن تتصل به هاءٌ تعود على غير المصدر، وهى هاء المفعول به، نحو: "الباب أغلقته"

واحترز بهاء غير المصدر من هاء المصدر؛ فإنها تتصل بالمتعدى واللازم؛ فلا تدل على تعدى الفعل؛ فمثال المتصلة بالمتعدى "الضرب ضربته زيدًا" أى ضربت الضرب [زيدًا] ومثال المتصلة باللازم " القيام قمته" أى: قمت القيام.

ترجمہ وتشریح:

فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اوران کی علامتیں:

فعل کی دو قسمیں ہیں، (۱) متعدّی، (۲) لازم

متعدی اس کو کہتے ہیں جو اپنے مفعول تک بغیر واسطہ حرف جر کے پہنچتا ہو جیسے "ضربتُ زيدًا" اور لازم وہ ہے جو اپنے مفعول کی طرف بغیر واسطہ حرف جر کے نہ پہنچتا ہو جیسے "مررتُ بزيدٍ" یا اس کیلئے مفعول ہی نہ ہو جیسے "قَامَ زيدٌ"، فعل متعدی کو متعدی کے علاوہ واقع اور مجاوز بھی کہتے ہیں اور لازم کو قاصر، غیر متعدّی اور متعدی بحرف جر

بھی کہتے ہیں۔

فعل متعدّی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی ہاء متصل ہو جو غیر مصدر کی طرف لوٹتی ہو اور یہ مفعول بہ کی ہاء ہوگی جیسے "الباب اغلقتُه" یہاں اغلَقتُ فعل متعدی ہے اس کے ساتھ ہا ضمیر باب کی طرف لوٹ رہی ہے جو مصدر نہیں ہے۔ ہاء غیر مصدر کہکر ہاء مصدریہ سے احتراز کیا اس لئے کہ یہ فعل لازم ومتعدّی دونوں کے ساتھ آتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل کے متعدّی ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ متصل بالمتعدّی کی مثال" الضربُ ضربتُه زیدًا ای ضربت الضرب زیدًا ، متصل باللازم کی مثال" القیام قمته ای قمت القیام "

فَانْصِبْ بِهِ مَفْعُولَهُ إنْ لَمْ يَنُبْ

عَنْ فَاعِلٍ نَحْوُ تَدَبَّرْتُ الكُتُبْ

ترجمہ:...... پس آپ فعل متعدّی کے ذریعہ سے اس کے مفعول کو نصب دیدیں اگر وہ مفعول فاعل سے نائب ہو۔

(ش) شأن الفعل المتعدى أن ينصب مفعوله إن لم ينب عن فاعله نحو: "تدبرت الكتب" فإن ناب عنه وجب رفعه كَمَا تقدم، نحو:" تدبرت الكتب"

وقد يرفع المفعول وينصب الفاعل عندأمن اللبس، كقولهم: "خَرَقَ الثوب المسمار" ولا ينقاس ذلك، بل يقتصر فيه على السماع.

والأفعال المتعدية على ثلاثة أقسام:

أحدها: مايتعدى إلى مفعولين، وهى قسمان؛ أحدهما: ما أصل المفعولين فيه المبتدأو الخبر، كظن وأخواتها، والثانى: ماليس أصلهماذلك، كأعطى وكسا.

والقسم الثانى: مايتعدى إلى ثلاثة مفاعيل، كأعلم وأرى.

والقسم الثالث: مايتعدى إلى مفعول واحد، كضرب، ونحوه.

ترجمہ وتشریح:

فعل متعدی کا عمل:

فعل متعدی اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے اگر وہ مفعول فاعل سے نائب نہ ہو جیسے تَدَبَّرْتُ الکتبَ (میں نے کتابوں میں غور وفکر کیا)

اگر مفعول فاعل سے نائب ہو کر آئے تو اس کا مرفوع پڑھنا ضروری ہے جیسے تُدُبِّرَتُ الکتب۔

اگر التباس کا خطرہ نہ ہو تو مفعول کو رفع اور فاعل کو نصب بھی دے سکتے ہیں جیسے یہ قول "خرَقَ الثوبُ المسمارَ" لیکن یہ قیاسی نہیں بلکہ اس میں سماع پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فعل متعدی کی قسمیں

جو افعال متعدّی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱:......دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوں پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس میں دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر، ہوں جیسے ظنَّ اور اس کے اخوات (مثلاً ظننتُ زیدًا قائمًا میں زیدا اور قائم اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر تھے۔ چنانچہ "زیدٌ قائمٌ" کہا جاتا تھا) دوسری قسم جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہ ہوں جیسے اعطیٰ اور کَسَا کا باب (مثلاً اعطیٰ زیدٌ جُبَّةً میں زیدٌ جبةٌ نہیں کہہ سکتے)

۲:......تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوں جیسے "اَعلَمَ اَریٰ"۔

۳:......ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں جیسے ضَرَبَ وغیرہ۔

وَلاَزِمٌ غیرُ المُعَدّی، وَحُتِمَ
لُزومُ افعالَ السَّجایا کَنَهِمَ

کَذا افعَلَلَّ، وَالمُضاهِی اقْعَنْسَسَا
وَمَا اقْتَضَى: نَظافَةً، اَوْ دَنَسَا

اَوْ عَرَضًا، اَوْ طاوَعَ المُعَدّی
لِواحِدٍ، کَمَدَّهُ فَامْتَدَّا

ترجمہ:...... اور لازم فعل وہ ہے جو متعدّی کے علاوہ ہو اور طبیعت پر دلالت کرنے والے افعال کو لازم بنانا یقین ہے جیسے نَہِمَ، اسی طرح افعللّ اور جو اقعَنسَسَ کے مشابہ ہو یا جو نظافت اور دناست (میلا پن) کا تقاضا کرتا ہو یا عرض کا (عرض یہاں ذات کے مقابلہ میں ہے) اور وہ جو ایک مفعول کی طرف متعدّی ہونے والے کا مطاوع ہو جیسے مَدّہ فامتدّا (یہاں امتدّ فعل لازم ہے اور مطاوع ہے مَدّ کیلئے جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدّی ہے)

(ش) اللازم: هو ما ليس بمتعد، وهو: ما لا يتصل به هاء [ضمير] غير المصدر، ويتحتم اللزوم لكل فعل دال على سجية —وهي الطبيعة— نحو: "شرف، وكرم، وظرف، ونهم" وكذا كل فعل على ون أفعلل، نحو: "اقشعر، واطمأن" أو على وزن افعنلل، نحو: "اقعنسس، واحرنجم" أو دلَّ على نظافة كـ "طهر الثوب، ونظف" أو على دنس كـ "دنس الثوب، ووسخ" أو دل على عرض نحو: "مرض زيد، واحمر" أو كان مطاوعًا لِمَا تعدى إلى مفعول واحد نحو: "مددت الحديد فامتد، ودحرجت زيدًا فتدحرج"

واحترز بقوله: "لواحد" مما طاوع المتعدى إلى اثنين؛ فإنه لا يكون لازمًا، بل يكون متعديًا إلى مفعول واحدٍ، نحو: "فهمت زيدًا المسألة ففهمها وعلمته النحو فتعلّمه"

لازمی افعال:

فعل لازم وہ ہے جو متعدّی نہ ہو یعنی اس کے ساتھ غیر مصدر کی ہاءِ ضمیر متصل نہ ہو۔ لزوم ان تمام افعال میں آتا ہے جو طبیعت پر دلالت کرتے ہوں جیسے ظرُفَ، شرُفَ، کرُمَ، ظرُفَ، نَہِمَ، کہ یہ سارے افعال (شرافت ظرافت) طبیعت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر وہ فعل جو افْعَلَلَّ کے وزن پر ہو جیسے اقشَعَرَّ، اطمأنَّ یا افْعَنلَلَ کے وزن پر ہو جیسے إقْعَنْسَسَ، احرنجم، یا نظافت پر دلالت کرتا ہو جیسے "طَهُرَ الثوب ونظُفَ" یا میلا پن پر جیسے "دَنِسَ الثوبُ ووسِخَ، یا عرض" (قائم بالغیر) پر جیسے مَرِضَ زیدٌ، احمَرَّ۔ یا وہ مطاوع ہو اس مفعول کا جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدّی ہو جیسے مَدَدتُ الحدِیْدَ فامتدّ، دَحرَجتُ زیدًا فتدحرَجَ ایسے تمام افعال لازم ہوتے ہیں۔

واحترز بقوله الخ:

(لِــوَاحِــدٍ) کہکر اس فعل سے احتراز کیا جو دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہونے والے فعل کا مطاوع ہو اس صورت میں فعل لازی نہیں ہوگا بلکہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے فَهَّـمْتُ زيدًا المسالة ففهمَهَا، علَّمْتُه النحو فتعلَّم.

فائدہ:...... عبارت میں بعض مشکل الفاظ کے معانی یہ ہیں۔

(نهـم)(س) ونهـم نَهَـمًـا ونهـامة في الاكل کھانے میں حریص ہونا فلان فـي الشيء مشتاق ہونا۔ (ظرف) ظـرفـا وظـرافة از کرم ، دانا اور خوش شکل ہونا، ذہین ہونا، ماہر ہونا، صفت ظریف جمع ظرفاء مؤنث ظریفة ۔(اقشعر جلده) لرزنا، سکڑنا، سخت کھردرا ہونا، رنگ متغیر ہونا، صفت مقشعرّ (اقعنسَسَ) پیدائشی طور پر سینہ آگے کو نکلا ہوا اور پیٹھ اندر کو جھکی ہوئی ہونا، یہ حَـدَب (کبڑاپن) کے برخلاف ہے۔(احْـرنـجـم) القـوم والابل اکٹھا ہونا (دحْرَجَ لڑھکانا، تَدَحْرَجَ لڑھکنا)

وَعَــدِّ لازِمًــا بِــحَــرْفِ جَــرِّ
وَإِنْ حُـذِف فَــالـنَّـصْـبُ لِـلْـمُـنْـجَـرِّ
نَــقْلاً، وَفِــي أنَّ وَأَنْ يَــطَّــرِدُ
مَــعَ أمْــنِ لبْــسٍ كَــعَــجِبْــتُ أن يَــدُوا

ترجمہ:...... آپ فعل لازم کو حرف جر کے ساتھ متعدّی کریں اور اگر حرف جر کو حذف کیا گیا ہو تو منجر (جس پر جر داخل ہے) کے لئے نصب ہے سماعًا اور أنَّ اور أنْ میں حذف قیاسی ہے جب التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے عجبتُ أن يدُوا۔

ش) تـقـدَّمَ أن الـفـعـل المتعدّى يصل إلى مفعوله بنفسه، وذكرهنا أن الفعل اللازم يصل إلى مفعوله بحـرف جـر، نـحـو: "مـررت بزيدٍ" وقديحذف حرف الجرفيصل إلى مفعوله بنفسه، نحو: "مررت زيدًا" قال الشاعر:

١٥٩-تَمُرُّوْنَ الدِّيَارَ وَلَمْ تَعُوجُوا
كَلامُكُم عَلَيَّ اذًا حَرَامُ

أى:تمرّون بالديار،ومذهب الجمهورأنه لاينقاس حذف حرف الجرمع غير"أن"و"أن" بل يقتصرفيه على السماع،وذهب[أبوالحسن على بن سليمان البغدادى وهو]الأخفش الصغيرإلى أنه يجوزالحذف مع غيرهماقياسًا،بشرط تعين الحرف،ومكان الحذف، نحو:"بريت القلم بالسكين" فيجوزعنده حذف الباء؛فتقول:"بريت القلم السكين"فإن لم يتعين الحرف لم يجزالحذف، نحو:"رغبت فى زيد"فلا يجوزحذف "فى"؛لأنه لايدرى حينئذ:هل التقدير:"رغبت عن زيد" أو" فى زيد"وكذلك إن لم يتعين مكان الحذف لم يجز،نحو:اخترت القوم من بنى تميم" فلا يجوزالحذف؛ فلا تقول:"اخترت القوم بنى تميم"؛إذلايدرى:هل الأصل"اخترت القوم من بنى تميم " أو"اخترت من القوم بنى تميم"

وأما"أنّ،وأن"فيجوزحذف حرف الجرمعهماقياسًامطردًا، بشرط أمن اللبس، كقولك: "عجبت أن يدوا"والأصل"عجبت من أن يدوا"أى:من أن يعطوا الدية، ومثال ذلك مع أن-بالتشديد -"عجبت من أنّك قائم"فيجوزحذف"من" فتقول:"عجبت أنّك قائمٌ ؛فإن حصل لبس لم يجزالحذف،نحو:"رغبت فى أن تقوم"أو"[رغبت]فى أنك قائم"فلا يجوزحذف"فى"لا حتمال أن يكون المحذوف"عن"فيحصل اللبس.

واختلف فى محل" أن،وأن" عندحذف حرف الجر-فذهب الأخفش إلى أنهمافى محل جر،وذهب الكسائى إلى أنهما فى محل نصب،وذهب سيبويه إلى تجويزالوجهين.

وحاصله:أن الفعل اللازم يصل إلى المفعول بحرف الجر،ثم إن كان المجرورغير"أنّ، وأن"لم يجزحذف حرف الجرإلاسماعًا،وإن كان"أن،وأن"جاز [ذلك]قياسًا عندأمن اللبس، وهذاهوالصحيح.

ترجمہ وتشریح:

کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہو جاتا ہے:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ فعل متعدی اپنے مفعول کی طرف براہ راست پہنچتا ہے اور یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ فعل لازم بواسطہ حرف جر اپنے مفعول کی طرف پہنچتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِزَیدٍ، کبھی اس فعل لازم میں حرف جر حذف بھی ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۹ — تَمُرُّوْنَ الدِّیَارَ وَلَمْ تَعُوْجُوا
کَلَامُکُمْ عَلَیَّ اذًا حَرَامُ

ترجمہ:..... تم لوگ میرے محبوب کے گھروں پر گزرتے ہو اور اندر نہیں جاتے (اگر آئندہ اس طرح کیا تو) تم سے بات کرنا میرے اوپر حرام ہے۔

تشریح المفردات:

(الدیار) شاعر کے محبوب کے گھر مراد ہیں' یہاں شاعر دوران سفر اپنے ساتھیوں سے گلہ شکوہ کر رہا ہے کہ میرے محبوب کے گھر پر جب سب کا گزر ہوتا ہے تو تم وہاں ٹھہرتے نہیں حالانکہ ٹھہرنا چاہیے کہ یہی ساتھی ہونے کا حق ہے۔

(لم تعوجوا) عاج یعوج نصر سے ٹھہرنا، عاج بمکان کذا، نیز داخل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

محل استشہاد:

(تمرّون الدیار) محل استشہاد ہے یہاں (تمرّون) فعل لازم بلا واسطہ حرف جر (الدیار) مفعول کی طرف متعدی ہوا ہے۔

ومذهب الجمهور (فعل لازم پر داخل حرف جر کے حذف کرنے میں شارح کی عبارت کی تقدیم تاخیر کرکے وضاحت کی جاتی ہے) اس پر تو اتفاق ہے کہ جب انّ حرف مشبہ بالفعل اور اَن مصدریہ اپنے مابعد کے جملہ کو مصدر کی تاویل میں کر دے تو ان پر داخل حرف جر کو حذف کرنا قیاسی ہے۔ بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے "عجبت أن یدوا" اصل میں تھا "عجبت من أن یدوا ای من أن یعطوا الدیة" اور أنّ کی مثال عجبت من أنک

قائمٌ یہاں دونوں میں حرف جر مِنْ کو حذف کرنا جائز ہے اگر التباس آرہا ہو تو حذف جائز نہیں جیسے "رَغِبتُ فی أنْ تقوم، رَغَبْتُ فی انّک قائم" یہاں فی کا حذف جائز نہیں اس لئے کہ احتمال ہوگا کہ شاید یہاں "عَنْ" کو حذف کیا گیا ہے (فی کی صورت میں بمعنی رغبت اور عَنْ کی صورت میں بمعنی اعراض)

اور جب أنّ اور أن سے حرف جر کو حذف کیا جائے تو اس کے محل میں اعراب کے اعتبار سے اختلاف ہے اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محلاً مجرور ہونگے ان کی دلیل عرب سے سماع ہے۔

چنانچہ مشہور شاعر فرزدق عبدالمطلب بن عبداللہ مخزومی کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَمَــــا زُرْتُ لیــلــیٰ أنْ تــکُــونَ حبیبۃً

إلــیَّ وَلَادَیْــنٍ بِهَـــا أنَــاطَــالِبُــه

یہاں فرزدق نے من کو حذف کیا ہے ای من أن تکون حبیبۃً اور (لادین) اسی پر عطف ہے ای ولا من دینٍ، دینٍ کا مجرور ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ أن تــکــون بھی محلاً مجرور ہے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

اور کسائی رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ یہ محلاً منصوب ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف جر ضعیف عامل ہے اس کی علامت یہ ہے کہ یہ ایک ہی نوع (اسم) کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف عامل اس وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول کمزور ہو حذف کی صورت میں عمل نہیں کرتا، اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں دونوں صحیح ہیں یعنی محلاً منصوب ہونا یا محلاً مجرور ہونا۔

أنّ اور أنْ کے علاوہ حرف جر کے حذف کرنے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ میں حرف جر کو حذف کرنا قیاسی نہیں ہے بلکہ سماع پر موقوف ہے۔ اور ابوالحسن علی بن سلیمان البغدادی (جو کہ اخفش صغیر ہیں، واضح رہے کہ حاشیۃ الخضری میں ہے کہ یہاں شارح کو صغیر کے بجائے اصغر کہنا چاہئے تھا اس لئے کہ علی بن سلیمان اخفش اصغر ہیں جو امام ثعلبؒ اور مبردؒ کے شاگرد گزرے ہیں۔ اور اخفش صغیر دوسرے ہیں جن کا نام ابوالحسن سعید بن مسعدۃ ہے۔ اخفش کے نام سے گیارہ حضرات گزرے ہیں جس طرح کہ پہلے مقدمۃ النحو میں گزر گیا پہلی جلد کے شروع میں ملاحظہ فرمالیں) فرماتے ہیں کہ ان دونوں (أنّ اور أنْ) کے علاوہ بھی حرف جر کا حذف کرنا قیاسی ہے لیکن اس کیلئے دو شرطیں ہیں۔

(۱)......اوّل یہ کہ حذف ہونے والا حرف متعیّن ہو۔

(۲)......دوم یہ کہ حذف کا مکان متعیّن ہو جیسے "بَرَیۡتُ القَلَمَ بالسکین" (میں نے قلم کو چھری سے تراشا) یہاں باء کو حذف کر کے بَرَیۡتُ القلمَ السکین کہہ سکتے ہیں لیکن اگر حرف متعیّن نہ ہو تو پھر حذف جائز نہیں جیسے "رَغبتُ فی زیدٍ" یہاں فی کا حذف جائز نہیں۔ اس لئے کہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں عبارت میں (فی) حذف ہے یا عَنۡ حذف ہے۔ (فی کی صورت میں رغبت کا اور عن کی صورت میں اعراض کا معنی ہوگا)

اسی طرح اگر حذف کا مکان متعیّن نہ ہو پھر بھی حذف حرف جر کا جائز نہیں جیسے "اخترتُ القوم من بنی تمیم، یہاں حذف کر کے اخترتُ القوم بنی تمیم نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ پتہ نہیں چلے گا کہ اصل میں اخترتُ القوم من بنی تمیم تھا یا اخترتُ من القوم بنی تمیم تھا (پہلے میں معنی ہوگا میں نے بنو تمیم سے قوم کو پسند کیا اور دوسرے میں معنی ہوگا میں نے قوم سے بنو تمیم کو پسند کیا) وبینھما فرق کثیر۔

خلاصہ:

شارح کی پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ فعل لازم اپنے مفعول کی طرف حرف جر کے ذریعہ متعدّی ہوتا ہے اب اگر مجرور انّ یا اَنۡ ہے تو التباس نہ ہونے کی صورت میں حرف جر کا حذف قیاسًا جائز ہے اور اگر انّ اور اَنۡ کے بغیر ہے تو پھر حرف جر کا حذف جائز نہیں مگر سماعًا۔ وھذا ھو الصحیح۔

وَالاصلُ سَبۡقُ فَاعِلٍ معنیً کَمَنۡ
مِنۡ "اَلۡبِسَنۡ مَنۡ زَارَکُمۡ نَسۡجَ الیَمَنۡ

ترجمہ:......اصل یہ ہے کہ (دو مفعولوں میں سے) اس کو مقدم کیا جائے گا جو معنی کے اعتبار سے فاعل (لینے والا) ہو جیسے "اَلۡبِسَنۡ مَنۡ زَارَکُمۡ نَسۡجَ الیَمَنۡ میں مَنۡ کو مقدم کیا جائے گا۔ ترجمہ پہنا دو اس کو جو تمہاری زیارت کرے یمن کا بنا ہوا کپڑا۔ یہاں چونکہ کپڑا پہننے والا زائر ہی ہے لہٰذا اس کو پہلے ذکر کیا جائے اور نسج الیمن مفعول ثانی کو بعد میں)

(ش) إذا تعدى الفعل إلى مفعولين الثاني منهما ليس خبرًا في الأصل؛ فالأصل تقديم ما هو فاعل في المعنى، نحو: "أعطيت زيدًا درهمًا" فالأصل تقديم "زيد" على "درهم" لأنه فاعل في المعنى؛ لأنه الآخذ للدرهم، وكذا "كسوت زيدًا جبة" و "ألبسن من زاركم نسج اليمن" ف "من": مفعول أول، و "نسج": مفعول ثان، والأصل تقديم "من" على "نسج اليمن" لأنه اللابس، ويجوز تقديم ما ليس فاعلا معنًى، لكنه خلاف الأصل.

ترجمہ وتشریح:

جو معنی فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہو تو اس صورت میں اس مفعول کو مقدم کیا جائے گا جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہو جیسے "اعطیتُ زیدًا درهمًا" یہاں زید کو درھم پر مقدم کیا جائیگا اس لئے کہ زید درھم کو لینے والا ہے اسی طرح "کَسوْتُ زیدًا جُبَّةً" البسَنْ مَنْ زارکُم نَسْجَ الیمن میں بھی ہے۔ کبھی اس مفعول کو بھی مقدم کیا جا سکتا ہے جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہوتا لیکن یہ اصل کے خلاف ہے۔

وَيَلْزَمُ الاصلُ لِمُوجِبٍ عَرَى
وَتَرْكُ ذاكَ الأصلِ حتمًا قَدْ يُرَى

ترجمہ:......اور (مذکورہ بالا) اصل لازم ہوتی ہے کسی واجب کرنے والی دلیل کی وجہ سے جو موجود ہو، اور کبھی اس اصل کو یقینی طور پر چھوڑا بھی جاتا ہے (عَرٰی بمعنی نَزَلَ وَ بَعُدَ کے ہیں)

(ش) أي: يلزم الأصل -وهو تقديم الفاعل في المعنى- إذا طرأ ما يوجب ذلك، وهو خوف اللبس، نحو: "أعطيت زيدًا عمرًا" فيجب تقديم الآخذ منهما، ولا يجوز تقديم غيره؛ لأجل اللبس؛ إذ يحتمل أن يكون هو الفاعل.

وقد يجب تقديم ما ليس فاعلاً في المعنى، وتأخير ما هو فاعل في المعنى، نحو: "أعطيت الدرهم صاحبه" فلا يجوز تقديم صاحبه وإن كان فاعلا في المعنى؛ فلا تقول: "أعطيت صاحبه

الدرهم" لئلا يعود الضمير على متأخر لفظاً ورتبة [وهو ممتنع] واللّٰه اعلم.

ترجمہ وتشریح:

پہلے گزر گیا کہ اصل یہی ہے کہ دو مفعولوں میں سے جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوگا اسی کو مقدم کیا جائے گا اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس اصل پر بعض مرتبہ عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب التباس کا خطرہ ہو جیسے "أعطيتُ زيدًا عمرًا" یہاں زید اور عمرو دونوں میں آخذ کی صلاحیت ہے تو جس کو معنی کے اعتبار سے فاعل بنانا ہو تو اس کی تقدیم ضروری ہے تا کہ التباس نہ آئے۔

اور کبھی اس کے برعکس معنیً فاعل کو مؤخر کیا جائے گا وجوبًا جیسے "أعطيتُ الدّرهمَ صَاحبَه" یہاں اگرچہ صاحب معنی کے اعتبار سے فاعل ہے لیکن پھر بھی اس کی تقدیم صحیح نہیں ورنہ تقدیم کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً اور رتبةً جو کہ جائز نہیں۔

وَحَذْفَ فُضْلَةٍ أَجِزْ، إِنْ لَمْ يَضُرْ

كَحَذْفِ مَا سِيقَ جَوَابًا أَوْ حُصِرْ

ترجمہ:...... فضلہ (مفعول بہ) کے حذف کو جائز قرار دیں اگر ضرر نہ ہو جس طرح اس مفعول بہ کا حذف جو جواب کیلئے چلایا گیا ہو یا وہ محصور ہو۔

(ش) الفضلة: خلاف العمدة، والعمدة: مالايستغنى عنه كالفاعل، والفضلة: مايمكن الاستغناء عنه كالمفعول به؛ فيجوز حذف الفُضْلَة أن لم يضر، كقولك في "ضربت زيدًا" "ضربت" بحذف المفعول به، وكقولك في "أعطيت زيدًا درهمًا": "أعطيت" ومنه قوله تعالىٰ: ﴿فأمّا من أعطى واتقى﴾، و"أعطيت"، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿ولسوف يعطيك ربك فترضى﴾، و"أعطيت درهمًا، قيل: ومنه قوله تعالىٰ: ﴿حتى يعطوا الجزية﴾ التقدير – واللّٰه اعلم – حتى يعطوكم الجزية.

فإن ضر حذف الفضلة لم يجز حذفها، كما إذا وقع المفعول به في جواب سؤالٍ، نحو أن يقال: "من ضربت" فتقول: "ضربت زيدًا" أو وقع محصورًا، نحو "ماضربت إلا زيدًا" فلايجوز حذف "زيدًا" في الموضعين؛ إذ لا يحصل في الأول الجواب، ويبقى الكلام في الثاني دالاعلى نفي

الضرب مطلقًا، والمقصود نفيه عن غير "زيد" فلا يفهم المقصود عند حذفه.

ترجمہ وتشریح:

فضلہ کا حذف جائز ہے:

فضلہ وہ ہے جو عمدہ کے بر خلاف ہو، اور اس سے استغناء (بے احتیاجی) ممکن ہو جیسے مفعول بہ اور عمدہ وہ ہے جس سے استغناء ممکن نہ ہو جیسے فاعل۔

لہٰذا عمدہ کا حذف جائز نہیں اور فضلہ کا حذف جائز ہے اگر ضرر نہ ہو جیسے " ضَرَبْتُ زیدًا " میں "ضربتُ" کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح "اعطیتُ زیدًا درهمًا" میں بھی "اعطیت درهمًا " کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى" یہاں مفعول ثانی حذف ہے، اعطیت درهمًا بھی کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " حتّٰى يُعطُوا الجزيَةَ ، اى حتّٰى يُعطوكُم الجزيَةَ ۔

اگر فضلہ کا حذف مضر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں۔ مثلاً جب مفعول بہ سوال کے جواب میں واقع ہو جیسے مَنْ ضَرَبْتَ کے جواب میں "ضربتُ زیدًا" کہا جائے گا یا محصور واقع ہو جیسے "مَاضَرَبْتُ الازیدًا" یہاں دونوں جگہوں میں زید کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ اگر پہلی مثال میں حذف ہو تو جواب حاصل نہیں ہوتا (اس لئے کہ سائل مضروب (جو کہ مفعول بہ ہے) ہی کے بارے میں سوال کر رہا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا، اور دوسری مثال میں حذف اس لئے صحیح نہیں کہ مقصود زید کے علاوہ اوروں سے ضرب کی نفی ہے حذف کی صورت میں مطلقاً ضرب کی نفی ہوگی۔

وَيُحْذَفُ النَّاصِبُهَا، إنْ عُلِمَا
وَقَدْ يَكُونُ حَذْفُهُ مُلْتَزَمَا

ترجمہ:......فضلہ کے ناصب کو حذف کیا جاتا ہے جب معلوم ہو اور کبھی اس کا حذف لازم ہوتا ہے۔

(ش) يجوز حذف ناصب الفضلة إذا دل عليه دليل، نحو أن يقال : "من ضربت؟" فتقول: "زيدًا" التقدير: "ضربت زيدًا" فحذف "ضربت"؛ لدلالة ما قبله عليه، وهذا الحذف جائز، وقد يكون

واجبًا كما تقدم في باب الاشتغال، نحو: "زيدًا ضربته" التقدير: "ضربت زيدًا ضربته" فحذف "ضربت" وجوبا كما تقدم، والله اعلم.

ترجمہ وتشریح:

فضلہ یعنی مفعول بہ کے ناصب کا حذف جائز ہے جب اس پر دلیل دلالت کرے مثلاً سوال کیا جائے "مَنْ ضَرَبْتَ" اور جواب میں کہا جائے زیدًا چونکہ سوال میں فعل (ناصب) کا ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں۔ اور یہ حذف جائز ہے لیکن کبھی اس کا حذف واجب بھی ہوتا ہے جس طرح اشتغال کے باب میں گزر گیا جیسے "زیدًا ضربتُه" تقدیر عبارت "ضربت زیدًا ضربته" ہے ضربتُ اوّل کو حذف کیا وجوبًا تا کہ مفسَّر اور مفسِّر کے درمیان جمع لازم نہ آئے۔ کَمَا تَقَدَّمَ. والله اعلم۔

وصلت الیٰ هذا المقام فی ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

التنازع فی العَمَل

دوفعلوں کاعمل میں تنازع کرنا

إنْ عَامِلاَنِ اقْتَضَيَا فِي اسْمٍ عَمَلْ
قَبْلُ فَلِلْوَاحِدِ مِنْهُمَا الْعَمَلْ
وَالثَّانِ أَوْلَى عِنْدَ أَهْلِ الْبَصْرَةْ
وَاخْتَارَ عَكْسًا غَيْرُهُمْ ذَا أُسْرَةْ

ترجمہ:......اگر دو عامل ایک اسم میں عمل کرنا چاہیں اس حال میں کہ وہ عامل پہلے ہوں تو ان میں سے ایک کے لئے عمل ہوگا اور دوسرے کو عمل دینا بصرہ والوں کے ہاں اولیٰ ہے اور دیگر حضرات (کوفیین) نے عکس کو پسند کیا ہے (یعنی ان کے ہاں پہلے کو عمل دینا چاہئے) جو کہ قوت والے ہیں۔ (أسرة) ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ قوت کو کہتے ہیں اور اصل کے اعتبار سے مضبوط زرہ، خاندان کو کہا جاتا ہے، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اس کے معنی قوی جماعت کے ہیں)

(ش) التنازع عبارة عن: توجه عاملين إلى معمول واحد، نحو: "ضربت وأكرمت زيدًا" فكل واحد من "ضربت" و "اكرمت" يطلب "زيدًا" بالمفعولية، وهذا معنى قوله: "إن عاملان — إلى اخره".

وقوله: "قبل" معناه أن العاملين يكونان قبل المعمول كمامثلنا، ومقتضاه أنه لو تأخر العاملان لم تكن المسألة من باب التنازع.

وقوله: "فللواحد منهما العمل" معناه أن أحد العاملين يعمل في ذلك الاسم الظاهر والآخر يهمل عنه ويعمل في ضميره، كماسيذكره.

ولا خلاف بين البصريين والكوفيين أنه يجوز إعمال كل واحد من العاملين في ذلك الاسم الظاهر، ولكن اختلفوا في الأولى منهما.

فذهب البصریون إلی أن الثانی أولی به؛ لقربه منه.

وذهب الکوفیون إلی أن الأول أولی به؛ لتقدمه.

ترجمہ وتشریح:

تنازع کی بحث:

یہاں سے تنازع الفعلین کو ذکر کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ تنازع سے یہاں حقیقی جھگڑا مراد نہیں جو ذوی العقول میں ہوتا ہے بلکہ مراد دو عاملوں کا ایک معمول کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ہدایۃ النحو و دیگر کتابوں میں تنازع کی چار صورتیں عموماً ذکر کی جاتی ہیں۔

۱:......دونوں کا تنازع فاعلیت میں ہو یعنی ہر ایک اس اسم ظاہر کو اپنے لئے فاعل بناتا ہو۔

۲:......مفعولیت میں ہو۔

۳:......ایک اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول چاہتا ہوں۔

۴:......تیسری صورت کے برعکس۔

(قبل) کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ تنازع تب ہوگا جب دونوں عامل معمول سے پہلے ہوں مثلاً ضربتُ واکرمتُ زیدًا، اگر عامل مؤخر ہوں تو تنازع کے باب سے نہیں ہوگا۔

(فللواحد منهما العمل) اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عاملوں میں سے صرف ایک اس اسم ظاہر میں عمل کرے گا اور دوسرا اس اسم ظاہر سے مہمل ہوگا اور پہلے اسم ظاہر کی ضمیر میں عمل کرے گا۔ (واضح رہے کہ آگے کی پوری بحث میں اہمال کا لفظ بار بار آئے گا جس کا مطلب مہمل ہونا یعنی عمل نہ کرنا ہے اور اعمال کا مطلب عمل دینا ہے)۔

تنازع میں اختلاف کی پوری تفصیل

بصریین اور کوفیین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دونوں کو عمل دینا جائز ہے البتہ اولویت میں اختلاف ہے بصریین فرماتے ہیں کہ دوسرے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے اسلئے کہ وہ معمول کے قریب ہے۔

اور کوفیین فرماتے ہیں کہ پہلے کو عمل دینا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذکر کے اعتبار سے مقدم ہے " والفضل للمتقدّم" اور عرب سے سماع بھی دونوں پر وارد ہے۔

وَأَعْمِلِ الْمُهْمَلَ فِي ضَمِيرِ مَا

تَنَازَعَاهُ وَالْتَزِمْ مَا الْتُزِمَا

كَيُحْسِنَانِ وَيُسِيءُ ابْنَاكَا

وَقَدْ بَغَى وَاعْتَدَيَا عَبْدَاكَا

ترجمہ:...... جو فعل مہمل ہے (یعنی اس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) اس کو آپ عمل دیں اس اسم کی ضمیر جس میں ان دونوں نے تنازع کیا ہے اور جو لازم کیا گیا ہے اس کو آپ لازم کریں جیسے یحسنان ویسیء ابناک، بغی واعتدیا عبداک (یہاں ابناک، عبداک میں دونوں فعلوں کا تنازع ہے ہر ایک اس کو اپنے لئے فاعل بناتا ہے۔ ترجمہ اچھائی کرتے ہیں اور برائی کرتے ہیں تمہارے دونوں بیٹے۔ بغاوت اور تجاوز کیا تمہارے دونوں غلاموں نے)

(ش) أي: إذا أعملت أحد العاملين في الظاهر وأهملت الآخر عنه، فأعمل المهمل في ضمير الظاهر، والتزم الإضمار إن كان مطلوب العامل مما يلزم ذكره ولا يجوز حذفه، كالفاعل، وذلك كقولك: "يحسن ويسيء ابناك" فكل واحد من "يحسن" و"يسيء" يطلب "ابناك" بالفاعلية، فإن أعملت الثاني وجب أن تضمر في الأول فاعله، فتقول "يحسنان ويسيء ابناك" وكذلك إن أعملت الأول وجب الإضمار في الثاني، فتقول: "يحسن ويسيئان ابناك" ومثله "بغى واعتديا عبداك" وإن أعملت الثاني في هذا المثال قلت: "بغيا واعتدى عبداك" ولا يجوز ترك الإضمار، فلا تقول "يحسن ويسيء ابناك" ولا "بغى واعتدى عبداك" لأن تركه يؤدي إلى حذف الفاعل، والفاعل ملتزم الذكر، وأجاز الكسائي ذلك على الحذف، بناء على مذهبه في جواز حذف الفاعل، وأجازه الفراء على توجه العاملين معًا إلى الاسم الظاهر، وهذا بناء منهما على منع الإضمار في الأول عند إعمال الثاني؛ فلا تقول: "يحسنان ويسيء ابناك"، وهذا الذي ذكرناه عنهما هو المشهور من مذهبهما في هذه المسألة.

ترجمہ وتشریح:

(ہدایۃ النحو وغیرہ میں بصریین اور کوفیین کے مسلک کی وضاحت اور رفع تنازع کو الگ الگ واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے یہاں دونوں فعلوں کے تنازع اور اس کے دفع کرنے کو ساتھ ساتھ ذکر کر رہے ہیں غالباً ماتن اور شارح کا طریقہ قریب الی الفہم ہے)

متن کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب آپ دو عاملوں میں سے ایک کو اسم ظاہر میں عمل دیں اور دوسرے کو عمل نہ دیں اور اس کو مہمل چھوڑ دیں تو اس صورت میں جس کو عمل دے دیا گیا وہ تو صحیح ہے۔ اور جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا تو اس کو آپ عمل اسم ظاہر کی ضمیر میں دیں بشرطیکہ فاعل میں تنازع ہو۔

آسانی سے یوں سمجھیں کہ فاعلیت میں اگر دونوں فعلوں کا تنازع ہو تو رفع تنازع کیلئے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:...... ایک یہ کہ ایک کو عمل اسم ظاہر میں دینے کے بعد دوسرے کے فاعل کو حذف کریں لیکن یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کا حذف جائز نہیں۔

دوسرا طریقہ:...... ذکر کا ہے اگر مہمل فعل کے فاعل کو ذکر کریں تو تکرار لازم آتا ہے نیز یہ تنازع کے باب سے نہیں ہوگا۔

تیسرا طریقہ:...... یہ ہے کہ مہمل فعل کے فاعل کو آپ مضمر لائیں بایں طور کہ وہ اسم ظاہر کے ساتھ مفرد تثنیہ جمع میں موافق ہو شارح اسی تیسرے طریقہ کو یہاں ذکر فرمارہے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اگر بصریین کے مسلک کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمر لائیں جیسے **یُحْسِنَانِ وَيُسِيءُ ابناک۔ ضربنی واکرمنی زیدٌ** اس میں ضمیر مابعد میں فاعل "ابناک" زید کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور یہاں بھی فاعل عمدہ ہے، اور کوفیین کے مسلک کے مطابق پہلے کو عمل دینے کی صورت میں بھی اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ لفظاً ہے رُتبۃً نہیں اور اضمار قبل الذکر وہ ناجائز ہے جو لفظاً بھی ہو اور رتبۃً بھی اور فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مفعول پر مقدم ہوتا ہے۔ (جیسے **ضربنی واکرمنی زیدٌ یا یُحْسِنُ ویسیئان ابناک**)

اسی طرح **بغی واعتدیا عبداک، بغی واعتدی عبداک**.

وأجاز الكسائى الخ:

تنازع کے وقت دوسرے فعل کو عمل دینے کی صورت میں پہلے فعل میں کسائی رحمہ اللہ کے نزدیک فاعل کو حذف کرنا جائز ہے اس لئے ان کے ہاں ترک اضمار صحیح ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمر لایا جائے۔جیسے یحسنان ویسیئ ابناک،بغیا واعتدی عبداک تو اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے(اگرچہ اس کا جواب پہلے ہم نے ذکر کیا کہ اضمار قبل الذکر یہاں لفظاً ہے مگر رتبۃً نہیں اور اضمار قبل الذکر ناجائز وہ ہے جو لفظاً اور رتبۃً دونوں ہوں۔یعنی کسائی رحمہ اللہ اپنے مسلک کے مطابق اضمار قبل الذکر سے بچنے کیلئے فاعل کو حذف کررہے ہیں حالانکہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کو حذف کرنا اضمار قبل الذکر سے بھی زیادہ شنیع ہے اس کی مثال یوں ہوئی " وَقَفَ تحتَ المیزابِ وَفَرَّ مِنَ المطر" (بارش سے بھاگا پرنالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا) لیکن حاشیۃ الخضری میں شرح الایضاح سے نقل کیا ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ سے فاعل کو حذف کرنے کی جو بات منقول ہے یہ صحیح نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کو عمل دینے کی صورت میں پہلے میں ترک اضمار جائز ہے وہ دونوں عامل کو ایک اسم ظاہر کی طرف متوجہ فرماتے ہیں ان کے مسلک کے مطابق آپ یُحسِنَانِ وَیُسِیئُ ابناک نہیں کہہ سکتے۔

وَلَا تَجِیءْ مَعْ أَوَّلٍ قَدْ أُهْمِلَا
بِمُضْمَرٍ لِغَیْرِ رَفْعٍ أُوْهِلَا
بَلْ حَذْفَهُ الْزَمْ إِنْ یَكُنْ غَیْرَ خَبَرَ
وَأَخِّرَنْهُ إِنْ یَكُنْ هُوَ الْخَبَر

ترجمہ:......اور پہلے فعل کے ساتھ جو مہمل ہے (یعنی جس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) اس کی ضمیر نہ لائیں جو کہ اہل بنائی گئی ہو رفع کے علاوہ کیلئے (یعنی جو مرفوع نہ ہو مفعول بہ ہو) بلکہ اس کے حذف کرنے کو لازم کردیں اگر وہ اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہو اور اگر خبر ہو تو اس کو مؤخر کردیں۔

(ش) تقدم أنه إذا أعمل أحد العاملين فى الظاهر وأهمل الآخر عنه أعمل فى ضميره، ويلزم الإضمار إن كان مطلوب الفعل مما يلزم ذكره: كالفاعل، أو نائبه، ولا فرق فى وجوب الإضمار – حينئذٍ – بين أن يكون المهمل الأوّل أو الثاني، فتقول: "یحسنان ویسیئ ابناک، ویحسن ویسیئان ابناک"

وذكر هنا أنه إذا كان مطلوب الفعل المهمل غير مرفوع فلا يخلو: إما أن يكون عمدة فی الأصل- وهو مفعول "ظن" وأخواتها؛ لأنه مبتدأ فی الأصل أو خبر، وهو المراد بقوله: "إن يكن هو الخبر"-أولا، فإن لم يكن كذلك: فإما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثانی، فإن كان الأول لم يجز الإضمار؛ فتقول: "ضربت وضربنی زيدٌ، ومررت ومرَّبی زيدٌ"، ولا تضمر فلا تقول: "ضربته، وضربنی زيد" ولا "مررت به ومرَّ بی زيد"، وقد جاء فی الشعر، كقوله:

١٦٠- إذَا كُنْتَ تُرْضِيه وَيُرْضِيكَ صَاحِبٌ
جِهَارًا فَكُنْ فِی الْغَيْبِ احفَظَ لِلْعَهْد
وَأَلْغِ أحَادِيثَ الْوُشَاة، فَقَلَّمَا
يُحَاوِلُ وَاشٍ غَيْرَ هِجْرَانِ ذِی وُدّ

وإن كان الطالب له هو الثانی وجب الإضمار؛ فتقول: "ضربنی وضربته زيد، ومرَّ بی ومررت به زيدٌ" ولا يجوز الحذف فلا تقول "ضَرَبَنِی وَضَرَبْتُ زَيدٌ" وقد جاء فی الشعر، كقوله:

١٦١- بِعُكَاظَ يُعْشِی النَّاظِرِينَ
إذَا هُمُ لَمَحُوا شُعَاعُه

والأصل "لمحوه" فحذف الضمير ضرورةً، وهو شاذ؛ كما شذ عمل المهمل الأول فی المفعول المضمر الذی ليس بعمدة فی الأصل.

هذا كلّه إذا كان غير المرفوع ليس بعمدة فی الأصل، فإن كان عمدة فی الأصل فلا يخلو: إما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثانی؛ فإن كان الطالب له هو الأول وجب إضماره مؤخرًا؛ فتقول: "ظنَّنِی وظننتُ زيدًا قائمًا إيَّاهُ"، وإن كان الطالب له هو الثانی أضمرته: متصلا كان أو منفصلاً؛ فتقول: "ظننت وظننيه زيدٌ قائمًا، وظننت وظننی إياه زيدٌ قائمًا".

ومعنى البيتين أنك إذا أهملت الأول لم تأت معه بضمير غير مرفوع -وهو المنصوب والمجرور- فلا تقول: "ضربته وضربنی زيدٌ" ولا "مررت به ومرَّ بی زيدٌ" بل يلزم الحذف، فتقول: "ضربت وضربنی زيدٌ، ومررت ومرَّ بی زيدٌ" إلا إذا كان المفعول خبرًا فی الأصل؛ فإنه

لایجوز حذفه بل یجب الإتیان به مؤخرًا، فتقول: "ظنّني وظننت زیدًا قائمًا إیّاه".

ومفهومه أن الثاني یؤتی معه بالضمیر مطلقًا: مرفوعًا کان، أو مجرورًا، أو منصوبًا، عمدة في الأصل أو غیر عمدة.

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا وہ اگر مفعول چاہتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا اصل کے اعتبار سے وہ مفعول خبر ہوگا (جیسے ظنّ کا مفعول ظننتُ زیدًا قائمًا میں قائمًا مفعول اصل میں خبر ہے۔ چنانچہ زیدٌ قائمٌ کہا جاتا ہے) یا نہیں اگر اصل کے اعتبار سے خبر ہے تو پہلا فعل اس مفعول کو طلب کرے گا یا دوسرا، اگر پہلا طلب کرتا ہے (اور عمل دوسرے کو دیتا ہے) تو پہلے فعل کے مفعول کو ذکر کرنا صحیح نہیں کیونکہ تکرار لازم آتا ہے اور اس میں اضمار صحیح نہیں اس لئے کہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ لہٰذا تیسری صورت حذف کی ہے مفعول کو حذف کریں گے۔ اس لئے کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے۔ اور اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں جیسے " ضربت وضربني زیدٌ" مررتُ ومرَّ بي زیدٌ اور اضمار صحیح نہیں چنانچہ "ضربت وضربني زیدٌ" مررتُ به ومرّ بي زیدٌ " کہنا غلط ہے۔

بعض مرتبہ شعر میں اس کا جواز آیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

۱۶۰ - إذَا کُنْتُ تُرْضِیهِ وَیُرْضِیکَ صَاحِبٌ
جِهَارًا فَکُنْ فِي الْغَیْبِ احْفَظَ لِلْعَهْدِ
وَالْغِ أحَادِیثَ الْوُشَاةِ، فَقَلَّمَا
یُحَاوِلُ وَاشٍ غَیْرَ هِجْرَانِ ذِي وُدِّ

ترجمہ:...... جب آپ اپنے ساتھی کو آمنے سامنے پسند کرتے ہیں اور وہ آپ کو پسند کرتا ہے تو عدم موجودگی میں آپ عہد وپیماں کی زیادہ حفاظت کرنے والے ہوجائیں اور چغلخوروں کی باتوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ چغلخور محبت والے کی جدائی کے علاوہ کا قصد کرتا ہو (یعنی چغلخوروں کا زیادہ تر قصد یہ ہوتا ہے کہ وہ محبت والوں کو جدا کرتے ہیں اس کے برعکس بہت کم ہی ہوا کرتا ہے اس لئے آپ چغلخوروں کی باتوں میں نہ آئیں)

تشریح المفردات:

(ترضی) أرضی یرضی ارضاءً باب افعال سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ (جهارًا) آمنے سامنے کہا جاتا ہے لقیته جهارًا میں نے اس سے منہ در منہ ملاقات کی (الغیب) غائب و پوشیدہ چیز (احادیث) جمع ہے حدیث کی بات کو کہتے ہیں (الوشاة) واشٍ کی جمع ہے جیسے قضاة قاضٍ کی جمع ہے اس آدمی کو کہتے جو لوگوں کے درمیان فساد کی کوشش کرتا ہو یعنی چغلخوری کرتا ہو (قلّما) قلّ فعل ماضی ہے اس کا فاعل نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ما حرفیہ زائدہ آیا ہے اور اس نے اس کے عمل کو روکا ہے اسی وجہ سے اس کو کافّہ بھی کہتے ہیں "لانها كفتها عن العمل" اور خود یہ فاعل کے عوض ہوا، (قلّما) سے مقصود نفی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ما مصدریہ ہے اس کا مابعد بتاویل مصدر ہو کر اس کا فاعل ہے ای قلّ محاولة (یحاول) باب مفاعلہ سے واحد مذکر غائب مضارع معلوم کا صیغہ ہے بمعنی قصد کرنا، کوشش کرنا، محاولة اصل کے اعتبار سے حیلہ کے ذریعہ کسی چیز کے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ (هجران) جدائی قطع تعلق (ودّ) واؤ کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنی محبت۔

محل استشهاد:

(ترضيه ويرضيك صاحب) محل استشہاد ہے یہاں صاحبٌ میں تُرضِي اور یُرضِي دونوں فعلوں نے تنازع کیا ہے پہلا فعل اس کو اپنے لئے مفعول اور دوسرا اس کو فاعل بنانا چاہتا ہے شاعر نے یہاں دوسرے فعل کو عمل دیا ہے اور پہلے کے مفعول کیلئے (ہ) ضمیر کو لایا جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کا حذف کرنا صحیح تھا اس لئے کہ یہ مفعول ہے اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے مفعول کیلئے ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں صرف فاعل میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے جس کی تفصیل گزر گئی ہے اس شعر کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ شاذ ہے۔

وإن كان الطالب له هو الثاني الخ:

اگر اس مفعول کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے فعل کو دینا ہے) تو اس صورت میں دوسرے فعل کو ضمیر میں عمل دینا ضروری ہے اور حذف صحیح نہیں۔

چنانچہ ضربنی وضربته زیدٌ کہا جائے گا اور ضربنی وضربت زیدٌ صحیح نہیں بعض حضرات یہاں بھی یہ فرماتے ہیں کہ مفعول کی ضمیر حذف کرنے میں کوئی حرج نہیں بایں وجہ کہ یہ فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔

کبھی شعر میں اس کا جواز بھی آیا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۱- بِعُكَاظَ يُعْشِي النَّاظِرِيـنَ

إِذَا هُمْ لَمَحُوا شُعَاعُهُ

ترجمہ:...... عکاظ بازار میں دیکھنے والوں کی بینائی کو اسلحوں کی شعاعیں کمزور کرتی تھیں جب وہ ان کی طرف دیکھتے (شاعر اپنی قوم کی بہادری اور ان کے زیادہ اسلحوں کی چمک دمک کی تعریف کر رہی ہے۔)

تشریح المفردات:

(عکاظ) مکہ مکرمہ کے قریب ایام جاہلیت میں بازار لگتا تھا جس کا نام عکاظ تھا لوگ اس میں جمع ہو کر شعر وشاعری، عزت وشرف نسب وغیرہ میں فخر کیا کرتے تھے ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۵/۲۰ دن تک یہ بازار لگتا تھا اسلام نے آ کر اس کو ختم کر دیا۔ (یعشی) اعشیٰ یعشی اعشاءً باب افعال سے نگاہ کو کمزور کر دینا، (لمحوا) جلدی سے دیکھ لینا، (شعاع) کرن اس کی جمع اشعَّة، شُعُعٌ (بضمتین) شعاع بالکسر آتی ہیں (شعاعه) میں (ہ) ضمیر سلاح (اسلحہ) کی طرف راجع ہے جو ماقبل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(یعشی...... لمحوا شعاعه) محل استشہاد ہے یہاں (یعشی) اور (لمحوا) دونوں فعلوں نے (شعاعه) میں تنازع کیا ہے پہلا اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول بنانا چاہتا ہے شاعر نے پہلے کو عمل دیا ہے اس لئے کہ شعاعه مرفوع ہے اور دوسرے کو ضمیر میں دینا چاہئے تھا ای لمحوه لیکن شاعر نے ضرورت شعریہ کی وجہ سے اس کو حذف کیا۔ جمہور کے نزدیک ضرورت کے علاوہ اس کا حذف صحیح نہیں بایں وجہ کہ بغیر کسی خاص علت کے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جبکہ ایک قوم کی رائے ہے کہ اس حالت میں بھی ضمیر کو حذف کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ضمیر مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔ جمہور اس طرح کے اشعار کا جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ واللہ اعلم

ھذا کلہ الخ:

یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب مفعول بہ اصل کے اعتبار سے عمدہ نہ ہو (یعنی خبر نہ ہو) اگر عمدہ ہو تو اگر پہلا فعل اس کو چاہے گا (اور عمل دوسرے کو دیتا ہے) تو اس کو بعد میں مضمر لانا واجب ہے اس لئے کہ ظنّ کے مفعول کا حذف جائز نہیں فتقول ظنّنی وظننت زیدًا قائمًا ایّاہ اور اگر اس کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے کو دیتا ہے) تو دوسرے کے مفعول کو آپ مضمر لائیں متصل ہو یا منفصل جیسے ظننت وظننیہ زیدًا قائمًا، ظننت وظنّنی ایّاہ زیدًا قائمًا دونوں شعروں کا مطلب یہ ہوا کہ جب پہلے فعل کو آپ مہمل بنائیں گے یعنی اس کو عمل نہیں دیں گے تو اس صورت میں اس کے ساتھ آپ غیر مرفوع (یعنی منصوب یا مجرور) کی ضمیر نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ضربتہ و ضربنی زیدٌ، مررت بہ ومرّ بی زیدٌ صحیح نہیں بلکہ حذف ضروری ہے ہاں اگر مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں بلکہ اس کو مؤخر لانا ضروری ہے، جیسے ظنّنی وظننت زیدًا قائمًا ایّاہ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے فعل کے ساتھ مطلقًا ضمیر کو لایا جائے گا۔ مرفوع واقع ہو یا منصوب یا مجرور، اصل کے اعتبار سے عمدہ ہو یا نہ ہو۔

(مزید وضاحت کیلئے ہدایۃ النحو بھی دیکھی جاسکتی ہے)

وَاظْهِرْ اِنْ یَكُنْ ضَمِيرٌ خبرا
لِغَيْرِ مَا يُطَابِقُ المُفَسِّرَا
نَحْوُ اَظُنُّ وَيَظُنَّانِى اَخَا
زيدًا وعمرًا اَخَوَيْنِ فِى الرَّخَا

ترجمہ:...... آپ فعل مہمل کی ضمیر مفعول کو ظاہر کریں اگر وہ ضمیر اصل میں خبر ہو اور مفسّر کے مطابق نہ ہو جیسے اظنّ الخ (میں زید اور عمرو کو فراخی اور خوشحالی میں بھائی سمجھتا ہوں اور وہ مجھے بھائی سمجھتے ہیں)

(ش)أی:یجب أن یؤتی بمفعول الفعل المهمل ظاهرًا إذا لزم من أضماره عدم مطابقته لِمَا یفسره؛ لکونه خبرًا في الأصل عمّا لایطابق المفسر، کما إذا کان في الأصل خبرًا عن مفرد ومفسره مثنی، نحو: "أظن ویظناني زیدًا وعمرًا أخوین" ف"زیدا": مفعول أول لأظن، و"عمرًا": معطوف علیه، و"أخوین": مفعول ثان لأظن، والیاء: مفعول أول لیظنان؛ فیحتاج إلی مفعول ثان؛ فلو أتیت به ضمیرًا فقلت: "أظن ویظناني إیاه زیدًا أخوین" لکان "إیاه" مطابقًا للیاء، في أنهما مفردان، ولکن لایطابق مایعود علیه وهو "أخوین"؛ لأنه مفرد، و"أخوین" مثنی؛ فتفوت مطابقة المفسر للمفسر، وذلک لایجوز، وإن قلت "أظن ویظناني إیاهما زیدًا وعمرًا أخوین" حصلت مطابقة المفسّر للمفسَّر؛ [وذلک] لکون "إیاهما" مثنی و"أخوین" کذلک، ولکن تفوت مطابقة المفعول الثاني—الذی هو خبر في الأصل—للمفعول الأول—الذي هو مبتدأ في الأصل—لکون المفعول الأول مفردًا، وهو الیاء، والمفعول الثاني غیر مفرد، وهو "إیاهما"، ولابد من مطابقة الخبر للمبتدأ، فلما تعذرت [المطابقة] مع الإضمار وجب الإظهار؛ فتقول: "أظن ویظناني أخا زیدًا وعمرًا أخوین"؛ ف"زیدًا وعمرًا أخوین": مفعولا أظن، والیاء مفعول یظنان الأول، و"أخا" مفعوله الثاني، ولاتکون المسألة —حینئذٍ— من باب التنازع؛ لأن کلا من العاملین عمل في ظاهر، وهذا مذهب البصریین.

وأجاز الکوفیون الإضمار مراعًی به جانب المخبر عنه؛ فتقول: "أظن ویظناني إیاه زیدًا وعمرًا أخوین" وأجازوا أیضا الحذف، فتقول: "أظن ویظناني زیدًا وعمرًا أخوین".

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر فعل مہمل کے مفعول کا ضمیر لانے سے مفسّر کے ساتھ مطابقت فوت ہوتی ہو تو اس صورت میں اس مفعول کو ظاہر لانا ضروری ہے مثلاً وہ اصل میں مفرد کی خبر ہو اور اس کا مفسّر تثنیہ ہو (مثال مذکور میں ایک بندہ متعلق خبر دی جاتی ہے کہ وہ مجھے بھائی ہونے کا خیال کرتے ہیں) اور مفسّر اخوین تثنیہ ہے) جیسے "أظن ویظناني

وعمرًا اخوین" یہاں زیدًا اظن کیلئے مفعول اول ہے اور اخوین مفعول ثانی ہے پھر (یظنّانی) میں (ی) مفعول اول ہے یہاں پہلے فعل کو عمل دیا ہے' یظنانی کیلئے مفعول ثانی کی ضرورت ہے اگر اس کو مضمر لائیں اور کہیں "اظنّ ویظنّانی ایاہ زیدًا وعمرًا اخوین" تو اس صورت میں "ایاہ" مفعول ثانی "ی" مفعول اوّل کے مطابق ہے لیکن "اخوین" جو اس کا مفسر ہے اس کے مطابق نہیں اس لئے کہ ایاہ مفرد ہے اور اخوین تثنیہ ہے مفسّر اور مفسّر کے درمیان مطابقت نہیں ہوئی جو کہ جائز نہیں۔ اور اگر ایاھما کہا جائے تو مفسّر اور مفسّر کی مطابقت آ جائے گی لیکن مفعول اوّل (جو اصل کے اعتبار سے مبتدا ہے) اور مفعول ثانی (جو اصل کے اعتبار سے خبر ہے) کی مطابقت ختم ہو جائے گی لہٰذا اظہار ضروری ہوا چنانچہ آپ "أظنّ ویظنّانی أخا زیدًا وعمرًا أخوین فی الرّخا" کہینگے لیکن اس صورت میں یہ تنازع کے باب سے نہیں ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کو اس کا معمول الگ الگ مل گیا۔

کوفیین نے اس اضمار کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مخبر عنہ (متکلم، جو کہ مفرد ہے) کی رعایت کی ہے اگر چہ مفسّر اور مفسّر کی مطابقت نہیں ہے۔ اور یہاں اضمار قبل الذکر اگر چہ لفظاً ہے رتبۃً نہیں اس لئے کہ اس کے مفسّر کا رتبہ پہلے ہے لکونہ معمول الاوّل اس لئے ان کے ہاں یہ صحیح ہے نیز ان کے ہاں حذف بھی جائز ہے۔

المفعول المطلق

المصدر اسمُ ما سِوَی الزّمَان مِنْ

مَدلُولَی الفعلِ کامنٍ مِنْ اَمِنْ

ترجمہ:......مصدر فعل کے دو مدلوں (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے

جیسے اَمِنَ سے امن۔

(ش) الفعل یدل علی شیئین: الحدث، والزمان؛ ف"قام"یدل علی قیام فی زمن ماضٍ، و"یقوم"یدل علی قیام فی الحال أو الاستقبال، و"قم"یدل علی قیام فی الاستقبال، والقیام هو الحدث-وهو أحد مدلولی الفعل-وهو المصدر، وهذا معنی قوله:"ما سوی الزمان من مدلولی الفعل" - وهو المصدر،" فکأنه قال: المصدر اسم الحدث کأمن؛ فإنه أحد مدلولی أمن.

والمفعول المطلق هو: المصدر، المنتصب: توکیدًا لعامله، أو بیانًا لنوعه، أو عدده، نحو: "ضربت ضربًا، وسرت سیر زید، وضربت ضربتین"

وسمی مفعولا مطلقا لصدق "المفعول" علیه غیر مقید بحرف جر ونحوه، بخلاف غیره من المفعولات؛ فإنه لا یقع علیه اسم المفعول إلا مقیّدًا، کالمفعول به، والمفعول فیه، والمفعول معه، والمفعول له.

مفعول مطلق کی تعریف:

اس سے پہلے فاعل، نائب فاعل، تنازع فعلین کا ذکر ہوا اب منصوبات میں سے مفاعیل کو ذکر کر رہے ہیں۔

(واضح رہے کہ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل صرف ایک ہوتا ہے اور رفع ثقیل ہے اور مفعول کئی ہوتے ہیں اور نصب خفیف ہے قلیل کو ثقیل اور کثیر کو خفیف حرکت دی تا کہ برابری ہو جائے، مفعولات پانچ ہیں مفعول بہ جیسے ضربتُ زیدًا مفعول مطلق جیسے: ضربتُ ضربًا، مفعول فیہ جیسے صمت یوم الجمعة، مفعول له، جیسے ضربته تادیبًا مفعول معہ جیسے "جاء البرد والجبات"

یہاں سب سے پہلے مفعول مطلق کو ذکر کر رہے ہیں اسلئے کہ اس پر علی الاطلاق مفعول کا لفظ بولا جاتا ہے بخلاف باقی مفاعیل کے ان میں بہٖ، لہٗ، معہٗ کے ساتھ تقیید ہوتی ہے، مفعول مطلق اور مصدر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے ضربتہ ضربًا میں دونوں جمع ہیں ضربک ضربُ الیتیم میں صرف مصدر ہے اور جہاں مفعول مصدر سے نائب ہو کر آتا ہے وہاں صرف مفعول ہے۔ اگر مفعول کے نائب ہونے کو غیر معتبر قرار دیا جائے اور اصل کو دیکھتے ہوئے اس کو مصدر ہی کہا جائے تو پھر اس پر مصدر کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ بہر حال مصدر عام مطلق ہے)

مفعول مطلق یعنی مصدر کی تعریف کرتے ہوئے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مصدر فعل کے دو مفعولوں (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے یعنی حدث کا نام ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ فعل دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے حدث، زمان، چنانچہ قَامَ زمانہ ماضی کے اندر اور یقوم حال یا استقبال اور قُمْ استقبال میں قیام پر دلالت کرتا ہے اور قیام ہی حدث ہے (اور یہ حدث فعل کے دو مدلولوں میں سے ایک ہے) مفعول مطلق اس مصدر کو کہتے ہیں جو منصوب ہو اور عامل کی تاکید یا نوع کے بیان یا عدد کیلئے ہو جیسے ضربتُ ضربًا، سرْتُ سیرَ زید، ضربتُ ضربتین اس کو مفعول مطلق اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول صادق آتا ہے حرف جر وغیرہ کی تقیید کے بغیر بخلاف دیگر مفعولات کے کہ ان پر مفعول کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا مگر مقید جیسے مفعول بہٖ مفعول فیہ، مفعول معہٗ، مفعول لہٗ۔

بِمِثْلِهِ أو فِعْلٍ أو وَصْفٍ نُصِبْ
وَكَوْنُهُ أصْلاً لِهَذَيْنِ انْتُخِبْ

ترجمہ:...... مصدر کے مثل سے یا فعل یا وصف سے مصدر کو نصب دیا جاتا ہے
اور مصدر کا اصل ہونا فعل اور وصف کیلئے پسندیدہ ہے۔

(ش) ينتصب المصدر بمثله، أي بالمصدر، نحو: "عجبت من ضربك زيدًا ضربا شديدًا"، أو بالفعل، نحو: "ضربت زيدًا ضربًا"، أو بالوصف، نحو: "أنا ضارب زيدًا ضربًا"

ومذهب البصريين أن المصدر أصل، والفعل والوصف مشتقان منه؛ وهذا معنى قوله: "وكونه أصلا لهذين انتخب" أي: المختار أن المصدر أصل لهذين، أي: الفعل، والوصف.

ومذهب الكوفيين أن الفعل أصل، والمصدر مشتق منه.

وذهب قوم إلى أن المصدر أصل، والفعل مُشتقٌ منه والوصف مُشتقٌ من الفعل وذهب ابن طلحة إلى أن كلًّا من المصدر والفعل أصل برأسه، وليس أحدهما مشتقًا من الآخر.

والصحيح المذهب الأول، لأن كل فرع يتضمن الأصل وزيادة، والفعل والوصف بالنسبة إلى المصدر كذلك؛ لأن كلا منهما يدل على المصدر وزيادة؛ فالفعل يدل على المصدر والزمان، والوصف يدل على المصدر والفاعل.

ترجمہ وتشریح:

مصدر کو نصب دینے والا عامل کونسا ہے اس کو یہاں بتا رہے ہیں، مصدر کو نصب دیا جاتا ہے مصدر سے جیسے عجبتُ مِنْ ضربک زیدًا ضربًا شدیدًا، یا فعل سے (فعل کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ متصرف اور تام ہو اور ایسا فعل نہ ہو جس میں الغاء ہوتا ہو۔ مثلاً ظــــنّ وغیرہ جب مفعولوں کے درمیان آ جائے ورنہ وہ مفعول مطلق کو نصب نہیں دے گا۔ جیسے ضربتُ زیدًا ضربًا۔ نیز مفعول مطلق کو نصب دیا جاتا ہے وصف سے (وصف کیلئے دو شرطیں ہیں متصرف ہو، اسم فاعل اسم مفعول یا مبالغہ کا صیغہ ہو) جیسے أنا ضاربٌ زیدًا ضربًا۔

مصدر اصل ہے یا فعل؟

ا:......بصریین کا مسلک یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اور وصف ان سے مشتق ہیں وکونہ اصلاً الخ کا یہی مطلب ہے۔

۲:......کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر اس سے مشتق ہے اس لئے کہ فعل مصدر میں عمل کرتا ہے اور اس میں اثر کرتا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حرف بھی اسم پر داخل ہو کر اس میں اثر کرتا ہے۔ حالانکہ حرف اسم کیلئے اصل نہیں۔

۳:......بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اس سے مشتق ہے پھر وصف فعل سے مشتق ہے گویا وصف فرع الفرع ہے۔

۴:......ابن طلحہ متوفی ۶۱۸ھ (جو زمخشری کے شیخ ہیں) فرماتے ہیں کہ مصدر اور فعل دونوں اصل ہیں اور ایک دوسرے سے مشتق نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ صحیح پہلا مسلک ہے کہ مصدر ہی اصل ہے اس لئے کہ ہر فرع متضمن ہوتا ہے اصل کو اور زائد چیز کو یہاں بھی اسی طرح ہے چنانچہ فعل دلالت کرتا ہے مصدر اور زمان پر اور وصف دلالت کرتا ہے مصدر اور فاعل پر۔ ولکلٍّ وجه. والله اعلم۔

توكيدًا او نوعًا يُبِينُ اوْ عَدَدْ
كَسِرْتُ سَيْرَتَيْنِ سَيْرَ ذِى رَشَد

ترجمہ:...... تاکید یا نوع یا عدد کو مصدر بیان کرتا ہے جیسے سِرْتُ الخ (سیرتین عدد اور سیر ذی رشد نوع کی مثال ہے، میں معدفعہ چلا ہدایت والے کی چال کی طرح)۔

(ش) المفعول المطلق يقع على ثلاثة أحوال كما تقدم:

أحدها: أن يكون مؤكدًا، نحو: "ضربت ضربًا"

الثاني: أن يكون مبينًا للنوع، نحو: "سرت سير ذى رشد" و"سرت سيرًا حسنًا"

الثالث: أن يكون مبينًا للعدد، نحو "ضربت ضربة، وضربتين، وضربات".

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق کی تین حالتیں:

پہلے بھی گزر گیا ہے کہ مفعول مطلق کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) تاکید کیلئے ہو۔ جیسے ضربتُ ضربًا (۲) نوع کو بیان کرتا ہو جیسے سِرْتُ سَيْرَ ذى رشد الخ (۳) عدد کو بیان کرنے والا ہو جیسے "ضربتُ ضربةً ضربتين، ضربات"۔

وَقَدْ يَنُوبُ عَنْهُ مَا عَلَيْهِ دَلّْ
كَجِدَّ كُلَّ الْجِدِّ، وافْرَحِ الْجَذَل

ترجمہ:...... اور کبھی مفعول مطلق سے نائب ہوکر آتی ہے وہ چیز جو اس پر دلالت کرے جیسے جد الخ (بھرپور کوشش کر، خوب خوش ہوجا)

(ش) قد ينوب عن المصدر ما يدل عليه، ككل وبعض، مضافين إلى المصدر، نحو: "جد كل الجد"، وكقوله تعالى: ﴿فلا تميلوا كل الميل﴾ و"ضربته بعض الضرب"

وكالمصدر المرادف لمصدر الفعل المذكور، نحو: "قعدت جلوسًا، وافرح الجذل" فالجلوس: نائب مناب القعود لمرادفته له، والجذل: نائب مناب الفرح لمرادفته له.

وكذلك ينوب مناب المصدر اسم الإشارة، نحو: "ضربته ذلك الضرب" وزعم بعضهم أنه إذا ناب اسم الإشارة مناب المصدر فلا بدّ من وصفه بالمصدر، كما مثّلنا، وفيه نظر؛ فمن أمثلة سيبويه "ظننت ذاك" أي: ظننت ذاك الظنّ، فذاك إشارة إلى الظن، ولم يوصف به.

وينوب عن المصدر – أيضًا – ضميره، نحو: "ضربته زيدًا" أي: ضربت الضرب ومنه قوله تعالى: ﴿لا أعذبه أحدًا من العالمين﴾ أي: لا أعذب العذاب.

وعدده، نحو: "ضربته [عشرين] ضربةً" ومنه قوله تعالى: ﴿فاجلدوهم ثمانين جلدة﴾

والآلة، نحو: "ضربته سوطًا" والأصل: ضربته ضرب سوط، فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه، والله تعالى أعلم.

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں:

کبھی کبھار مصدر یعنی مفعول مطلق سے وہ چیز نائب ہو کر آتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے جیسے " کلّ " اور بعض "، جب وہ مصدر کی طرف مضاف ہوں جیسے "جِدّ كلّ الجدّ" اور باری تعالیٰ کا یہ قول فَلا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيل ضربته بعض الضرب۔

اسی طرح وہ مصدر بھی نائب ہو کر آتا ہے جو فعل مذکور کے مصدر کا مرادف ہو جیسے قَعَدْتُ جلوسًا، افرح الجذل، یہاں جلوس ' قعود ' کے قائم مقام ہے اور جذل ' فرح کا ہے اسلئے کہ یہ دوسرے کے مرادف ہیں (الفاظ الگ ہیں اور معنی ایک ہیں)

اسی طرح مصدر کے قائم مقام اسم اشارہ بھی آتا ہے جیسے ضربته ذالک الضرب۔ بعض حضرات کا زعم کہ جب اسم اشارہ مصدر کے قائم مقام آتا ہے تو اس صورت میں اس کو مصدر سے موصوف کرنا ضروری ہے یعنی مصدر کو کیلئے صفت لایا جائے گا۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ سیبویہ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ مثالوں

ظننتُ ذاکَ ای ظننتُ ذاک الظنّ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ذاک میں ظنّ کی طرف اشارہ ہے جبکہ وہ کسی شئ سے موصوف نہیں، نیز مصدر سے اس کی ضمیر بھی نائب ہو کر آتی ہے جیسے ضربته زیدًا ای ضربتُ الضرب اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "لااعذّبه اَحَدًا من العالمین ای "لااعذّبُ العَذابَ"

عدد بھی نائب ہو کر آتا ہے جیسے ضربته (عشرین) ضربةً اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فاجلدوھم ثمانین جلدۃ" یہاں بھی عدد نائب ہو کر آیا ہے۔ آلہ بھی نائب ہوتا ہے جیسے "ضربته سوطًا" مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنایا۔ واللہ اعلم۔

وَمَـــا لتـــوكيـــدٍ فَـــوَحِّـــدْ أبَـــدًا
وَثَـــنِّ وَاجْـــمَـــعْ غَـيْـــرَهُ وَأفْـــرِدَا

ترجمہ:...... جو مصدر تاکید کیلئے ہو اس کو ہمیشہ کیلئے مفرد لائیں اور اس کے علاوہ (یعنی نوع، یا عدد) کو تثنیہ جمع لائیں یا مفرد۔

(ش) لایجوز تثنية المصدر المؤكد لعامله، ولا جمعه، بل يجب إفراده، فتقول "ضربت ضربًا"، وذلك لأنه بمثابة تكرر الفعل، والفعل لايثنى ولايجمع.

وأما غير المؤكد—وهو المبين للعدد، والنوع—فذكر المصنف أنه يجوز تثنيته وجمعه.

فأما المبين للعدد فلاخلاف في جواز تثنيته وجمعه، نحو: "ضربت ضربتين وضربات"

[وأما المبين للنوع فالمشهور أنه يجوز تثنيته وجمعه، إذا اختلفت أنواعه، نحو: "سرت سيري زيد الحسن والقبيح]

وظاهر كلام سيبويه أنه لايجوز تثنيته ولا جمعه قياسًا، بل يقتصر فيه على السماع، وهذا اختيار الشلوبين.

ترجمہ وتشریح:

مصدر مؤکد صرف مفرد ہوگا:

جو مصدر مؤکد للعامل ہو اس کا تثنیہ جمع جائز نہیں بلکہ اس کا مفرد ہونا واجب ہے جیسے "ضربتُ ضربًا" اس کی وجہ

یہ ہے کہ مفعول مطلق بمنزلہ تکرار فعل ہے اور فعل تثنیہ جمع نہیں ہوتا۔

اور جو مبیّن للعدد یاللنوع ہو تو اس کا تثنیہ، جمع جائز ہے۔

مبیّن للعدد کے تثنیہ جمع بنانے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، جیسے ضربتُ ضربتین ، ضرباتٍ .

مبیّن للنوع کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ مختلف انواع ہونے کی صورت میں اس کا تثنیہ جمع بنانا جائز ہے جیسے سِرتُ سَیرَی زیدالحسنَ و القبیح (یہاں دو قسم کی رفتار حسن اور قبیح ہونے کی وجہ سے تثنیہ آیا ہے) اور سیبویہ رحمہ اللہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قیاسًا اس کا تثنیہ جمع جائز نہیں بلکہ سماع پر موقوف ہے شلوبین رحمہ اللہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے۔

وَحَذْفُ عَامِلِ المُؤَكِّدِ امْتَنَعْ

وَفِي سِوَاهُ لِدَلِيلٍ مُتَّسَعْ

ترجمہ:...... تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا منع ہے اور اس کے علاوہ (نوع اور عدد والے) میں دلیل کی وجہ سے حذف کی گنجائش ہے۔

(ش) المصدر المؤکد لایجوز حذف عامله؛ لأنه مسوق لتقریر عامله وتقویته، والحذف منافٍ لذلک.

وأما غیر المؤکد فیحذف عامله للدلالة علیه: جوازًا، ووجوبًا.

فالمحذوف جوازًا، کقولک: "سیر زید" لمن قال: "أی سیر سرت" و"ضربتین" لمن قال: "کم ضربت زیدًا؟" والتقدیر: "سرت سیر زید، وضربته ضربتین"

وقول ابن المصنف: إن قوله: "وحذف عامل المؤکد امتنع" سهو منه؛ لأن قولک "ضربًا زیدًا" مصدر مؤکد، وعامله محذوف وجوبًا- کماسیأتی لیس بصحیح، وماستدل به علی دعواه من وجوب حذف عامل المؤکد [بما سیأتی] لیس منه، وذلک لأن "ضربًا زیدًا" لیس من التاکید فی شیءٍ بل هو أمرٌ خالٍ من التاکید بمثابة "اضرب زیدًا" لأنه واقع موقعه، فکما أن "اضرب زیدًا" لاتاکید فیه، کذلک: "ضربًا زیدًا"، وکذلک جمیع الأمثلة التي ذکرهالیست من التاکید فی شیءٍ؛ لأن المصدر فیها نائب مناب العامل، دال علی مایدل علیه، وهو عوض منه، و

علی ذلک عدم جواز الجمع بینهما، ولا شئ من المؤکدات یمتنع الجمع بینها وبین المؤکد.

ومما یدل أیضا علی أن "ضربا زیدا" ونحوه لیس من المصدر المؤکد لعامله أن المصدر المؤکد لاخلاف فی أنه لا یعمل، واختلفوا فی المصدر الواقع موقع الفعل: هل یعمل أولا؟ والصحیح أنه یعمل، ف"زیدا" فی قولک: "ضربا زیدا" منصوب ب"ضربا" علی الأصح، وقیل: منصوب بالفعل المحذوف، وهو: "اضرب"، فعلی القول الاوّل ناب "ضربا" عن "اضرب" فی الدلالة علی معناه وفی العمل، وعلی القول الثانی ناب عنه فی الدلالة علی المعنی دون العمل.

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا:

تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ عامل کی تاکید اور اس کو ثابت کرنے کیلئے آتا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے اور غیر مؤکد میں قرینہ اور دلالت کی وجہ سے عامل کو حذف کرنا جائز ہے اور بعض جگہوں میں واجب بھی ہے۔

جوازاً محذوف کی مثال "سَیرَ زیدٍ" ای سِیرَ سِیرُتَ کے جواب میں چونکہ سوال میں عامل سِرُتَ ذکر ہے اس وجہ سے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں "وَضَربتین" لمن قال کَمْ ضربتَ زیدًا" والتقدیر سِرُتُ سَیرَ زیدٍ، وَضربتُه ضربتین.

وقول ابن المصنف الخ:

شارح نے یہاں مصنفؒ پر ان کے بیٹے کے اعتراض کو نقل کر کے رد کیا ہے۔

مصنفؒ کے بیٹے نے کہا ہے کہ والد صاحب سے "وحذف عامل المؤکد امتنع" کہنے میں سہو ہوا ہے اس لئے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مؤکد مصدر کے عامل کو حذف کرنا ممنوع ہے حالانکہ "ضربا زیدا" تاکید والا مصدر ہے اس کے باوجود اس کا عامل وجوبا محذوف ہے، شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے بیٹے کا یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ ضربا زیدا تاکید کے باب سے نہیں بلکہ وہ ایک مستقل قسم ہے (اس لئے کہ مفعول مطلق تاکیدی بھی ہوتا ہے نوعی اور عددی بھی، اور وہ بھی ہوتا ہے جو اپنے فعل سے نائب ہو کر آتا ہے) اضْرِبْ زیدًا کے قائم مقام ہے۔ پس جس طرح اضربْ زیدًا

میں تاکید نہیں اسی طرح ضربًا زیدًا میں بھی نہیں۔

اسی طرح دیگر مثالیں جو مصنفؒ کے بیٹے نے ذکر کی ہیں یہ سب تاکید کے باب سے نہیں اسلئے کہ ان میں مصدر عامل (فعل) کی جگہ قائم ہے اور فعل جس پر دلالت کرتا ہے اس پر مصدر بھی کرتا ہے الغرض یہ فعل کے عوض ہے یہی وجہ ہے اس عامل اور مصدر میں جمع جائز نہیں۔ چنانچہ "اضربْ ضربًا زیدًا" نہیں کہا جاتا حالانکہ مؤکدات میں مؤکّد اور مؤکِّد کے درمیان جمع ممتنع نہیں یعنی جائز ہے دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ایک قرینہ اس پر یہ بھی ہے تاکید والے مصدر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ یہ عمل نہیں کرتا اور جو مصدر فعل کی جگہ قائم ہے اس میں اختلاف ہے کہ عمل کرتا ہے یا نہیں؟ صحیح قول کے مطابق عمل کرتا ہے۔ چنانچہ "ضربًا زیدًا" میں زیدًا ضربًا کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل محذوف (اضربْ) کی وجہ سے منصوب ہے پہلے قول کے مطابق مصدر معنی پر دلالت کرنے اور عمل دونوں میں فعل کے نائب ہے اور دوسرے کے مطابق صرف معنی پر دلالت کرنے میں فعل کا نائب ہے۔ اگر ضربًا زیدًا میں تاکید ہوتی تو عمل وغیرہ میں کسی کا اختلاف نہ ہوتا" إِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ"

وَالْحَذْفُ حَتْمٌ مَعَ آتٍ بَدَلاً

مِنْ فِعْلِهِ كَنَدْلاً اللَّذْ كَانْدُلاَ

ترجمہ:...... اور عامل کا حذف کرنا یقینی ہے اس مصدر کے ساتھ جو اپنے فعل سے بدل ہوکر آئے جیسے نَدْلاً جو اُنْدُلْ فعل کی طرح ہے (ندلاً مثال کی پوری تشریح شرح میں آرہی ہے)

(ش) يحذف عامل المصدر وجوبًا في مواضع:

منها: إذا وقع المصدر بدلا من فعله، وهو مقيس في الأمر والنهي، نحو: "قيامًا لا قعودًا" أي [قيامًا] ولا تقعد [قعودًا]، والدعاء، نحو: "سقيًا لك" أي: سقاك الله.

وكذلك: يحذف عامل المصدر وجوبا إذا وقع المصدر بعد الاستفهام المقصود به التوبيخ، نحو: "أتوانيًا وقد علاك المشيبُ؟" أي: أتتوانى وقد علاك.

ويقل حذف عامل المصدر وإقامة المصدر مقامه في الفعل المقصود به الخبر، نحو: "... وكرامة" أي: وأكرمك.

فالمصدر فی هذه الأمثلة ونحوها منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والمصدر نائب منابه فی الدلالة علی معناه.

وأشار بقوله: "كندلا" إلٰی ما أنشده سيبويه؛ وهو قول الشاعر:

۱۶۲ - يَمُرُّوْنَ بالدَّهْنَا خِفَافًا عِيَابُهُمْ
وَيَرْجِعْنَ مِنْ دَارِيْنَ بُجْرَ الحَقَائِبِ
عَلٰی حِيْنَ أَلْهَی النَّاسَ جُلَّ أُمُوْرِهِمْ
فَنَدْلاً زُرَيْقُ المَالَ نَدْلَ الثَّعَالِبِ

ف"ندلا" نائب مناب فعل الأمر، وهو اندل، والندل: خطف الشیء بسرعة، و"زريق" منادی، والتقدير: ندلًا يا زريق [المال]، وزريق اسم رجل، وأجاز المصنف أن يكون مرفوعًا بندلا، وفيه نظر؛ لأنه إن جعل "ندلا" نائبًا مناب فعل الأمر للمخاطب، والتقدير "اندل" لم يصح أن يكون مرفوعًا به، لأن فعل الأمر إذا كان للمخاطب لا يرفع ظاهرًا، فكذلك ما ناب منابه، وإن جعل نائبًا مناب فعل الأمر للغائب، والتقدير: "ليندل" صح أن يكون مرفوعًا به؛ لكن المنقول أن المصدر لا ينوب مناب فعل الأمر للغائب، وإنما ينوب مناب فعل الأمر للمخاطب، نحو: "ضربًا زيدًا" أی: اضرب زيدًا، والله أعلم.

جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

(۱) جب مصدر فعل سے بدل ہو کر آئے (اور یہ امر ونہی اور دعا میں قیاسی ہے) تو وہاں عامل کو وجوبًا حذف کیا جائے گا جیسے قیامًا لا قعودًا ای قم قیامًا ولا تقعد قعودًا۔

دعا کی مثال جیسے "سقیًا لک ای سقاک اللّٰہ۔

(۲) مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے جب مصدر ایسے استفہام کے بعد واقع ہو جس سے توبیخ مقصود ہو جیسے أتوانیًا وقد علاک المشیب" ای أ تتوانی الخ (کیا آپ اب بھی سستی کر رہے ہیں حالانکہ آپ پر بڑھاپا آ گیا ہے)

اور جس فعل سے خبر دینا مقصود ہو اس میں عامل کو حذف کر کے مصدر کو قائم مقام بنانا قلیل ہے جیسے افعل وکرامةً" ای واکرمک" ان مثالوں میں مصدر فعل محذوف (وجوبًا) کی وجہ سے منصوب ہے۔

وأشَارَ بقوله كندلاً الخ:

"كَنْدَلًا" کہکر مصنفؒ نے سیبویہ رحمہ اللہ کے پیش کردہ شعر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۲ - يَمُرُّوْنَ بِالدَّهْنَا خِفَافًا عِيَابُهُمْ
وَيَرْجِعْنَ مِنْ دَارِيْنَ بُجْرَ الْحَقَائِبِ
عَلٰى حِيْنَ أَلْهَى النَّاسَ جُلُّ أُمُوْرِهِمْ
فَنَدْلًا زُرَيْقُ الْمَالَ نَدْلَ الثَّعَالِبِ

ترجمہ:...... یہ چور لوگ دھناء نامی مقام سے گزرتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے ہلکے اور خالی ہوتے ہیں اور دارین مقام سے لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے بھرے ہوتے ہیں (اور یہ چوری ایسے وقت پر کرتے ہیں) جب لوگوں کو ان کے بڑے کاموں نے غافل کیا ہوتا ہے (تو ایک دوسرے سے) کہتے ہیں اچک لے اے زریق مال کو جیسے کہ لومڑیاں بے خبری میں کرتی ہیں۔

تشریح المفردات:

یہ اعشی شاعر کا قول ہے اس میں وہ چوروں کی مذمت بیان کر رہے ہیں (يَمُرُّوْنَ) نصر سے جمع مذکر غائب، چوروں کی طرف اشارہ ہے (الدھناء) نجد میں واقع بنوتمیم کا علاقہ ہے مدّ کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مدّ کے بھی آتا ہے۔ یہاں بغیر مدّ کے ہے۔ (خفافا) خفیف کی جمع ہے ہلکے پھلکے قرآن کریم میں ہے "انفروا خفافا وثقالاً" (عیاب) عیبة کی جمع ہے وہ تھیلا جس میں کپڑا یا کوئی اور توشہ رکھا جاتا ہے۔ (یرجعن) میں جمع مؤنث کی ضمیر لصوص (چوروں) کی طرف بتاویل جماعة" کے راجع ہے یا چوروں کو عورتوں کے ساتھ حقارت کی وجہ سے مشابہت دینے کیلئے مؤنث کا صیغہ لایا گیا، یا یہ کہ جمع مؤنث کا نون مذکر میں بھی مجازاً استعمال ہوتا ہے (دارین) بحرین میں ایک جگہ ہے جہاں ہندوستانی مشک کو بیچا جاتا ہے (بجر) بجراء کی جمع ہے جیسے حمر، حمراء بمعنی بھرا ہوا (الحقائب)

حقیبة کی جمع ہے عیاب اور حقائب ایک ہیں (جلّ) ہر چیز کا بڑا حصہ جُلّ کل شيء ای معظمه (فندلا) ای فیقولون ندلاً۔

محلِ استشہاد:

(ندلاً) محلِ استشہاد ہے اس کے عامل "اندل" کو وجوباً حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ مصدر اس کے قائم مقام ہے۔ اور زریق منادیٰ ہے تقدیرِ عبارت ہے نَدْلاً یازُرَیقُ المالَ"

قوله وأجاز الخ:

مصنفؒ نے جائز قرار دیا ہے کہ زریق، ندلاً کی وجہ سے مرفوع ہو (شارح فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اسلئے کہ اگر ندلاً فعل امر مخاطب کی وجہ سے مرفوع ہے اور تقدیرِ عبارت اندل ہے تو پھر اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ فعل امر مخاطب اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا لہٰذا اس کا نائب بھی نہیں دے گا، اور اگر فعل امر غائب کی وجہ سے مرفوع ہے تو صحیح ہے لیکن منقول یہ ہے کہ مصدر فعل امر غائب کے قائم مقام آتا ہی نہیں بلکہ فعل امر مخاطب کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے "ضربًا زیدًا" ای اضربْ زیدًا"

وَمَا لِتَفْصِيلٍ كَإِمَّا مَنًّا
عَامِلُهُ يُحْذَفُ حَيْثُ عَنَّا

ترجمہ:...... جو مصدر تفصیل کیلئے ہو جیسے اِمّا منًّا (قرآن کریم کی آیت کی طرف اشارہ ہے) تو اس کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے جہاں آجائے۔ (عنَّ ای عرَضَ)

(ش) يحذف أيضا عامل المصدر وجوبًا إذا وقع تفصيلا لعاقبة ماتقدمه، كقوله تعالى ﴿حتّى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداء﴾ فمنًّا، وفداء: مصدران منصوبان بفعل محذوف وجوبا، والتقدير — والله أعلم — فإما تمنون منا، وإما تفدون فداءً، وهذا معنى قوله: "وما لتفصيل — إلى آخره" أي يحذف عامل المصدر المسوق للتفصيل، حيث عنّ، أي: عرض،

ترجمہ وتشریح:

مصدر کے عامل کو وجوباً حذف کیا جائے گا جب وہ ماقبل کی تفصیل واقع ہو جیسے "حتّٰی إذا اثخنتمُوھُم فشُدّوا الوثاق فامّا منًّا بَعْدُ وَامّا فِداءً" آیت کریمہ میں "منًّا" اور "فداءً" دونوں مصدر فعل محذوف کے ساتھ منصوب ہیں ای تمنون منًّا و امّا تفدون فداء، (وما لتفصیل الخ) سے مصنفؒ کی یہی مراد ہے۔

كَـــذَا مُـــكَـــرَّرٌ وَذُو حَـــصْـــرٍ وَرَد
نَـــائِـــبَ فِـــعْـــلٍ لاسْـــمِ عَـــيْـــنٍ اسْـــتَـــنَـــد

ترجمہ:......اسی طرح (اس مصدر کا عامل بھی محذوف ہوگا) جو مکرر آئے یا حصر والا آئے اس حال میں کہ وہ ایسے فعل کے قائم مقام ہو جو اسم ذات کی طرف مسند ہو۔

(ش) أی: كذلک یحذف عامل المصدر وجوبًا، إذا ناب المصدر عن فعل استند لاسم عین -أی اخبر به عنه- وكان المصدر مكررًا أو محصورًا، فمثال المكرر: "زید سیرًا سیرًا" والتقدیر: زید یسیر سیرًا، فحذف "یسیر" وجوبًا لقیام التكریر مقامه، ومثال المحصور: "ما زید إلا سیرًا"، و"إنّما زید سیرًا" والتقدیر: إلا یسیر سیرًا، فحذف "یسیر" وجوبًا لما فی الحصر من التاكید القائم مقام التكریر.

فإن لم یكرر ولم یحصر لم یجب الحذف، نحو: "زید سیرًا" التقدیر: زید یسیر سیرًا، فإن شئت حذفت "یسیر" وإن شئت صرّحت به، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

اس مصدر کے عامل کو بھی وجوباً حذف کیا جاتا ہے جو مصدر نائب ہو کر آئے ایسے فعل سے جو اسم ذات کی طرف مسند ہو۔ یعنی اس فعل کے ذریعے اسم ذات سے خبر دی گئی ہو اور مصدر مکرر یا محصور ہو۔ مکرر کی مثال "زید سَیْرًا سَیْرًا" یہاں تقدیر عبارت "زید یسیر سیرًا" تھی یسیر کو حذف کیا وجوبًا اس لئے کہ تکریر اس کے قائم مقام ہے۔ یہاں مصدر خبر واقع ہے زید سے (جو کہ اسم ذات ہے)

محصور کی مثال ما زیدٌ الا سیرًا، انّما زیدٌ سیرًا ہے والتقدیر الا یسیر سیرًا ، یسیر کو حذف کیا اس لئے کہ حصر میں تاکید ہوتی ہے جو تکریر کے قائم مقام ہے۔

اگر مصدر مکرّر اور محصور نہ ہو تو حذف واجب نہیں جیسے "زیدٌ سیرًا" ای یَسِیْرُ سیرًا" آپ یَسِیْرُ کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ذکر بھی کر سکتے ہیں۔

وَمِـنْـهُ مَـا يَـدْعُـوْنَـهُ مُـؤَكِّـدَا
لِـنَـفْـسِـهِ، أَوْ غَـيْـرِهِ، فَـالْـمُـبْـتَـدَا
نَـحْـوُ لَـهُ عَـلَـيَّ أَلْفٌ عُـرْفَـا
وَالثَّـانِ كَـ "ابْـنِـي أَنْـتَ حَـقًّـا صِـرْفَـا"

ترجمہ:...... مصدر میں سے (جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے) وہ بھی ہے جس کو نحوی حضرات مؤکد لنفسہ یالغیرہ کہتے ہیں۔ پس پہلی قسم جیسے "لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ عُرْفًا" اور دوسری کی مثال جیسے "ابنی انت حقًّا صرفًا"

(ش) أی: من المصدر المحذوف عامله وجوبًا ما يسمى: المؤكد لنفسه، والمؤكد لغيره.

فالمؤكد لنفسه: الواقع بعد جملة لا تحتمل غيره، نحو: "له علی ألف [عرفًا] أی: اعترافًا، فاعترافًا: مصدر منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: "أعْتَرِفُ اعترافًا، ويسمى مؤكدًا لنفسه: لأنه مؤكد للجملة قبله، وهی نفس المصدر، بمعنى أنها لا تحتمل سواه، وهذا هو المراد بقوله: "فالمبتدا" أی: فالأول من القسمين المذكورين فی البيت الأول.

والمؤكد لغيره: هو الواقع بعد جملة تحتمله وتحتمل غيره؛ فتصير بذكره نصافيه، نحو: "أنت ابنی حقًّا" فحقًّا مصدر منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: "أحقُّه حقًّا، وسمی مؤكدًا لغيره، لأن الجملة قبله تصلح له ولغيره؛ لأن قولك "أنت ابنی" يحتمل أن يكون حقيقة، وأن يكون مجازًا على معنى: أنت عندی فی الحنو بمنزلة ابنی، فلما قال "حقًّا" صارت الجملة نصافی أن المراد البنوة حقيقة، فتأثرت الجملة بالمصدر؛ لأنها صارت به نصا، فكان مؤكدًا لغيره؛ لوجوب مغايرة المؤثر للمؤثر فيه.

ترجمہ وتشریح:

مؤکدلنفسہ، ومؤکدلغیرہ کی تعریف

وہ مصدر جس کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے ان میں بعض کو مؤکد لنفسہ اور بعض کو مؤکدلغیرہ کہا جاتا ہے۔

مؤکد لنفسہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو اس کے علاوہ غیر کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے "لہٗ علیَّ الفٌ عرفًا" (اس کے میرے اوپر ایک ہزار ہیں جس کا میں اعتراف کرتا ہوں) اعترافًا مصدر ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ "اعترف اعترافًا" اور اس کو مؤکد لنفسہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے اور جملہ بعینہ نفس مصدر کے معنی میں ہے یعنی اعترافًا کا مطلب لہٗ علیَّ الفٌ ہی ہے یعنی ایک ہزار کا اعتراف کرنا۔ (فالمبعدا) سے یہی مراد ہے۔

مؤکدلغیرہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملہ کے بعد واقع ہو جس میں اس جملہ کا بھی احتمال ہو اور غیر کا بھی ہو۔ جیسے "انت ابنی حقًا" حقًا مصدر منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے ای احقہ حقًا" اور اس کو مؤکدلغیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جملہ میں اس کا بھی احتمال ہے اور غیر کا بھی اس لئے کہ انت ابنی حقًا (آپ میرے بیٹے ہیں اور میں اس کو ثابت کرتا ہوں) میں یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقی بیٹا مراد ہو اور مجازی بیٹا بھی مراد ہو سکتا ہے معنی یہ ہوگا آپ قریب ہونے میں میرے بیٹے کی طرح ہیں جب "حقًا" کہا تو جملہ صریح ہوا اس میں کہ مراد حقیقی بیٹا ہوتا ہے اسی کو مؤکدلغیرہ کہتے ہیں اسلئے کہ مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہوا کرتی ہے۔ (چونکہ حقًا نے انت ابنی میں اثر کیا ہے تو حقًا مؤثر (بصیغہ اسم فاعل) اور انت ابنی مؤثر (بصیغہ اسم مفعول) ہوا اور مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہوتی ہے تو حقًا مؤکدلغیرہ ہوا)

كـذاكَ ذو التشبيـه بـعـد جـمـلـه
كـ"لـي بُـكًـا بـكـاءَ ذاتِ عـضـلـه

ترجمہ: ...... اسی طرح تشبیہ والا مصدر ہے جو جملہ کے بعد واقع ہو جیسے لی بکاً الخ

(ش) أی کذلک یجب حذف عامل المصدر إذا قصد به التشبیه بعد جملة مشتملة علی فاعل المصدر فی المعنی، نحو: " لزید صوت صوت حمار، وله بکاء بکاء الثکلی "ف"صوت حمار"

مصدر تشبيهيّ، وهو منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: يصوت صوت حمارٍ، وقبله جملة وهي "لزيد صوت" وهي مشتملة على الفاعل في المعنى، وكذلك بُكاء الثكلى" منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: يبكي بكاء الثكلى.

فلو لم يكن قبل هذا المصدر جملة وجب الرفع نحو: "صوته صوت حمارٍ، وبكاؤه بكاء الثكلى" وكذا لو كان قبله جملة [و] ليست مشتملة على الفاعل في المعنى نحو: "هذا بكاء بكاء الثكلى، وهذا صوت صوت حمار"

ولم يتعرض المصنف لهذا الشرط، ولكنه مفهوم من تمثيله.

ترجمہ وتشریح:

اسی طرح (اس مصدر کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے) جو تشبیہ والا ہو اور ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو معنی میں مصدر کے فاعل پر مشتمل ہو جیسے "لِزَيدٍ صَوْتٌ صوْتَ حِمَارٍ ، لَهُ بكاءٌ بكاء الثكلى (ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے بچے کے گم ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہو حدیث شریف میں بھی ہے "من عزّى ثكلى كسي بردًا في الجنّة)

یہاں صوت حمارٍ مصدر تشبیہ والا ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای یصوّتُ صوتَ حمارٍ اور اس سے پہلے "لزيد صوتٌ" کا جملہ معنی میں فاعل پر مشتمل ہے۔ (اس لئے کہ یُصَوّتُ صوتَ حمارٍ کا معنی ہے زید گدھے کی طرح آواز نکالتا ہے اور لزید صوتٌ میں بھی زید کیلئے گدھے کی طرح آواز نکالنا ثابت ہو رہا ہے گو لزید صوتٌ معنی میں فاعل (زید) پر مشتمل ہے۔

اسی طرح بكاء الثكلى میں بھی فعل وجوبا حذف ہے والتقدیر "يبكي بكاء الثكلى"

اس مصدر سے پہلے اگر مستقل جملہ نہ ہو تو پھر اس کا رفع واجب ہے جیسے صوته صوت حمارٍ الخ۔ اسی طرح اگر پہلے جملہ تو ہو لیکن وہ فاعل کے معنی پر مشتمل نہ ہو تو پھر بھی رفع واجب ہے جیسے هذا بكاء الخ (یہاں هذا بکاء میں معنی فاعل نہیں ہے)

مصنفؒ نے اس شرط کی طرف اگر چہ اشارہ نہیں کیا تاہم مصنف کی پیش کردہ مثال " لي بكا بكاء ذات عضلة (میرا رونا ایسا ہے جس طرح اس عورت کا ہے جو روک دی گئی ہے) سے یہ شرط مفہوم ہوتی ہے۔

وصلت الى هذا المقام قبيل فجر ۲۹ رمضان ۱۴۲۵ھ

المفعول له

يُنْصَبُ مَفْعُولاً لَهُ الْمَصْدَرُ إِنْ
أَبَانَ تَعْلِيلاً كَـ "جُدْ شُكْراً وَدِنْ"

وَهُوَ بِمَا يَعْمَلُ فِيهِ مُتَّحِدْ
وَقْتاً وَفَاعِلاً، وَإِنْ شَرْطٌ فُقِدْ

فَاجْرُرْهُ بِالْحَرْفِ، وَلَيْسَ يَمْتَنِعْ
مَعَ الشُّرُوطِ: كَـ "لِزُهْدٍ ذَا قَنِعْ"

ترجمہ..... مصدر کو نصب دیا جاتا ہے اس حال میں کہ وہ مفعول لہ ہو اگر وہ علت کے معنی کو ظاہر کرے جیسے جد شکرًا (شکرًا مفعول لہ ہے، آپ سخاوت کریں شکر کیلئے اور بدلہ دیں) نیز یہ اپنے عامل کے ساتھ وقت اور فاعل میں متحد ہو، اور ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو پھر اس کو آپ حرف کے ذریعہ مجرور کریں۔ اور ان شروط کے ہوتے ہوئے بھی جر ممنوع نہیں، جیسے لِزُهْدٍ ذَا قَنِعْ (اس نے اس زہد کی وجہ سے قناعت اختیار کی)

(ش) المفعول له: هو المصدر، المفهم علة، المشارك لعامله: في الوقت، والفاعل، نحو: "جد شكرًا" فشكرًا: مصدر، وهو مفهم للتعليل؛ لأن المعنى جد لأجل الشكر، ومشارك لعامله -وهو "جد"- في الوقت؛ لأن زمن الشكر هو زمن الجود، وفي الفاعل؛ لأن فاعل الجود هو المخاطب وهو فاعل الشكر، وكذلك: "ضربت ابني تأديبًا" فتأديبًا: مصدر، وهو مفهم للتعليل؛ إذ يصح أن يقع في جواب "لم فعلت الضرب؟" وهو مشارك لضربت؛ في الوقت، والفاعل.

وحكمه جواز النصب إن وجدت فيه هذه الشروط الثلاثة -أعني المصدرية، وإبانة التعليل، واتحاده مع عامله في الوقت والفاعل.

فإن فقد شرط من هذه الشروط تعين جره بحرف التعليل، وهو اللام، أو "من" أو "في" أو الباء.

فمثال ماعدمت فيه المصدرية قولك: "جئتك للسمن".

ومثال مالم يتحد مع عامله في الوقت: "جئتك اليوم للإكرام غدًا" ومثال مالم يتحد مع عامله في الفاعل: "جاء زيد لإكرام عمرو له"

ولا يمتنع الجر بالحرف مع استكمال الشروط، نحو: "هذا قنع لزهد".

وزعم قوم أنه لا يشترط في نصبه إلا كونه مصدرًا، ولا يشترط اتحاده مع عامله في الوقت ولا في الفاعل، فجوزوا نصب "إكرام" في المثالين السابقين، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح

مفعول لہ کی تعریف اور اس کے نصب کی شرطیں:

مفعول لہ وہ ہے جو مصدر ہو، علت کو بتانے والا ہو، اپنے عامل کے ساتھ وقت فاعل میں شریک ہو، مصنفؒ نے یہاں مفعول لہ کی مثال "جُدْ شکرًا وَدِنْ" کے ساتھ دی ہے اس لئے کہ شکرًا مصدر ہے اور شکر ادا کرنے کی علت سخاوت ذکر ہے اور یہ مصدر اپنے عامل کے ساتھ (جو کہ جُد ہے) بھی مشترک ہے اور فاعل کے ساتھ بھی اس لئے کہ سخاوت کا فاعل اور شکر کرنے کا فاعل مخاطب ہی ہے۔ اسی طرح ضربت ابنی تادیبًا بھی ہے۔

وحکم الخ:

اگر مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں تو مفعول لہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہوگا اور ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو حرف کے ذریعہ اس کا مجرور ہونا متعین ہوگا۔

۱:..... مصدریہ والی شرط مفقود ہو اس کی مثال جئتک للسمن ہے۔

۲:..... عامل کے ساتھ وقت میں متحد نہ ہونے کی مثال جئتک الیوم للاکرام غدًا، یہاں (مجیئ آنے کا وقت آج اور اکرام کا وقت کل ہے)

۳:..... عامل کے ساتھ فاعل میں متحد نہ ہونے کی مثال "جاء زید لاکرام عمرو لہ" (جاء کا فاعل زید اور اکرام کا فاعل

عمرو ہے)

نیز اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہ تینوں شرائط موجود ہوتی ہیں پھر بھی جر آ جاتا ہے جیسے "هذا قنِعَ لزهدٍ" (زهد) میں تینوں شرطیں موجود ہیں پھر بھی حرف جر سے مجرور ہو گیا۔

بعض حضرات کے نزدیک نصب کیلئے ایک ہی شرط ہے جو کہ مصدریت ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا دو مثالوں میں انہوں نے اکرام کے نصب کو جائز قرار دیا ہے۔

وَقَلَّ أنْ يَصْحَبَهَا المُجَرَّدُ

والعَكْسُ فى مَصْحُوبِ "ال" وَأنْشَدوا

لاَ أقْعُدُ الجُبْنَ عَنِ الهيجاء

وِلَوْ تَوَالَتْ زُمَرُ الاعداء

ترجمہ:......اور یہ قلیل ہے کہ الف لام کے ساتھ وہ مصدر آ جائے جو الف لام کے بغیر ہو (مجرد کا معنی خالی) اور جس مصدر کے ساتھ الف لام ہے اس میں عکس ہے (یعنی ضربت ابنی لتادیب قلیل ہے یہاں لام کے ساتھ تادیب مصدر آیا ہے جو کہ لام سے خالی ہے اور ضربت ابنی للتادیب کثیر ہے یہاں لام کے ساتھ التادیب الف لام والا مصدر آیا ہے)

(ش) المفعول له المستكمل للشروط المتقدمة له ثلاثة أحوال: أحدها: أن يكون مجردًا عن الألف واللام والإضافة، والثاني: أن يكون محلّى بالألف واللام، والثالث: أن يكون مضافًا، وكلها يجوز أن تجر بحرف التعليل، لكن الأكثر فيما تجرد عن الألف واللام والإضافة النصب نحو: "ضربت ابني تأديبًا"، ويجوز جرّه، فتقول: "ضربت ابني لتأديب"، وزعم الجزولي أنه لا يجوز جره، وهو خلاف ما صرّح به النحويون، وما صحب الألف واللام بعكس المجرد، فالأكثر جره، ويجوز النصب، ف "ضربت ابني للتأديب" أكثر من "ضربت ابني التأديب"، ومما جاء فيه منصوبًا ما أنشده المصنف:

۱۶۳ - لاَ أقْعُدُ الجُبْنَ عَنِ الهَيْجَاءِ

البيت، ف "الجبن" مفعول له، أي: لا أقعد لأجل الجبن، ومثله قوله:

۱۶۴- فَلَيْتَ لِي بِهِم قَومًا إذا ركبوا
شَنُّو الاغارة فرسانًا وركبانا

وأما المضاف فيجوز فيه الأمران -النصب، والجر- على السواء؛ فتقول: "ضربت ابني تاديبه، ولتاديبه" وهذا [قد] يفهم من كلام المصنف، لأنه لما ذكر أنه يقل جر المجرد ونصب المصاحب للألف واللام علم أن المضاف لا يقل فيه واحد منهما، بل يكثر فيه الأمران، ومما جاء منصوبًا قوله تعالىٰ: ﴿يجعلون أصابعهم في آذانهم من الصواعق حذر الموت﴾، ومنه قوله:

۱۶۵- وَأغْفِرُ عَوراءَ الكريم ادّخارَه
وَأعْرِضُ عَنْ شَتْمِ اللئيمِ تكرُّمَا

ترجمہ وتشریح:

مفعول لہ جس میں مذکورہ بالا تین شرطیں پائی جائیں تو اس کے تین احوال ہیں ایک یہ کہ الف لام اور اضافت سے خالی ہو۔ دوم یہ کہ الف لام کے ساتھ ہو۔ سوم یہ کہ مضاف ہو ان میں سے ہر ایک میں حرف تعلیل کو داخل کر کے جر پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی یہ تینوں شرطیں نصب کیلئے ہیں مفعول لہ ہونے کیلئے نہیں اس مسلک کے مطابق حرف جر کے داخل ہونے کے بعد منصوب اگر چہ نہیں ہوگا لیکن مفعول لہٗ ہی کہلائے گا جبکہ جمہور کے مسلک کے مطابق یہ تینوں شرطیں پائی جائیں اور مجرور بحرف التعلیل ہو تو وہ مفعول لہٗ نہیں کہلائے گا بلکہ مفعول بہ ہوگا۔

لیکن جو مصدر الف لام سے خالی ہو اس میں نصب کثیر ہے جیسے ضربت ابنی تادیبًا اور اس کا جر بھی جائز ہے لیکن قلیل ہے مصنفؒ کے قول " وَقلَّ ان يصحبها المجرّد" کا یہی مطلب ہے جزولی رحمہ اللہ کے نزدیک جر جائز نہیں لیکن یہ قول نحویوں کی تصریح کے خلاف ہے۔ البتہ جس مصدر کے ساتھ الف ہے وہ ماقبل کے برعکس ہے یعنی اس میں جر کثیر اور نصب قلیل ہے مصنفؒ کے قول "والعكس في مصحوب ال" کا یہی مطلب ہے۔

منصوب کی مثال مصنفؒ کا پیش کردہ یہ شعر ہے۔

۱۶۳- لاأقعُدُ الجُبْنَ عَنِ الهَيْجَاء
وَلَوْ تَوَالَتْ زُمَرُ الأعْدَاء

ترجمہ:...میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے پیچھے نہیں ہٹوں گا اگرچہ دشمنوں کی جماعتیں پے در پے آ جائیں۔

تشریح المفردات:

(لااقعد) کہا جاتا ہے قعد عن الحرب جنگ سے پیچھے ہٹنا، سستی کرنا، انکار کرنا (الجبن) بزدلی (ھیجاء) جنگ (زمر) زاء کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ زمرۃ کی جمع ہے بمعنی جماعت جیسے غُرَف جمع ہے غُرفۃ کی۔

محل استشہاد:

(الجبن) محل استشہاد ہے یہ مفعول لہ واقع ہے الف لام کے ساتھ للجبن ہونا چاہیے تھا لیکن الف لام کے ساتھ پھر بھی منصوب آیا ہے۔

فائدہ:...مفعول لہ معرفہ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جرمی رحمہ اللہ کے ہاں چونکہ یہ حال اور تمیز کی طرح ہے اس لئے نکرہ ہی واقع ہوگا معرفہ واقع ہونا صحیح نہیں۔

جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں مفعول لہ کا معرفہ واقع ہونا صحیح ہے وہ عرب کے اشعار سے استدلال کرتے ہیں جیسے قرآن کریم میں معرفہ آیا ہے "من الصواعق حذر الموت" (اگرچہ جمہور کے نزدیک چونکہ یہ حرف تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اس وجہ سے اس کو مفعول لہ کہنا صحیح نہیں) بظاہر سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے "والحق احق أن یتبع" اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۲ فلیت لی بھم قوما إذا رکبوا
شنوا الاغارۃ فرسانا ورکبانا

ترجمہ:...کاش میرے لئے اپنی قوم کے بدلے ایک اور قوم ہوتی جب وہ سوار ہوتی تو لوٹ مار اور حملہ کیلئے ادھر ادھر تقسیم ہو جاتی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر۔

تشریح المفردات:

(بھم) میں باء بدل کے لئے ہے ای بدلھم (شنوا) ضرب سے تقسیم کرنا، حملہ کرنا (الاغارۃ) لوٹ مار، حملہ کرنا (فرسانا) فارس کی اور رکبان راکب کی جمع ہے گھوڑے پر سوار کو فارس کہتے ہیں اور راکب عام ہے کسی

سواری پر سوار کو کہا جا سکتا ہے یہاں اونٹ پر سوار ہونے والا مراد ہے۔

شان ورود:......قریط بن انیف کا شعر ہے ذھل بن شیبان کی قوم کے ایک شخص نے شاعر سے اس کے اونٹ زبردستی لئے' شاعر نے اپنی قوم سے مدد مانگی لیکن وہ مقابلہ سے عاجز آ گئی اپنی قوم کو چھوڑ کر بنو مازن سے مدد مانگی تو بنو مازن نے اس کی مدد کر کے اس کے اونٹ چھڑا لئے شاعر نے یہ شاعر کہے' دیوان حماسہ کی ابتداء ہی ان کے اشعار سے ہوتی ہے پہلا شعر صرف ملاحظہ فرمالیں۔

لو كنت من مازن لم تستبح ابلي
بنو اللقيطة من ذهل بن شيبانا

الیٰ آخر هذه الابيات:

ان اشعار میں یہ بنو مازن کی تعریف اور اپنی قوم کی مذمت بیان کر رہا ہے۔

محل استشهاد:

(الاغارة) محل استشہاد ہے یہاں مفعول لہ منصوب ہے باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ الف لام بھی ہے۔
واضح رہے کہ جرمی رحمہ اللہ کے خلاف اس شعر کو پیش کیا جا سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مفعول لہ معرفہ واقع نہیں ہوتا اسلئے کہ یہاں (الاغارة) معرفہ ہے پھر اس کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ الف لام زئد ہے کمزور قول ہے فلا یلتفت الیہ۔

و أما المضاف الخ:

جو مفعول لہ مضاف استعمال ہوا اس میں نصب، جر دونوں جائز ہیں۔ چنانچہ ضربت ابنی تادیبه، لتادیبه دونوں پڑھ سکتے ہیں، مصنفؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ مصنفؒ نے جب یہ ذکر کیا کہ الف لام سے خالی مصدر کا جر اور الف لام والے کا نصب قلیل ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ مضاف میں دونوں قلیل نہیں ہیں۔ منصوب آنے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"یجعلون اصابعھم فی آذانھم من الصواعق حذر الموت (حذر الموت) محل استشہاد۔
اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۵ - وَاَغْفِرُ عَوْرَاءَ الْکَرِیْمِ ادِّخَارَہٗ
وَاُعْرِضُ عَنْ شَتْمِ اللَّئِیْمِ تَکَرُّمَا

ترجمہ:...... اور میں درگزر کرتا ہوں شریف آدمی کی بری بات سے تاکہ اس کو اپنے لئے ذخیرہ بنادوں (یعنی ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھالوں، یا اس کی دوستی کو برقرار رکھوں) اور میں اعراض کرتا ہوں کمینہ کی گالی سے مہربانی کرتے ہوئے۔
یہ شعر مشہور زمانہ سخی حاتم طائی کا ہے۔

تشریح المفردات:

(اغفر) ضرب سے بخشنا، درگزر کرنا (عوراء) بری اور غیر مناسب بات (اللئیم) کمینہ خبیث النفس (تکرّما) مہربانی کرنا۔

محل استشہاد:

(ادّخارہ) محل استشہاد ہے مفعول لہ واقع ہے اور منصوب ہے باوجودیکہ مضاف ہے۔

المفعول فیه وهو المسمّٰی ظرفًا

الظرف وقت أو مكان، ضُمِّنَا
"فِي" باطراد، كَهُنَا امْكُثْ أَزْمُنَا

ترجمہ:......ظرف وہ وقت یا مکان ہے جو فی کے معنی کو متضمن ہو قیاسی طور پر جیسے هُنا الخ (یہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جا، هُنَا ظرف مکان اور ازمنًا ظرف زمان کی مثال ہے)

(ش) عَرَّفَ المصنف الظرف بأنه: زمان أو مكان ضمن معنى "في" باطراد، نحو: "امكث هنا أزمنًا" فهنا: ظرف مكان، وأزمنا: ظرف زمان، وكل منهما تضمن معنى "في"؛ لأن المعنى: امكث في هذا الموضع [و] في أزمن واحترز بقوله: "ضمن معنى في" مما لم يتضمن من أسماء الزمان أو المكان معنى "في" كما إذا جعل اسم الزمان أو المكان مبتدأ، أو خبرًا، نحو: "يوم الجمعة يوم مبارك، ويوم عرفة يوم مبارك، والدار لزيد" فإنه لا يسمى ظرفًا والحالة هذه، وكذلك ما وقع منهما مجرورًا، نحو: "سرت في يوم الجمعة" و"جلست في الدار" على أن في هذا ونحوه خلافًا في تسميته ظرفًا في الاصطلاح، وذلك ما نصب منهما مفعولًا به، نحو: "بنيت الدار، وشهدت يوم الجمل"

واحترز بقوله: "باطراد" من نحو: "دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" فإن كل واحد من "البيت، والدار، والشام" متضمن معنى "في" ولكن تضمنه معنى "في" ليس مطردًا؛ لأن أسماء المكان المختصة لا يجوز حذف "في" معها؛ فليس "البيت، والدار، والشام" في المثل منصوبة على الظرفية، وإنما هي منصوبة على التشبيه بالمفعول به؛ لأن الظرف هو: ما تضمن معنى "في" باطراد، وهذه متضمنة معنى "في" لا باطراد.

هذا تقرير كلام المصنف، وفيه نظر؛ لأنه إذا جعلت هذه الثلاثة ونحوها منصوبة على التشبيه بالمفعول به لم تكن متضمنة معنى "في"؛ لأن المفعول به غير متضمن معنى "في"؛ فكذلك ما شبه

به؛ فلایحتاج إلى قوله: "باطراد" لیخرجها؛ فإنها خرجت بقوله "ماضمن معنی فی" واللّٰہ تعالیٰ أعلم.

ظرف مفعول فیہ کی تعریف:

مصنفؒ نے ظرف کی تعریف کی ہے کہ ظرف وہ زمان یا مکان ہے جو "فــی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جیسے "امکث ھُنا ازمنا" (ھنا) ظرف مکان اور (ازمنا) ظرف زمان ہے۔ یہ دونوں فی کے معنی کو متضمن ہیں اس لئے کہ تقدیر عبارت یوں ہے "امکث فی ھذا الموضع، فی ازمن" "ضمن معنی فی" کہکر ان اسمائے زمان ومکان سے احتراز کیا جو "فــی" کے معنی کو متضمن نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ اسم زمان یا مکان کو مبتدا خبر بنایا جائے جیسے: یـوم الـجـمعۃ یوم مبارک، یوم عرفۃ یوم مبارک، الدار لذید اس حالت میں ان کو ظرف نہیں کہا جاتا اس لئے کہ یہ "فی" کے معنی کو متضمن نہیں ہیں۔

اسی طرح "سرت فی یوم الجمعة، جلست فی الدار" بھی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) معہذا اس کو ظرف کہنے میں نحویوں کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں "فی" ذکر ہے اس لئے تضمّن معنی فی نہ پائے جانے کی وجہ سے ظرف نہیں اور بعض اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ وکـذلک مـانـصب منهما مفعولاً به الخ۔ (باطراد) کہکر "دخلت البیت" سکنت الدار، ذھبت الشام سے احتراز کیا اس لئے کہ بیت، دار، شام اگرچہ "فـی" کے معنی کو متضمن ہیں۔ لیکن یہ تضمن قیاسی نہیں اس لئے کہ یہ (بیـت، دار، شـام) اسماء مکان مختص ہیں اور اسمائے مکان مختص سے "فی" کو حذف کرنا صحیح نہیں۔

پس بیـت، دار، شـام منصوب بنا بر ظرفیت نہیں بلکہ اس وجہ سے منصوب ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں اس لئے کہ ظرف وہ ہوتا ہے جو "فی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جبکہ ان کا تضمن قیاسی نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے کلام کا یہی حاصل ہے لیکن اس میں اشکال ہے اسلئے کہ ان تینوں کو اگر مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے تو یہ "فی" کے معنی کو متضمن ہی نہیں ہونگے۔ اس لئے کہ مفعول خود "فــی" کے معنی کو متضمن نہیں ہوتا تو اس کا مشابہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اطــراد کی قید کی ضرورت نہیں تھی کہ ان تینوں کو نکالا جا سکے "ماضمّن معنی فی" کے ساتھ خود بخود یہ نکل گئے۔ واللّٰہ اعلم۔

فَانْصِبْهُ بِالْوَاقِعِ فِيهِ مُظْهَرَا
كَانَ وَإِلَّا فَانْوِهِ مُقَدَّرَا

ترجمہ:.....پس آپ مفعول فیہ کو نصب دیں اس عامل سے جو اس میں واقع ہو ظاہر ہو ورنہ آپ اس کو مقدر مان لیں۔

(ش) حكم ما تضمن معنى "في" من أسماء الزمان والمكان النصب، والناصب له ما وقع فيه، وهو المصدر، نحو: "عجبت من ضربك زيدًا، يوم الجمعة، عند الأمير"، أو الفعل، نحو: "ضربت زيدًا، يوم الجمعة، أمام الأمير"، أو الوصف، نحو: "أنا ضارب زيدًا، اليوم، عندك".

وظاهر كلام المصنف أنه لا ينصبه إلا الواقع فيه فقط، وهو المصدر، وليس كذلك، بل ينصبه هو وغيره: كالفعل، والوصف.

والناصب له إما مذكور كما مثل، أو محذوف: جوازًا، نحو أن يقال: "متى جئت؟" فتقول: "يوم الجمعة"، و"كم سرت؟" فتقول: "فرسخين" والتقدير: "جئت يوم الجمعة، وسرت فرسخين".

أو وجوبًا، كما إذا وقع الظرف صفة، نحو: "مررت برجل عندك"، أو صلة، نحو: "جاء الذي عندك"، أو حالًا، نحو: "مررت بزيد عندك"، أو خبرًا في الحال أو في الأصل، نحو: "زيد عندك، وظننت زيدًا عندك"

فالعامل في هذه الظروف محذوف وجوبًا في هذه المواضع كلها، والتقدير في غير الصلة "استقر" أو "مستقر"، وفي الصلة "استقر"؛ لأن الصلة لا تكون إلا جملة، والفعل مع فاعله جملة، واسم الفاعل مع فاعله ليس بجملة، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

ظرف کا عامل:

جو "فی" کے معنی کو متضمن ہو اسمائے زمان یا مکان میں سے، تو اس کا حکم منصوب ہونا ہے۔ اس کا ناصب یا تو مصدر ہوگا۔ جیسے "عجبت من ضربك زيدًا يوم الجمعة عند الأمير" یا فعل ہوگا جیسے "ضربت زيدًا يوم الجمعة أمام الأمير" یا وصف ہوگا جیسے "أنا ضاربٌ زيدًا اليوم عندك"۔

شارح مصنفؒ پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نصب د
والا صرف مصدر ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ فعل اور وصف بھی اس کیلئے ناصب ہیں جس طرح مثالوں میں گزر گیا۔

حاشیہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظرف میں جو واقع ہوتا ہے وہ حدث ہے اور مص
حدث پر دلالت کرتا ہے مطابقۃً اور فعل اور وصف دلالت کرتے ہیں حدث پر بطریقہ تضمّن، تو مصنفؒ کے کلام کو اس
محمول کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مطابقی اور تضمّنی دونوں پر ظرف کو حمل کیا ہے۔ اسی طرح اس میں فعل اور وصف دونو
آجاتے ہیں۔ لہٰذا شارح کے اعتراض کی کوئی خاص وجہ نہیں۔

والناصب له امّامذكورٌالخ:

مفعول فیہ یعنی ظرف کو نصب دینے والا عامل یا مذکور ہوگا جس طرح گزر گیا اور یا جوازاً محذوف ہوگا جیسے ک
جائے "مَتٰى جئتَ" اور آپ کہیں یومَ الجمعة، اسی طرح "فرسخين" کہا جائے گا کَمْ سِرْتَ کے جوا
میں۔

کبھی اس کا حذف وجوبی ہوتا ہے بایں طور کہ ظرف صفت واقع ہو جائے جیسے "مررتُ برجلٍ عندک
یا صلہ واقع ہو جیسے "جاءَ الّذی عندک" یا حال ہو جیسے "مررت بزيد عندک" یا فی الحال خبر ہو جیسے "ز
عندک" یا اصل کے اعتبار سے خبر ہو جیسے "ظننتُ زيدًا عندک"۔

عامل ان تمام ظروف میں وجوباً حذف ہے صلہ کے علاوہ میں فعل (استَقَرَّ) اور اسم (مستقرٌّ) دونوں
مقدر مانا جاسکتا ہے۔ لیکن صلہ میں ضروری ہے کہ اس کا ناصب فعل (استقرّ) ہو اس لئے کہ فعل فاعل ملکر جملہ ہوتا
اور صلہ کیلئے جملہ ہونا ضروری ہے۔ اور اسم فاعل فاعل کے ساتھ پورا جملہ نہیں ہوتا۔

وَكُلُّ وَقْتٍ قَابِلٌ ذاكَ، وَمَا
يَقْبَلُهُ الْمَكَانُ الَّا مُبْهَمَا
نَحْوُ الْجِهَاتِ وَمَا
صِيْغَ مِنَ الْفِعْلِ كَمَرْمًى مِنْ رَمٰى

ترجمہ:...... اور ہر اسم زمان نصب کو قبول کرتا ہے، اور اسم مکان نصب کو قبول نہیں کرتا مگر اس وقت جب وہ مبہم ہو جیسے جهات اور مقدار اور وہ جو فعل سے بنائے گئے جیسے مَرْمٰی جو رمَی سے ماخوذ ہے۔

ش) یعنی أن اسم الزمان یقبل النصب علی الظرفیة: مبهما کان، نحو: "سرت لحظة، وساعة" أو مختصًا: إما بإضافة، نحو: "سرت یوم الجمعة"، أو بوصف نحو: "سرت یوما طویلا" أو بعدد، نحو: "سرت یومین"

وأما اسم المکان فلا یقبل النصب منه إلا نوعان؛ أحدهما: المبهم،

والثانی: ما صیغ من المصدر بشرطه الذی سنذکره، والمبهم کالجهات [الست]، نحو: "فوق، وتحت، [ویمین، وشمال] وأمام، وخلف" ونحو هذا، کالمقادیر، نحو: "غلوة، ومیل، وفرسخ، وبرید" تقول: "جلست فوق الدار، وسرت غلوة" فتنصبهما علی الظرفیة.

وأما ما صیغ من المصدر، نحو: "مجلس زید، ومقعده" فشرط نصبه — قیاسًا — أن یکون عامله من لفظه، نحو: "قعدت مقعد زید، وجلست مجلس عمرو" فلو کان عامله من غیر لفظه تعین جرّه بفی، نحو: "جلست فی مرمی زید"؛ فلا تقول: "جلست مرمی زید" إلا شذوذًا.

ومما ورد من ذلک قولهم: "هو منی مقعد القابلة، ومزجر الکلب، ومناط الثریا" أی: کائن مقعد القابلة، ومزجر الکلب، ومناط الثریا، والقیاس: "هو منی فی مقعد القابلة، وفی مزجر الکلب، وفی مناط الثریا" ولکن نصب شذوذًا، ولا یقاس علیه، خلافًا للکسائی، وإلی هذا أشار بقوله:

وَشَــرْطُ کَــوْنِ ذَا مَــقِیْسًــا أَنْ یَــقَـعْ
ظَــرْفًــا لِــمَــا فِــی أَصْــلِــهِ مَعَــهُ اجْتَمَعْ

أی: وشرط کون نصب ما اشتق من المصدر مقیسًا: أن یقع ظرفًا لما اجتمع معه فی أصله، أی: أن ینتصب بما یجامعه فی الاشتقاق من أصل واحد، کمجامعة: "جلست" ب"مجلس" فی الاشتقاق من الجلوس؛ فأصلهما واحد، وهو: "الجلوس"

وظاهر كلام المصنف أن المقادير وما صيغ من المصدر مبهمان؛ أما المقادير فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها ـ وإن كانت معلومة المقدار ـ فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علي الشلوبين إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صيغ من المصدر فيكون مبهمًا نحو: "جلست مجلسًا" ومختصًا، نحو: "جلست مجلس زيد".

وظاهر كلامه أيضًا أن "مرمى" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين؛ فإن مذهبهم أنه مشتق من المصدر، لا من الفعل.

وإذا تقرر أن المكان المختص ـ وهو: ما له أقطار تحويه ـ لا ينصب ظرفًا، فاعلم أنه سمع نصب كل مكان مختص مع "دخل، وسكن" ونصب "الشام" مع "ذهب" نحو: دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" واختلف الناس في ذلك فقيل: هي منصوبة على الظرفية شذوذًا، وقيل: منصوبة على إسقاط حرف الجر، والأصل "دخلت في الدار" فحذف حرف الجر فانتصب الدار، نحو: "مررت زيدًا" وقيل: منصوبة على التشبيه بالمفعول به.

ترجمہ وتشریح:

اسم زمان اور اسم مکان کے نصب کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اسم زمان مطلقاً نصب بنا برظرفیت کو قبول کرتا ہے چاہے مبہم ہو یا مختص، مبہم کی مثال "سرتُ لحظة وساعة" (میں تھوڑی دیر چلا، اس تھوڑی دیر میں ابہام ہے)

مختص بالاضافة کی مثال "سرتُ يوم الجمعة"، مختص بالوصف کی مثال "سرت يومًا طويلاً، مختص بالعدد کی مثال "سرت يومين" اسم مکان میں سے نصب بنا برظرفیت کو صرف دو قسمیں قبول کرتی ہیں۔ ایک قسم مبہم ہے جیسے جہات ست (چھ جہتیں) فوق، تحت، يمين، شمال، أمام، خلف۔ اور مقادیر (یہ بھی مبہمات میں داخل ہیں مزید وضاحت آگے آرہی ہے) جیسے غلوة، ميل، فرسخ، بريد، چنانچہ آپ کہینگے جلستُ فوق الدار، سرتُ غلوةً۔ (غلوة تین سو گز، میل دس غلوے اور فرسخ تین میل اور برید چار فرسخ کہلاتے ہیں وفيه اقوال آخر كما في الحاشية)

ب۔ اسم مکان جس نے نصب بنا بر ظرفیت کو قبول کرنے والی دوسری قسم وہ اسم مکان ہے جو مصدر سے بنائے گئے ہوں جیسے مجلس، مقعد یہ اسم مکان ہیں منصوب بنا بر ظرفیت ہیں۔ (چنانچہ جلست مجلس زید، قعدت مقعد زید کہا جاتا ہے)

لیکن اس قسم کیلئے شرط یہ ہے کہ ان کا عامل ان کے لفظ ہی سے ہو جیسے مذکورہ دونوں مثالوں میں ہے اگر عامل ان کے لفظ سے نہ ہو تو ان کا مجرور ہونا "فی" کے ساتھ متعین ہوگا جیسے "جلست فی مرمی زید" (یہاں چونکہ مرمی کا عامل جلست من غیر لفظہ ہے لہذا اس کا مجرور ہونا "فی" کے ذریعے متعین ہے)

پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ "ھو منی مقعد القابلة، مزجر الکلب، مناط الثریا" جیسی مثالوں میں عامل من لفظہ نہ ہونے کے باوجود نصب آیا ہے۔ علماء نے اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں نصب شذوذ ہے لہٰذا باقی کو قیاس نہیں کیا جاتا اگرچہ امام کسائی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

فلان منی مقعد القابلة، جب یہ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں میرے اتنے قریب ہیں جس طرح بچہ کی ولادت کے وقت ساتھ بیٹھنے والی عورت قریب ہوتی ہے اور "فلان منی مزجر الکلب" کہہ کر ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں مجھ سے اتنا دور ہے جس طرح وہ جگہ دور ہوتی ہے جہاں کتے کو بھگایا جاتا ہے مقصود اس کی مذمت ہے اور "فلان منی مناط الثریا" (ثریا ستاروں کا نام ہے) سے بھی بعد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے)

اس شرط کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے

وَشَرطُ كَوْنِ ذَا مَقِيسًا أَنْ يَقَعْ
ظَرْفًا لِمَا فِي أَصْلِهِ مَعْهُ اجْتَمَعْ

ترجمہ:...... جو مصدر سے مشتق ہوں ان کے نصب کی شرط قیاساً یہ ہے کہ وہ ظرف واقع ہوا ایسے فعل (عامل) کیلئے جس کے ساتھ یہ اصل میں جمع ہو۔

(ش) أی: وشرط كون نصب ما اشتق من المصدر مقيسًا: أن يقع ظرفًا لما اجتمع معه في أصله، أی: أن ينتصب بما يجامعه في الاشتقاق من أصل واحد، كمجامعة "جلست" لـ "مجلس" في الاشتقاق من الجلوس، فأصلهما واحد، وهو "الجلوس"

وظاهر كلام المصنف أن المقادير وما صيغ من المصدر مبهمان، أما المقادير فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها -وإن كانت معلومة المقدار- فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علي الشلوبين إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صيغ من المصدر فيكون مبهمًا، نحو: "جلست مجلسًا" ومختصًا، نحو: "جلست مجلس زيد"

وظاهر كلامه أيضًا أن "مرمى" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين، فإن مذهبهم أنه مشتق من المصدر، لا من الفعل.

وإذا تقرر أن المكان المختص -وهو: ماله أقطار تحويه- لا ينتصب ظرفًا، فاعلم أنه سمع نصب كل مكان مختص مع "دخل، وسكن" ونصب "الشام" مع "ذهب" نحو: "دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" واختلف الناس في ذلك، فقيل: هي منصوبة على الظرفية شذوذًا، وقيل: منصوبة على إسقاط حرف الجر، والأصل "دخلت في الدار" فحذف حرف الجر، فانتصب الدار، نحو: "مررت زيدًا" وقيل: منصوبة على التشبيه بالمفعول به.

ترجمہ وتشریح:

یعنی مصدر سے مشتقات (جیسے مجلس جلوس سے مشتق ہے) کے قیاسی طور پر نصب کیلئے شرط یہ ہے کہ یہ ایسے فعل (عامل) کے ذریعہ منصوب ہوں کہ جس کے ساتھ یہ ایک اصل (اصل سے مراد مادّہ ہے نہ کہ مصدر) سے مشتق ہونے میں جمع ہوں یعنی ان کا فعل اور خود یہ ایک مصدر سے مشتق ہوں (قعدت مقعد زید، جلست مجلس زید والی مثال میں بھی اس شرط کی طرف اشارہ ذکر ہوا) جیسے جلست مجلس کے ساتھ جلوس سے مشتق ہونے میں شریک (جمع) ہے)۔

وظاهر كلام المصنف:

مصنفؒ نے متن میں "وما يقبله المكان الا مبهمًا نحو الجهات والمقادير وما صيغ من الفعل" کہا تھا شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے اس ظاہری کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقادیر اور جو مصدر سے بنائے جاتے ہیں دونوں قسم کے اسم مکان مبہمات میں داخل ہیں (اس لئے کہ ماصيغ من الفعل، المقادير پر عطف ہے

اور معطوف معطوف علیہ حکم میں برابر ہوتے ہیں) حالانکہ اس میں تھوڑی تفصیل ہے وہ یہ کہ مقادیر میں اختلاف ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ ظروف مبہم ہیں مقدار اگرچہ ان کا معلوم ہے (جو اس سے پہلے گزر گئی مثلاً غلوۃ تین سوگز ہے وغیرہ) لیکن یہ صفت کے اعتبار سے مجہول ہیں (اس لئے کہ اس کا محل متعین نہیں) لہذا استاذ ابوعلی الشلوبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظروف مبہمہ میں سے ہیں اس لئے کہ ان کی مقدار معلوم ہے (مقدار کے معلوم ہونے کی وجہ سے مبہمات میں داخل نہیں صفت اگرچہ مجہول ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں)۔

اور جو اسم مکان مصدر سے بنائے گئے ہیں وہ مبہم بھی ہوتے ہیں جیسے "جلست مجلسا" اور مختص بھی جیسے "جلست مجلس زید" الغرض (شارح فرماتے ہیں کہ) مصنفؒ کے کلام کا ظاہر مراد نہیں۔

وظاهر كلامه ايضًا:

مصنفؒ کے قول "كمرمى من رمى" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ "مرمى" رمى فعل سے مشتق ہے حالانکہ بصریین کا یہ مسلک نہیں بلکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ یہ مصدر سے مشتق ہے فعل سے نہیں۔ (مصدر اصل ہے یا فعل اس کی تفصیل گزر چکی مع ما فيه من الاختلاف)

وإذا تقرّر الخ:

اب جبکہ یہ بات معلوم ہوئی کہ اسم مکان میں صرف مبہم منصوب بنا بر ظرفیت کو قبول کرتے ہیں اور وہ بھی قبول کرتے ہیں جو مصدر سے مشتق ہوں تو اس سے پتہ چلا کہ ان کے علاوہ مکان مختص منصوب بنا بر ظرفیت نہیں ہوتا۔ لیکن "دخلت البيتَ، سكنتُ الدّارَ، ذهبتُ الشامَ" جیسی مثالوں میں بیت، دار، شام، مکان مختص ہونے کے باوجود منصوب ہیں (شارح فرماتے ہیں) چنانچہ اس میں اختلاف ہو گیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ منصوب بنا بر ظرفیت ہیں لیکن شاذ کے طور پر، اور بعض کے نزدیک منصوب ہیں حرف جر کے اسقاط کے ساتھ (یعنی منصوب بنزع الخافض) جیسا کہ مَرَرْتُ زيدًا میں ہوا ہے۔

اور بعض کے نزدیک اس وجہ سے ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں۔ (اور بعض فرماتے ہیں کہ منصوب ہیں اس بنا پر کہ حقیقۃً مفعول بہ ہیں اس لئے کہ "دخــل" کبھی بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ حرف جر" تاہم یہ صرف "دخل" ہی میں ہے ذَهَبَ وغیرہ میں نہیں) ولِكُلٍّ وجهٌ

وَمَا يُرَى ظَرْفًا وَغَيْرَ ظَرْفِ
فَذَاكَ ذُو تَصَرُّفٍ فِي الْعُرْفِ
وَغَيْرُ ذِي التَّصَرُّفِ، الَّذِي لَزِمْ
ظَرْفِيَّةً أَوْ شِبْهَهَا مِنَ الْكَلِمْ

ترجمہ:......اور جوظرف اور غیر ظرف دیکھا جاتا ہے تو نحویوں کے عرف (اصطلاح) میں وہ متصرف ہے اور غیر متصرف کلموں میں وہ ہے جو ظرفیت یا شبہ ظرفیت کے ساتھ لازم ہو۔

(ش) ينقسم اسم الزمان واسم المكان إلى: متصرف، وغير متصرف؛ فالمتصرف من ظرف الزمان أو المكان: ما استعمل ظرفًا وغير ظرف، ک"يوم، ومكان" فإن كل واحد منهما يستعمل ظرفًا، نحو: "سرت يومًا، وجلست مكانًا"، ويستعمل مبتدأ، نحو: "يوم الجمعة يوم مبارک، ومکانک حسن"، وفاعلا، نحو: "جاء يوم الجمعة، وارتفع مكانک"

وغير المتصرف: هو ما لا يستعمل إلا ظرفًا أو شبهه نحو: "سحر" إذا أردته من يوم بعينه فإن لم ترده من يوم بعينه فهو متصرف، كقوله تعالى: ﴿إلا آل لوط نجيناهم بسحر﴾، و"فوق" نحو: "جلست فوق الدار" فكل واحد من "سحر" و"فوق" لا يكون إلا ظرفًا.

والذي لزم الظرفية أو شبهها "عند [ولدن]" والمراد بشبه الظرفية أنه لا يخرج عن الظرفية إلا باستعماله مجرورًا ب"من"، نحو: "خرجت من عند زيد" ولا تجر "عند" إلا ب"من" فلا يقال "خرجت إلى عنده"، وقول العامة: "خرجت إلى عنده" خطأ.

اسم زمان ومکان کی قسمیں

اسم زمان اور اسم مکان ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ متصرف اور غیر متصرف۔ متصرف وہ ہے جو ظرف اور غیر ظرف دونوں استعمال ہوتا ہے جیسے "یوم، مکان"۔ چنانچہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے "سرت یومًا" "جلست مکانًا" اور مبتدا بھی جیسے "یوم الجمعة یوم مبارک، مکانک حسن" اور فاعل بھی جیسے "جاء یوم الجمعة، ارتفع مکانک".

غیر متصرف کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو صرف نصب بنا ظرفیت کو لازم ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو ظرفیت کو یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو۔ صرف ظرفیت کو لازم ہو اس کی شارح نے دو مثالیں دی ہیں ایک سحر جب معین سحر مراد نہ ہو ورنہ پھر متصرف ہوگا۔ جو باری تعالیٰ کے اس قول میں ہے "إلّا آل لوط نجّيناهم بسحرٍ" (بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی، سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے) دوسری مثال "فوق" کی جیسے "جلست فوق الدار" ان دونوں مثالوں میں نصب بنا بر ظرفیت لازم ہے۔

ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو اس کی مثال "عند" "لدنْ" ہے ان میں یا تو نصب بنا بر ظرفیت ہے یا جر بوجہ مِنْ ہے یعنی ظرفیت سے نکلنے کیلئے "مِنْ" کے ساتھ اس کا مجرور ہونا ضروری ہے جیسے: خرجت من عند زید. (الیٰ کے ساتھ عند مجرور استعمال نہیں ہوگا۔ چنانچہ "خرجت الیٰ عنده" کہنا صحیح نہیں عام حضرات کا اس طرح کہنا غلطی ہے)

فائدہ نمبرا...... مصنفؒ کے قول "الذی لزم ظرفیةً او شبهها" میں او شبهها کو اگر متن میں مذکور "ظرفیةً" پر عطف کیا جائے تو اس سے غیر متصرف کی ایک ہی قسم معلوم ہوتی ہے جو ظرفیت کو اور شبہ ظرفیت کو لازم ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ او شبهها متن میں مذکور "ظرفیة" پر عطف نہیں بلکہ یہ محذوف عبارت پر عطف ہے اى لزم ظرفیة فقط او ظرفیة او شبهها "اس صورت میں غیر متصرف کی دو قسمیں ہونگی ایک وہ قسم جو ظرفیت کو لازم ہو اور دوسری قسم جو ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو لہذا متن اور شرح دونوں میں تقدیر عبارت وہی ہونی چاہیے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

فائدہ نمبر۲:...... شارح نے غیر متصرف کی اس قسم کی جو نصب بنا بر ظرفیت کو لازم ہے دو مثالیں پیش کی ہیں ایک

"سحر" کی جو کہ صحیح ہے اور دوسری "فوق" والی جو صحیح نہیں اس لئے کہ "فوق" غیر متصرف کی دوسری قسم "الذی لزم ظرفیۃ اوشبھھا" کے تحت داخل ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں یہ "مِنْ" کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے کما فی قولہ تعالیٰ "فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ"۔

وَقَدْ يَنُوبُ عَنْ مَكَانٍ مَصْدَرُ
وَذَاكَ فِي ظَرْفِ الزَّمَانِ يَكْثُرُ

ترجمہ:...... اور کبھی ظرف مکان کی جگہ مصدر نائب ہوکر آتا ہے اور یہ ظرف زمان میں اکثر ہوتا ہے۔

(ش) ينوب المصدر عن ظرف المكان قليلا، كقولك: "جلست قرب زيد" أى: مكان قرب زيد، فحذف المضاف وهو "مكان" وأقيم المضاف إليه مقامه فأعرب بإعرابه، وهو النصب على الظرفية، ولا ينقاس ذلك، فلا تقول: "آتيك جلوس زيد" تريد مكان جلوسه.

ويكثر إقامة المصدر مقام ظرف الزمان، نحو: "آتيك طلوع الشمس، وقدوم الحاج، وخروج زيد" والأصل: وقت طلوع الشمس، ووقت قدوم الحاج، ووقت خروج زيد، فحذف المضاف، وأعرب المضاف إليه بإعرابه، وهو مقيس فى كل مصدر.

ترجمہ و تشریح:

مصدر کبھی ظرف مکان کی جگہ پر آتا ہے جیسے "جَلَسْتُ قُرْبَ زَيْدٍ" ای مکان قرب زید" مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا جو کہ نصب بنا بر ظرفیت ہے لیکن قیاسی نہیں چنانچہ آپ "آتيك جلوس زيد" نہیں کہہ سکتے یہاں تريد مكان جلوسه؟

ویکثر الخ:

مصدر کو ظرف زمان کی جگہ قائم مقام بنانا کثیر ہے جیسے "وقت طلوع الشمس، ووقت قدوم الحاج، ووقت خروج زيد" مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا، اور یہ ہر مصدر میں قیاسی ہے، الغرض مصدر کا ظرف مکان کی جگہ آنا سماعی ہے اور اسم زمان کی جگہ آنا قیاسی ہے۔

وصلت إلى هذا المقام ليلة ۲٦ رمضان المبارك ۱۴۲۵ھ

المفعول معه

يُنْصَبُ تَالِى الواوِ مفعولاً مَعَهْ
فى نحوِ سيرى والطريقَ مُسْرِعَهْ
بِمَا مِنَ الفعلِ وَشِبْهِهِ سَبَقْ
ذَا النصبُ، لا بالواوِ فى القولِ الأحقّ

ترجمہ:...... واؤ کے بعد آنے والے (اسم) کو مفعول معہ کی حیثیت سے نصب دیا جاتا ہے "سیری والطریقَ مسرعة" جیسی ترکیب میں اور یہ نصب اس فعل یا شبہ فعل کی وجہ سے ہے جو پہلے ہو نہ واو کی وجہ سے صحیح قول کے مطابق۔

(ش) المفعول معه هو: الاسم، المنتصب، بعد واو بمعنى مع. والناصب له ماتقدمه: من الفعل، أو شبهه. فمثال الفعل: "سيرى و الطريق مسرعة" أى: سيرى مع الطريق، فالطريق منصوب بسيرى.

ومثال شبه الفعل: "زيد سائر و الطريق" و "أعجبنى سيرك و الطريق" فالطريق: منصوب بسائر و سيرك.

وزعم قوم أن الناصب للمفعول معه الواو، وهو غير صحيح؛ لأن كل حرف اختص بالاسم ولم يكن كالجزء منه، لم يعمل إلا الجر، كحروف الجر، وإنما قيل: "ولم يكن كالجزء منه" احترازاً من الألف و اللام؛ فإنها اختصت بالاسم ولم يعمل فيه شيئاً؛ لكونها كالجزء منه، بدليل تخطى العامل لها، نحو: "مررت بالغلام"

ويستفاد من قول المصنف: "فى نحو سيرى و الطريق مسرعة" أن المفعول معه مقيس فيما كان مثل ذلك، وهو: كل اسم وقع بعد واو بمعنى مع، وتقدمه فعل أو شبهه، و[هذا] هو الصحيح من قول النحويين.

وكذلك يفهم من قوله: "بما من الفعل وشبهه سبق" أن عامله لابدّ أن يتقدم عليه؛ فلا تقول: "و النيل سرت" وهذا باتفاق، أمّا تقدمه على مصاحبه -نحو: "سار و النيل زيد"- ففيه خلاف،

والصحيح منعه.

ترجمہ وتشریح:

مفعول معہ کی تعریف:

مفعول معہ وہ اسم منصوب ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو مع کے معنی میں ہو اور اس کا ناصب وہی عامل ہے جو اس سے پہلے واقع ہو چکا ہے وہ فعل ہو یا شبہ فعل۔

فعل کی مثال "سیری والطریق مسرعة" (چلی جا راستہ کے ساتھ جلدی) ای "سیری مع الطریق" طریق یہاں "سیری" کی وجہ سے منصوب ہے۔

شبہ فعل کی مثال:

"زید سائر والطریق، اعجبنی سیرک والطریق"

وزعم الخ:

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مفعول معہ کو نصب دینے والا واو ہی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جو حرف اسم کے ساتھ خاص ہو اور اس کے جزء کی طرح نہ ہو تو وہ صرف جر کا عمل ہی کرتا ہے جیسے حروف جارہ اسم کے ساتھ خاص ہیں اور جزء کی طرح نہیں (بلکہ منفصل ہیں) لہذا یہ حرف جر ہی دیتے ہیں۔

"لم یکن کالجزء منه" کہکر احتراز کیا الف لام سے اس لئے کہ الف لام بھی اسم کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس نے عمل اسم میں عمل اس لئے نہیں کیا کہ یہ اسم کے جزء کی طرح ہیں بایں وجہ کہ عامل اسی پر داخل ہوتا ہے جیسے "مررت بالغلام"

وَيُسْتَفَادُ الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے قول "فی نحو سیری والطریق مسرعة" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معہ ہر اس جگہ میں قیاسی ہے جو اس کی طرح ہو۔ اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو "مع" کے معنی میں ہو اور اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو یہ نحویوں کا صحیح قول ہے۔

وکذلک یفھم الخ

مصنفؒ کے قول "وبما من الفعل وشبهه سبق" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معہ میں عامل کا مقدم ہونا ضروری ہے چنانچہ "والنيل سرت" (میں انعام وکامیابی کے ساتھ چلا) نہیں کہہ سکتے اس مسئلہ میں اتفاق ہے البتہ عامل کے مصاحب (ساتھ، یعنی فاعل) پر تقدیم صحیح ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مفعول معہ کی تقدیم صحیح نہیں (اگرچہ ابن جنی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق جائز ہے)

وَبَعْدَ مَا اسْتِفْهَامٍ اَوْ "كَيْفَ" نَصَبْ

بِفِعْلِ كَوْنٍ مُضْمَرٍ بَعْضُ الْعَرَبْ

ترجمہ:...... ما استفہامیہ اور کیف کے بعد مادہ کون کے مقدر فعل سے بعض عرب نے مفعول معہ کو نصب دیا ہے۔

(ش) حقّ المفعول [معه] أن يسبقه فعل أو شبهه، كما تقدم تمثيله، وسمع من كلام العرب نصبه بعد "ما" و"كيف" الاستفهاميتين من غير أن يلفظ بفعل، نحو: "ما أنت وزيدًا" و"كيف تكون وقصعة من ثريد"، فزيدًا وقصعة: منصوبان ب"تكون" المضمرة.

ترجمہ وتشریح:

پہلے گزر گیا کہ اس سے فعل یا شبہ فعل آتا ہے لیکن کلام عرب سے "ما" اور "کیف" استفہامیہ کے بعد اس کا نصب بھی مسموع ہے حالانکہ فعل بظاہر لفظوں میں نہیں ہوتا، جیسے "ما انت وزيدًا" "كيف انت وقصعة من ثريد" نحویوں نے ان جیسی مثالوں میں "کون" کے مادہ کا فعل محذوف مانا ہے "والتقدير" "ما" "تكون وزيدًا" "كيف تكون وقصعة من ثريد" "زیدًا اور قصعة" یہاں محذوف تکون کی وجہ سے منصوب ہیں۔

فائدہ:...... شرح ابن عقیل کے محشی نے اس مقام پر عجیب بات کہی ہے کہ باوجود اس کے کہ کلام عرب میں "ما" اور "کیف" کے بعد نصب آیا ہے لیکن یہ پھر بھی قلیل ہے زیادہ تر ان دونوں کے بعد ماقبل پر عطف کر کے رفع سنا گیا ہے الی اخرہ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

هذا ما كتبه العبد الضعيف في اليوم الاوّل من عيد الفطر ۱۴۲۵ھ فالحمد لله

والعطفُ إنْ يمكنْ بلاَ ضَعفٍ أحق
والنصبُ إن يمكنُ بلاَ ضَعفٍ أحق
والنصبُ مختارٌ لدى ضعفِ النَّسَقْ
والنصبُ ن لَمْ يَجُزِ العطفُ يجبْ
أواعتقدْ إضمارَ عاملٍ تُصِبْ

ترجمہ:..... اگر بغیر کسی ضعف کے عطف ممکن ہو تو زیادہ احق ہے اور نصب پسندیدہ ہے جب عطف کمزور ہو۔
اور اگر عطف جائز نہ ہو تو پھر نصب واجب ہے یا آپ عامل کو مقدر مان لیں (اگر آپ نے یہ کیا تو) آپ حق تک پہنچ جائیں گے۔

(ش) الاسم الواقع بعد هذه الواو: إما أن يمكن عطفه على ماقبله، أو لا، فإن أمكن عطفه فإما أن يكون بضعف، أو بلا ضعف.

فإن أمكن عطفه بلاضعف فهو أحق من النصب، نحو: "كنت أنا وزيد كالأخوين" فرفع "زيد" عطفا على المضمر المتصل أولى من نصبه مفعولا معه؛ لأن العطف ممكن للفصل، والتشريك أولى من عدم التشريك، ومثله "سار زيد وعمرو" فرفع "عمرو" أولى من نصبه.

وإن أمكن العطف بضعف فالنصب على المعية أولى من التشريك، لسلامته من الضعف، نحو: "سرت وزيدا" فنصب "زيد" أولى من رفعه لضعف العطف على المضمر المرفوع المتصل بلا فاصل.

وإن لم يمكن عطفه تعين النصب: على المعية، أو على إضمار فعل [يليق به]، كقوله:

علفتها تبنا وماء باردا

فماء: منصوب على المعية، أو على إضمار فعل يليق به، والتقدير: "وسقيتها ماء باردا" وكقوله تعالى: ﴿فأجمعوا أمركم وشركاءكم﴾ فقوله: "وشركاءكم" لايجوز عطفه على "أمركم"؛ لأن العطف على نية تكرار العامل، إذ لايصح أن يقال: "أجمعت شركائي" وإنما يقال: "أجمعت أمري، وجمعت

شركائي "فشركائي: منصوب على المعية، والتقدير –والله أعلم– فأجمعوا أمركم مع شركائكم، أو منصوب بفعل يليق به، والتقدير: "فأجمعوا أمركم واجمعوا شركاء كم"

ترجمہ وتشریح:

مفعول معہ کے واو کا ماقبل پر عطف:

مفعول معہ میں جس واو کا ذکر ہوتا ہے اس کا ماقبل پر عطف ممکن ہوگا یا نہیں اگر ممکن ہے تو ضعف (ترکیبی کمزوری) کے ساتھ ہوگا یا بغیر ضعف کے۔

اگر عطف بغیر ضعف کے ممکن ہو تو یہ نصب سے زیادہ احق (حقدار) ہے جیسے "کنت انا وزید کالاخوین" یہاں زید کو ت ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا اولی ہے اس سے کہ اس کو نصب بنابر مفعول معہ دیا جائے اس لئے کہ یہاں عطف فاصلہ کی وجہ سے ممکن ہے (قاعدہ ہے کہ عطف ضمیر متصل پر اس وقت جائز ہے جب اس کی تاکید منفصل کے ساتھ ہو یہاں انا بھی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید حاصل ہے اس لئے بغیر ضعف کے عطف ممکن ہے) اور حکم میں شریک ہونا (جیسا معطوف، معطوف علیہ میں ہوتا ہے) عدم شرکت سے اولی ہے "ومنه سار زید وعمرو"

وان امکن الخ:

اگر عطف ممکن ہو لیکن ضعف کے ساتھ تو اس صورت میں نصب بنابر معیت اولی ہے۔ تحریک سے جیسے "سرت وزیدا" یہاں زید کو ضمیر مرفوع متصل پر عطف کر سکتے ہیں لیکن چونکہ اس کی تاکید منفصل سے نہیں ہوئی ہے (جس کا ہونا ضروری ہے) اس لئے ضعیف ہے۔

اور اگر عطف بالکل معنی کے فساد کی وجہ سے ممکن ہی نہ ہو تو نصب بنابر معیت یا مناسب فعل کو مقدر ماننا ضروری ہوگا جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۶ –علفتها تبنا وماء باردا

ترجمہ:...... میں نے اس (جانور) کو چارہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی (پلایا)

تشریح المفردات:

(التبن) بھوسا، جانوروں کی خوراک کا چارہ۔ ماء باردًا ٹھنڈا پانی۔

محل استشہاد:

(وماءً باردًا) محل استشہاد ہے اس کا عطف ماقبل پر ممکن نہیں ہے اس لئے معطوف معطوف علیہ کا عامل ایک دوسرے پر مسلط ہوتا ہے یہاں معطوف علیہ کا عامل معطوف پر مسلط نہیں ہوتا اس لئے کہ عَلَفْتُهَا مَاءً نہیں کہا جاتا ہے (کیونکہ چارہ کھلایا جاتا ہے اور پانی کھلایا نہیں جاتا بلکہ پلایا جاتا ہے یعنی عطف کی صورت میں پانی پر "کھلانے" کا حکم لگے گا جو کہ صحیح نہیں۔) اس وجہ سے یہ "مَاءً بَارِدًا" یا تو منصوب بنابر معیت ہے یا سقیتھا "فعل یہاں حذف ہے۔ ای وسقیتھا ماءً باردًا"

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فَاجمعُوا امرکُم وشرکاءَ کُمْ"

یہاں "شرکاء کم" کا عطف "امرکم" پر صحیح نہیں اس لئے کہ عطف کی صورت میں اجمعوا شرکاء کم" کہا جائے گا اس لئے کہ "اجمع" ہمزہ کے ساتھ صرف معانی میں استعمال ہوتا ہے "ذوات" میں استعمال نہیں ہوتا (شرکاء یہاں ذوات ہیں) ہاں بغیر ہمزہ کے "جمع" دونوں میں مشترک ہے۔ چنانچہ "شرکائی" منصوب بنابر معیت ہے۔ ای أجمعوا امرکم مع شرکاء کم یا مناسب فعل محذوف ہے ای اجمعوا امرکم واجمعوا شرکاء کم۔

الاستثناء

مَا اسْتَثْنَتِ "الَّا" مَعَ تَمَامٍ يَنْتَصِبْ
وَبَعْدَ نَفْيٍ أَوْ كَنَفْيٍ انْتُخِبْ

اتْبَاعُ مَا اتَّصَلَ، وَانْصِبْ مَا انْقَطَعْ
وَعَنْ تَمِيمٍ فِيهِ إِبْدَالٌ وَقَعْ

ترجمہ:...... جس کو الا مستثنیٰ کرے کلام کے تام ہونے کے بعد (کلام موجب کی قید یہاں سے مفہوم ہوتی ہے اس لئے کہ بعد میں غیر موجب کو ذکر کیا ہے صراحۃً کلام موجب ذکر نہیں) اور نفی یا شبہ نفی کے بعد مستثنیٰ متصل کو تابع بنانا پسندیدہ ہے اور مستثنیٰ منقطع کو آپ منصوب ہی کریں اور تمیموں سے اس میں بھی بدل واقع ہونا صحیح ہے (یعنی ان کے ہاں پہلے کی طرح یہاں بھی تابع بنا سکتے ہیں)

ش) حكم المستثنى بـ "إلا" النصب، إن وقع بعد تمام الكلام الموجب، سواء كان متصلا أو منقطعًا، نحو: "قام القوم إلا زيدًا، وضربت القوم إلا زيدًا ومررت بالقوم إلا زيدًا، وقام القوم إلا حمارًا وضربت القوم إلا حمارًا ومررت بالقوم إلا حمارًا" فـ "زيدًا" في هذه المثل منصوب على الإستثناء، وكذلك "حمارًا"

والصحيح من مذاهب النحويين أن الناصب له ما قبله بواسطة "إلا" واختار المصنف — في غير هذا الكتاب — أن الناصب له "إلا" وزعم أنه مذهب سيبويه وهذا معنى قوله: "ما استثنت الا مع تمام ينتصب" أي: أنه ينتصب الذى استثنته "إلا" مع تمام الكلام، إذا كان موجبًا.

فإن وقع بعد تمام الكلام الذى ليس بموجب — وهو المشتمل على النفي، أو شبهه، والمراد بشبه النفي: النهي، والاستفهام — فإما أن يكون الاستثناء متصلاً، أو منقطعًا، والمراد بالمتصل: أن يكون المستثنى بعضًا مما قبله، وبالمنقطع: ألا يكون بعضًا مما قبله.

فإن كان متصلا، جاز نصبه على الاستثناء،وجاز إتباعه لما قبله في الإعراب، وهو المختار، والمشهور أنه بدل من متبوعه،وذلك نحو: "ماقام أحد إلا زيد، وإلا زيدًا، ولا يقم أحد إلا زيد، وإلا زيدًا، وهل قام أحد إلا زيد؟ وإلا زيدًا؟ وماضربت أحدًا إلا زيدًا، ولا تضرب أحدًا إلا زيدًا، وهل ضربت أحدًا إلا زيدًا؟ فيجوز في "زيدًا" أن يكون منصوبًا على الاستثناء، وأن يكون منصوبًا على البدلية من "أحد"، وهذا هو المختار،وتقول: "مامررت بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، ولا تمرر بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، وهل مررت بأحد إلا زيد؟ وإلا زيدًا۔

وهذا معنى قوله: "وبعد نفي أو كنفي انتخب إتباع ما اتصل" أي: اختير إتباع الاستثناء المتصل، إن وقع بعد نفي أو شبه نفي.

وإن كان الاستثناء منقطعًا تعيّن النصب عند جمهور العرب؛ فتقول ماقام القوم إلا حمارًا" ولا يجوز الاتباع وأجازه بنو تميم فتقول: "ما قام القوم إلا حمار، وما ضربت القوم إلا حمارًا، وما مررت بالقوم إلا حمار"

وهذا هو المراد بقوله: "وانصب ما انقطع" أي: انصب الاستثناء المنقطع إذا وقع بعد نفي أو شبهه عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجيزون إتباعه.

فمعنى البيتين أن الذي استثنى بـ"إلا" ينتصب إن كان الكلام موجبًا ووقع بعد تمامه، وقد نبه على هذا التقييد بذكره حكم النفي بعد ذالك واطلاق كلامه يدلّ على أنه ينتصب، سواء كان متصلا أو منقطعًا.

وإن كان غير موجب — وهو الذي فيه نفي أو شبه نفي — انتخب — أي: اختير — اتباع ما اتصل ووجب نصب ما انقطع عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجيزون إتباع المنقطع.

مستثنیٰ باعتبار وجوہ اعراب

یہاں سے مستثنیٰ کے اعراب کی مختلف صورتیں بتا رہے ہیں۔

تمہید کے طور پر چند اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) استثناء کسی چیز کو الگ کرنا علیحدہ کرنا۔

(۲) ادات استثناء استثناء کے حروف جیسے الا وغیرہ

(۳) مستثنیٰ جس کو الگ کر دیا ہو۔

(۴) مستثنیٰ منہ جس سے دوسری چیز کو الگ کر دیا گیا ہو جیسے "جاء نی القوم الا زیدا" اس میں قوم مستثنیٰ منہ جبکہ زید مستثنیٰ ہے۔

(۵) مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل، منقطع۔

مستثنیٰ متصل اس کو کہتے ہیں کہ استثناء سے پہلے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہو لیکن اس کو الا وغیرہ کے ساتھ خارج کر دیا گیا ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا (زید قوم میں داخل تھا لیکن مجیء میں خارج کر دیا گیا) اور مستثنیٰ منقطع اس کو کہتے ہیں جو الا وغیرہ کے بعد مذکور ہو اور اس کو مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ گیا ہو اس لئے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہیں۔ جیسے جاء نی القوم الا حمارا (گدھا قوم میں داخل نہیں تھا)

(۶) کلام کی دو قسمیں ہیں کلام موجب، کلام غیر موجب

کلام موجب اس کلام کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام نہ ہو اور غیر موجب اس کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام ہو (واضح رہے کہ شبہ نفی سے مراد نہی اور استفہام ہے)

ان مختصر اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد اب شرح کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کو مختلف نمبرات میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ طالبعلم آسانی سے سمجھ سکے۔

(۱)..... جو مستثنیٰ کلام موجب کے تام ہونے کے بعد واقع ہو چاہے متصل ہو یا منقطع اس کا حکم منصوب ہوتا ہے جیسے قـام القوم الا حمارًا، ضربت القوم الا حمارًا، مررت بالقوم الا حمارٍ (پہلی مثالیں متصل اور دوسری منقطع کی ہیں ان میں زید اور حمار منصوب بنا بر استثناء ہیں۔

(ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس مستثنیٰ کو نصب دینے والا کونسا عامل ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا اس سے پہلے والا فعل ہے لیکن بواسطہ الا کے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ناصب نفس الا ہے مصنف رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ " مـا استثـنـت الا" "والغ الا" سے ظاہر ہے جبکہ اپنی دیگر کتابوں میں مصنف نے اس مسلک کی صراحت بھی کی ہے۔ تیسرا قول بھی ہے وہ یہ کہ ناصب الا سے

پہلے واقع ہونے والا فعل ہے لیکن بغیر واسطہ "الا" کے (جس طرح پہلے مذہب والے کہتے ہیں) چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا ناصب فعل محذوف ہے اور الا اس پر دلالت کر رہا ہے مثلاً جاء القوم الا زیدًا ای استثنی زیدًا۔ شلوبین رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق پہلا مسلک محققین کا ہے۔

(۲)......اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ یا متصل ہوگا یا منقطع اگر متصل ہے تو اس میں نصب بنا بر استثناء بھی جائز ہے اور ماقبل سے تابع بنانا بھی جائز ہے اور مشہور قول کے مطابق یہ ماقبل سے بدل ہے جیسے "ما قام احد الا زیدٌ، الا زیدًا لا یقم احدٌ الا زیدٌ، الا زیدًا، هل قام احدٌ الا زیدٌ، الا زیدًا" (استفہام کی مثال ہے) وغیرہ یہاں زید کو منصوب بنا بر استثناء بھی کر سکتے ہیں اور احدٌ سے بدل بھی بنا سکتے ہیں اور یہی مختار مسلک ہے۔

مصنفؒ کے قول "وبعد نفی او کنفی الخ" سے یہی مراد ہے۔

(اس صورت میں بدل واقع ہونے کا مسلک بصریین کا ہے ان کے ہاں یہ بدل البعض من الکل ہے اور کوفیین کے نزدیک یہاں "الا" حرف عطف ہے اور مابعد والا اسم اس پر عطف ہے یہی وجہ ہے کہ ابو العباس احمد بن یحیی کوفی رحمہ اللہ نے بصریین پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس صورت میں (مثلاً ماقام احدٌ الا زیدٌ) زید کیسے بدل واقع ہو سکتا ہے جبکہ اس کا متبوع احد منفی ہے بایں طور کہ احد سے قیام کو نفی اور زید کیلئے ثابت کیا جا رہا ہے لیکن ابو سعید سیرافی (جو کتاب سیبویہؒ کے شارح ہیں) نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں ہم نے صرف عامل کے عمل میں ماقبل سے بدل بنایا ہے اور نفی و اثبات میں مخالفت بدل ہونے کیلئے مضر نہیں جیسے مررت برجل لا کریم ولا لبیب "مررت برجل لا زید ولا عمرو" اور بعض حضرات نے یہاں استثناء کی بحث میں بدل کو اس معنی میں لیا ہے کہ یہ پہلے کی جگہ پر آیا ہے معروف بدل مراد نہیں (یعنی جو توابع میں ذکر کیا جاتا ہے) ولکل وجۃ۔

(۳) وان کان الاستثناء منقطعا الخ:

اور اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو اور منقطع ہو تو اس صورت میں جمہور عرب کے ہاں نصب متعین ہے جیسے "ماقامَ القومُ الا حمارًا" اور تابع بنانا جائز نہیں اگرچہ بنو تمیم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

فمعنی البیتین الخ: سے شارح اسی مذکورہ تفصیل کو دوبارہ ذکر کر رہے ہیں فلاحاجۃ الی الاعادۃ.

وَغَيْرُ نَصْبِ سَابِقٍ فِي النَّفْيِ قَدْ

يَأْتِي وَلٰكِنْ نَصْبُهُ اخْتَرْ إِنْ وَرَدْ

ترجمہ:...... کلام غیر موجب میں مستثنیٰ سابق کے علاوہ (یعنی رفع) بھی آتا ہے لیکن اس کے نصب کو آپ پسند کریں اگر اس طرح آجائے۔

(ش) إذا تقدم المستثنیٰ علی المستثنیٰ منه فإمّا أن یکون الکلام موجبا أو غیر موجب.

فإن کان موجبًا وجب نصب المستثنیٰ، نحو: "قام إلا زیدًا القوم"، وإن کان غیر موجب فالمختار نصبه، فتقول: "ما قام إلا زیدًا القوم"، ومنه قوله

۱۶۷ - فَمَا لِيَ إلّا آلَ أحْمَدَ شِيعَةٌ

وَمَا لِيَ إلّا مَذْهَبَ الحقِّ مَذْهَبُ

وقد رُوِیَ رفعُه فتقول "مَا قَامَ إلا زیدٌ القومُ" قال سیبویه حدثنی یونس أن قوما یوثق بعربیتهم یقولون: "ما لی إلا أخوک ناصر" وأعربوا الثانی بدلا من الأول [علی القلب] [لهذا السبب] ومنه قوله:

۱۶۸ - فَإنَّهُمْ يَرْجُونَ مِنْهُ شَفَاعَةً

إذا لَمْ يَكُنْ إلّا النَّبِيُّونَ شَافِعُ

فمعنی البیت: أنه قد ورد فی المستثنی السابق غیر النصب -وهو الرفع- وذلک إذا کان الکلام غیر موجب، نحو: "ما قام إلا زید القوم" ولکن المختار نصبه.

وعلم من تخصیصه ورود غیر النصب بالنفی أن الموجب یتعین فیه النصب، نحو: "قام إلا زیدًا القوم"

ترجمہ وتشریح:

(۲)...... اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو یا کلام موجب ہوگا یا غیر موجب اگر موجب ہے تو مستثنیٰ کا نصب واجب ہے جیسے "قَامَ الاَّزیدًا القومُ" اور غیر موجب ہو تو اس کا نصب مختار ہے جیسے "مَاقَامَ الاَّزیدًا القومُ" اور اسی سے شاعر کا

یہ قول ہے۔

۱۶۷- فَمَا لِیَ اِلَّا آلَ اَحْمَدَ شِیْعَةٌ
وَمَا لِیَ اِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبُ

ترجمہ:...... پس میرے لئے احمد ﷺ کے آل علاوہ کوئی جماعت نہیں اور نہ ہی میرے لئے حق مذہب کے سوا کوئی مذہب ہے۔

تشریح المفردات:

(مالی) خبر مقدم ہے (ما) نافیہ ہے، (شیعۃ) فرقہ، جماعت، ہمنوا، مددگار شِیَع اور جمع الجمع اشیاع آتی ہے۔ (مذھب الحق) میں یا مضاف ثانی حذف ہے ای مذھب اھل الحق یا اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے مَسْجِدُ الْجَامِعِ۔

محل استشہاد:

(الا آل احمد' الا مذھب الحق) محل استشہاد ہے یہاں دونوں جگہوں میں مستثنیٰ منصوب ہے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہے اور کلام غیر موجب ہے یہی مسلک مختار ہے۔

نیز اس صورت میں رفع بھی مروی ہے جیسے "مَا قَامَ اِلَّا زَیْدٌ الْقَوْمُ"۔ یہی وجہ ہے کہ امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یونسؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک قوم ہے جن کی عربیت پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ کہتی ہے "مَالِی اِلَّا اَخُوْکَ نَاصِرٌ" یہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہے کلام موجب ہے پھر بھی مرفوع ہے ان کے ہاں دوسرا اوّل سے بدل واقع ہے (بدل الکل سے مراد بدل کل ہے)

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۸- فَاِنَّهُمْ یَرْجُوْنَ مِنْهُ شَفَاعَةً
اِذَا لَمْ یَكُنْ اِلَّا النَّبِیُّوْنَ شَافِعٌ

ترجمہ:...... (حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر رسول کا شعر ہے بدر کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ آپ ﷺ سے سفارش

کی امید رکھتے ہیں جب انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح المفردات:

(یرجُون) نصر سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے امید رکھنے کے معنی میں ہے (شفاعة) فتح سے بمعنی سفارش۔

محل استشہاد:

(الا النّبِیُّونَ) محل استشہاد ہے یہاں مستثنیٰ (النبیّون) مرفوع ہے مستثنیٰ منہ (شافع) پر مقدم ہے کلام غیر موجب ہے نصب یہاں مختار ہے لیکن پھر بھی رفع آیا ہے۔

وعلم الخ:

غیر نصب یعنی رفع کو نفی کے ساتھ خاص کیا اس سے معلوم ہوا کہ کلام موجب میں نصب متعیّن ہے جیسے "قَامَ الاَّ زیدًا القومُ"

وَإِنْ يُفَرَّغْ سَابِقٌ "إِلَّا" لِمَا
بَعْدُ يَكُنْ كَمَا لَوِ "إِلَّا" عُدِمَا

ترجمہ:..... اگر "الاّ" کا ماقبل مابعد کیلئے فارغ ہو تو یہ ایسا ہوگا گویا کہ "الاّ" موجود ہی نہیں۔

(ش) إذا تفرغ سابق "إلّا" لِمَا بعدها -أى: لم يشتغل بما يطلبه- كان الاسم الواقع بعد "إلا" معربا بإعراب ما يقتضيه ماقبل "إلا" قبل دخولها، وذلك نحو: "ما قام إلا زيد، وما ضربت إلا زيدًا، وما مررت إلا بزيد" ف"زيد": فاعل مرفوع بقام، و"زيدًا": منصوب بضربت، و"بزيد": متعلق بمررت، كما لو لم تذكر "إلا"

وهذا هو الاستثناء المفرغ ولا يقع في كلام موجب فلا تقول: "ضربت إلا زيدًا"

ترجمہ وتشریح:

اگر مستثنیٰ منہ مفرّغ ہو یعنی ذکر نہ ہو تو اس صورت میں "الاّ" کے بعد واقع ہونے والے اسم پر اس طرح اعراب

جاری ہوگا جس طرح اعراب "الّا" کے داخل ہونے سے پہلے جاری ہوتا تھا جیسے "ماقام الا زید، ماضربت الا زیدًا" "مامررت الابزید اس کو استثناء مفرغ کہتے ہیں اور یہ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ "ضربت الا زیدًا" اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں نے تمام لوگوں کو مارا سوائے زید کے اور یہ محال ہے جبکہ ابن حاجب رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ جب الاّ کا مابعد فضلہ ہو یا فائدہ حاصل ہوتا ہو تو وہاں کلام موجب میں بھی استثناء صحیح ہے جیسے کوئی طالب علم کہے "قرأت الا یوم الجمعة"

وَأَلْغِ اِلّا ذاتَ توکیدٍ کَلا
تَمرُرْ بِهِمْ اِلّا الفَتیٰ اِلّا العَلا

ترجمہ:.....اور آپ تاکید والے الاّ کو لغو قرار دیں (یعنی اس کے ذریعہ عمل نہ دیں، پہلے ذکر ہو چکا کہ مستثنیٰ کو ناصب مصنفؒ کے ہاں الاّ ہے اس لئے یہاں لاّ کے ملغی کرنے کا ذکر کیا اور اکثر نحویوں کے ہاں مستثنیٰ کو نصب دینے والا سابق اسم ہی ہے)
جیسے لا تمرر الخ۔ ترجمہ:.....آپ ان پر نہ گزریں مگر اس جوان پر جو بلندی والا ہے اس پر گزر جائیں "العلا" یا تو عین کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے بمعنی شرافت اور قصر ضرورۃ شعری کی وجہ سے ہے۔ یا عین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے جمع ہے علیاء کی دونوں صورتوں میں عبارت میں مضاف حذف ہے مثلاً ذو العلا یہاں دوسرا الاّ تاکید کیلئے ہے اور العلاء ماقبل الفتیٰ سے بدل کل ہے)

(ش) إذا کررت "إلا" لقصد التوکید لم تؤثر فیما دخلت علیه شیئًا ولم تفد غیر توکید الأولی، وهذا معنی إلغائها، وذلک فی البدل والعطف، نحو: "مامررت بأحد إلا زید إلا أخیک" ف"أخیک" بدل من "زید" ولم تؤثر فیه "إلا" شیئًا، أی لم تفد فیه استثناء مستقلا، وکأنک قلت: مامررت بأحد الا زید إلا أخیک "ف "أخیک" بدل من "زید" ولم تؤثر فیه "إلا" شیئًا، أی لم تفد فیه استثناء مستقلا، وکأنک قلت: ما مررت بأحد إلا زید أخیک، ومثله: "لا تمرر بهم إلا الفتی إلا العلا" [والأصل: لا تمرر بهم إلا الفتی العلا] ف"العلا" بدل من الفتی، وکررت "إلا" توکیدًا، ومثال العطف "قام القوم إلا زیدًا وإلا عمرًا" والأصل: إلا زیدًا وعمرًا، ثم کررت "إلا" توکیدًا، ومنه قوله:

۱۶۹ - هَلِ الدَّهْرُ إِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَإِلَّا طُلُوعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا

والأصل: وطلوع الشمس، وكررت "إلا" توكيدًا.

وقد اجتمع تكرارها في البدل والعطف في قوله:

۱۷۰ - مَا لَكَ مِنْ شَيْخِكَ إِلَّا عَمَلُهُ
إِلَّا رَسِيمُهُ وَإِلَّا رَمَلُهُ

والأصل: إلا عمله رسيمه ورمله، ف"رسيمه": بدل من عمله، "ورمله" معطوف على "رسيمه" وكررت "إلا" فيهما توكيدًا.

ترجمہ وتشریح:

الاّ کا تاکید کیلئے مکرر آنا:

جب الاّ محض تاکید کیلئے مکرر لایا جائے تو اپنے مدخول میں کچھ عمل نہیں کرتا اور پہلے تاکید کے علاوہ دوسرا فائدہ نہیں دیتا، یہاں الغاء کا یہی معنی ہے اور یہ بدل اور عطف میں ہوتا ہے جیسے "ما مررت باحد الا زید الا اخیک" یہاں اخیک زید سے بدل ہے اور الاّ نے اس میں مستقل استثناء کا فائدہ نہیں دیا، اسی طرح الا تمرر الخ ہے (کما مر تذکرہ)

عطف کی مثال "قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا وَإِلَّا عَمْرًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے

۱۶۹ هَلِ الدَّهْرُ إِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَإِلَّا طُلُوعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا

ترجمہ:...... زمانہ نہیں مگر رات اور دن، اور سورج کا طلوع ہونا پھر اس کا غائب ہو جانا ہے۔

تشریح المفردات:

(الدھر) زمانہ، کم ہو یا زیادہ، اور ہمیشہ مدت دنیا پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے۔ (لیلۃ) رات، من غروب الشمس الی طلوع الفجر، جمع اس کی لیالی آتی ہے غیر قیاسی طور پر، (نھار) دن، شرعا

طلوع فجر سے غروب شمس تک اور عرفاً طلوع شمس سے غروب شمس تک کو کہا جاتا ہے (غیار) غروب ہونا، بعض نسخوں میں راء کی جگہ باء آئی ہے یعنی غیاب بمعنی غائب ہونا، لیکن چونکہ راء کا قصیدہ ہے اس لئے غیار صحیح ہے۔

محل استشہاد:

(والاّ طلوع) محل استشہاد ہے یہاں دوسرا "لاملغی ہے اس لئے کہ زائد ہے اور پہلے والے "الاّ" کی تاکید کے لئے ہے یہاں دوسرے نے عمل نہیں کیا اس لئے کہ یہ پہلے کے تابع ہے اس پر عطف ہے "والتقدیر وطلوع الشمس"

وقداجتمع تکرارِھاالخ:

کبھی بدل اور عطف دونوں میں الاّ ایک ساتھ آتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۰ - مَـالکَ مِـنْ شیـخِکَ اَلاّ عَـمَـلُـه

اَلاّ رسیـــمُـــه وَاَلاّ رَمـلـــه

ترجمہ:...... آپ کے کیلئے آپ کے بڑھاپے کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے عمل کے جو صفا مروہ کی سعی اور طواف کی سعی ہے۔

تشریح المفردات:

(شیخ) اس آدمی کو کہتے ہیں جو بڑھاپے میں داخل ہو چکا ہو اس معنی پر (رسیم) سعی بین الصفاوالمروۃ، اور رمل 'سعی فی الطواف کو کہا جائے گا، بعض حضرات نے " شیخ" سے مراد اونٹ لیا ہے لیکن اکثر شارحین مثلاً شیخ عبدالمنعم الجرجاوی نے شرح شواھد ابن عقیل میں اور شیخ قطۃ العدوی نے فتح الجلیل میں اور بعض دیگر حضرات نے ان پر رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ (شیخ) ناسخین کی غلطی ہے یہ اصل میں ان کے ہاں شنج (بالنون والجیم) ہے اور یہی شنج بمعنی جمل یعنی اونٹ کے ہے اس صورت میں رسیم اور رمل چلنے کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے فالرسم سیر الجمل بغیر سرعۃ والرمل بالعکس (رسیم تیزی سے اونٹ کی رفتار کو کہتے ہیں اور رمـل آہستگی والی رفتار کو کہتے ہیں) اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ کو آپ کے اونٹ سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کی تیز اور آہستہ رفتار کے۔

محل استشہاد:

(الا رسیمه والا رمله) محل استشہاد ہے یہاں الاّ بدل اور عطف میں مکرر آیا ہے اصل میں تھا الاّ عَمَلَه، رسیمه ورمله تھا رسیمه، عمله سے بدل ہے اور رمله، رسیمه پر عطف ہے اور الاّ تا کید کیلئے مکرر ہے۔

وان تُکَرّر لا لِتَوکیدِ فَمَع
تفریغ التّاثیرَ بالعَامِلِ دَع
فِی واحد مِمّا بالّا استُثنِی
وَلَیسَ عَن نصبِ سواه مُغنِی

ترجمہ:...... اگر الاّ تاکید کیلئے مکرر آ جائے تو مفرغ میں ایک میں عامل کی تاثیر کو چھوڑ دیں (یعنی ایک میں عمل دیدیں) جو الّا کے ذریعہ مستثنیٰ ہو اور اس کے علاوہ میں نصب کے علاوہ کوئی خلاصی (چارہ) نہیں۔

(ش) إذا كررت "إلا" لغير التوكيد — وهي: التي يقصد بها ما يقصد بما قبلها من الاستثناء، ولو أسقطت لما فهم ذلك — فلا يخلو: إما أن يكون الاستثناء مفرغا، أو غير مفرغ.

فإن كان مفرغا شغلت العامل بواحد ونصبت الباقي؛ فتقول: "ما قام إلا زيد إلا عمرًا إلا بكرًا" ولا يتعين واحد منه لشغل العامل، بل أيها شئت شغلت العامل به، ونصبت الباقي، وهذا معنى قوله: "فمع تفريغ — إلى آخره" أي: مع الاستثناء المفرغ اجعل تأثير العامل في واحد مما استثنيته بإلا، وانصب الباقي. وإن كان الاستثناء غير مفرغ، وهذا هو المراد بقوله:

ترجمہ وتشریح:

اگر الاّ کو کو تاکید کے علاوہ کیلئے مکرر لایا جائے یعنی اس سے بھی مقصود وہی ہو جو ما قبل والے استثناء سے مقصود ہے اور الاّ کو ساقط کرنے کی صورت میں مقصود حاصل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں استثناء یا مفرغ ہوگا یا غیر مفرغ۔

اگر مستثنیٰ مفرغ ہے تو ایک مستثنیٰ کو آپ عمل سے مشغول کر لیں اور باقیوں کو نصب دیدیں جیسے "مَاقَامَ الاّ زیدٌ الاّ عمرًا الاّ بکرًا" نیز ایک کو عمل کیلئے متعین کرنا ضروری نہیں جس کو چاہیں عمل کیلئے متعین کر کے باقیوں کو نصب دیدیں فمع

تفریغ الخ سے مصنفؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر غیر مفرغ ہے تو اس کی تفصیل مصنفؒ نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے۔

وَدُونَ تَفْرِيغٍ مَعَ التَّقَدُّمِ
نَصْبَ الْجَمِيعِ احْكُمْ بِهِ وَالْتَزِمِ
وَانْصِبْ لِتَأْخِيرٍ، وَجِئْ بِوَاحِدِ
مِنْهَا كَمَا لَوْ كَانَ دُونَ زَائِدِ
كَلَمْ يَفُوا إِلَّا امْرُؤٌ إِلَّا عَلِي
وَحُكْمُهَا فِي الْقَصْدِ حُكْمُ الْأَوَّلِ

ترجمہ:......مفرغ کے علاوہ میں جب مستثنیات مقدم ہوں تو سب کے نصب پر فیصلہ کریں اور اس کو لازم کر دیں اور مؤخر ہونے کی صورت میں نصب دیں (یعنی باقی مستثنیات کو نصب دیں) اور ایک مستثنیٰ کو اس طرح لائیں گویا کہ وہ زائد کے بغیر ہے (یعنی الا کے بغیر ہے) جیسے "لم یفوا الا امرؤ الا علی (ان میں سے کسی نے عہد کو پورا نہیں کیا مگر ایک آدمی نے اور علی نے۔

(ش) فلا يخلو: إما أن تتقدم المستثنيات على المستثنى منه، أو تتأخر،

فإن تقدمت المستثنيات وجب نصب الجميع، سواء كان الكلام موجبا أو غير موجب، نحو: "قام إلا زيدا إلا عمرا إلا بكرا القوم، وما قام إلا زيدا إلا عمرا إلا بكرا القوم" وهذا معنى قوله: "ودون تفريغ — البيت"

وإن تأخرت فلا يخلو: إما أن يكون الكلام موجبا، أو غير موجب، فإن كان موجبا وجب نصب الجميع؛ فتقول: "قام القوم إلا زيدا إلا عمرا إلا بكرا" وإن كان غير موجب عومل واحد منها بما كان يعامل به لو لم يتكرر الاستثناء: فيبدل مما قبله — وهو المختار — أو ينصب — وهو قليل — كما تقدم، وأما باقيها فيجب نصبه، وذلك نحو: "ما قام أحد إلا زيد إلا عمرا إلا بكرا" فـ"زيد" بدل من أحد وإن شئت أبدلت غيره من الباقين، ومثله قول المصنف: "لم يفوا إلا امرؤ إلا علي" فـ[illegible]

امرؤ" بدل من الواو في "يَفُوا" وهذا معنى قوله "والنصب لتأخير أي: وانصب المستثنيات كلها إذا تأخرت عن المستثنى منه إن كان الكلام موجبًا، وإن كان غير موجب فجئ بواحد منها معربا بما كان يعرب به لو لم يتكرر المستثنى، وانصب الباقي.

ومعنى قوله: "وحكمها في القصد حكم الأول" أن ما يتكرر من المستثنيات حكمه في المعنى حكم المستثنى الأول؛ فيثبت له ما يثبت للأول: من الدخول والخروج، ففي قولك: "قام القوم إلا زيدًا إلا عمرًا إلا بكرًا" الجميع مخرجون، وفي قولك: "ما قام القوم إلا زيدٌ إلا عمرًا إلا بكرًا" الجميع داخلون، وكذا في قولك: "ما قام أحد إلا زيد إلا عمرًا إلا بكرًا" [الجميع داخلون].

ترجمہ وتشریح:

اگر مستثنیٰ غیر مفرغ ہے تو پھر یا مستثنیات مستثنیٰ منہ پر مقدم ہونگے یا مؤخر اگر مقدم ہوں تو سب کا نصب واجب ہے چاہے کلام موجب ہو یا غیر موجب جیسے " قام الّا زیدًا الّا عمرًا الّا بکرًا القوم ماقام الخ

اور اگر مؤخر ہوں تو کلام موجب ہوگا یا غیر موجب ہو تو سب کا نصب واجب ہے جیسے " قام القوم الّا زیدًا الّا عمرًا الّا بکرًا" اور غیر موجب کلام ہو تو ایک مستثنیٰ کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے جس طرح استثناء مکرر نہ ہونے کی صورت میں تھا چنانچہ وہ ماقبل سے بدل ہوگا اور یہی مختار ہے یا منصوب ہوگا اور یہ قلیل ہے اور باقیوں کا نصب واجب ہے جیسے "مَاقَامَ اَحَدٌ الّا زیدٌ الّا عمرًا الّا بکرًا" زید یہاں احدٌ سے بدل ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی ایک مستثنیٰ کو آپ بدل کیلئے متعین کر سکتے ہیں اور اسی سے مصنف کا یہ قول ہے " لَمْ یَفُوا الّا امرؤٌ الّا علی"

یہاں امرؤ، لم یفوا کے واؤ سے بدل ہے "علی" مستثنیٰ منصوب ہے لیکن ضرورت شعریہ کی وجہ سے مرفوع ہے مصنفؒ کے قول "وانصب لتاخیر الخ کا یہی مطلب ہے۔

"وحکمها فی القصد حکم الاوّل" کا مطلب یہ ہے کہ جو مستثنیات میں سے مکرر ہوں ان کا حکم مستثنیٰ اوّل کی طرح ہے چنانچہ " قام القومُ الّا زیدًا الّا عمرًا الّا بکرًا" میں سب قیام کے حکم سے خارج ہیں اور "ماقام القوم الّا زیدٌ الّا عمرًا الّا بکرًا" میں سب قیام میں داخل ہیں وغیرہ۔

وَاسْتَثْنِ مَجْرُورًا بِغَيْرِ مُعْرَبَا

بِمَا لِمُسْتَثْنًى بِإِلّا نُسِبَا

ترجمہ:...... "غیر" کے ذریعہ مستثنیٰ کو مجرور کردیں اس حال میں کہ خود "غیر" پر وہ اعراب ہو جو مستثنیٰ بالّا کی طرف منسوب ہے۔

(ش) استعمل بمعنى "إلا" -في الدلالة على الاستثناء- ألفاظ : منها ما هو اسم وهو "غير، وسوى، وسِوى، وسواء"، ومنها ما هو فعل، وهو "ليس، ولا يكون"، ومنها ما يكون فعلاً وحرفًا، وهو "عدا، وخلا، وحاشا" وقد ذكرها المصنف كلها.

فأما "غير، وسوى، وسوى، وسواء" فحكم المستثنى بها الجر؛ لإضافتها إليه؛ وتعرب "غير" بما كان يعرب به المستثنى مع "إلا" فتقول: "قام القوم غير زيدٍ" بنصب "غير" كما تقول: "قام القوم إلا زيدًا" بنصب "زيد" وتقول: "ما قام أحد غير زيد، وغير زيد" بالأتباع والنصب، والمختار الأتباع، كما تقول: "ما قام أحد إلا زيدٌ، وإلا زيدًا" وتقول: "ما قام غير زيدٍ" فترفع "غير" وجوبًا كما تقول: "ما قام إلا زيد" برفعه وجوبًا، وتقول "ما قام أحد غير حمارٍ" بنصب "غير" عند غير بني تميم، وبالإتباع عند بني تميم، كما تفعل في قولك: "ما قامَ أحَدٌ إلا حِمَارٌ، وإلا حمارًا"

وأما "سوى" فالمشهور فيها كسر السين والقصر، ومن العرب من يفتح سينها ويمد، ومنهم من يضم سينها ويقصر، ومنهم من يكسر سينها ويمد، وهذه اللغة لم يذكرها المصنف، وقل من ذكرها، وممن ذكرها الفارسي في شرحه للشاطبية.

ومذهب سيبويه والفرّاء وغيرهما أنها لا تكون إلا ظرفًا، فإذا قلت: "قام القوم سوى زيد" ف "سوى" عندهم منصوبة على الظرفية، وهي مشعرة بالاستثناء، ولا تخرج عندهم عن الظرفية إلا في ضرورة الشعر.

واختار المصنف أنها كـ "غير" فتعامل بما تعامل به "غير": من الرفع والنصب والجر، وإلى هذا أشار بقوله:

استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ

استثناء پر دلالت کرنے میں الاّ کے معنی میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں بعض اسم ہیں جیسے "غیـــر، ســوی، سِوَی، سَوَاء" اور بعض فعل ہیں جیسے: لَیْسَ ، لایکون بعض ایسے ہیں جو فعل بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرف بھی جیسے "عَـدَا، خـلا، حَاشَا، مصنفؒ نے ان سب کی تفصیل ذکر کی ہے کہ کن صورتوں میں یہ فعل ہونگے اور کن صورتوں میں حرف، پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آ رہی ہے۔

"غیر، سِوی، سُوَی، سواء" کے ساتھ جس کو مستثنیٰ کیا جائے تو اس کی طرف چونکہ یہ مضاف ہونگے اس لئے وہ مستثنیٰ مجرور ہوگا اور "غیر" کو اس طرح اعراب دیا جائے گا جس طرح مستثنیٰ بہ الاّ کو دیا جاتا تھا "علی التفصیل الذی قرء تموه فی نحو میر وهدایة النحو وهذاالكتاب فلا حاجة الی الاعادة"

"ســوی" میں مشہور سین کا کسرہ اور قصر ہے، اور عرب میں سے بعض حضرات سین کو فتحہ دے کر مــد پڑھتے ہیں اور بعض سین کا ضمہ اور قصر اور بعض سین کا کسرہ اور مدّ پڑھتے ہیں اس آخری لغت کو مصنفؒ نے یہاں ذکر نہیں کیا (باقی تین لغات کو اگلے متن میں ذکر فرمایا ہے) البتہ فارسیؒ (ابو عبداللہ جمال الدین محمد بن حسن متوفی ۶۵۶ھ) نے شاطبیہ کی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔

ومذهب سيبويه الخ:

امام سیبویہ اور فراء رحمهما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ "سوی" صرف ظرف استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ "قام القوم سِوی زید" کہینگے تو اس میں "سوی" منصوب بنا بر ظرفیت ہوگا اور استثناء پر مُشْعِرٌ (خبر دینے والا) ہوگا ان کے ہاں ظرفیت سے نہیں نکلتا مگر ضرورت شعری کی وجہ سے جس طرح کہ آگے اشعار آ رہے ہیں وہاں "ســوی" مرفوع منصوب، مجرور سب استعمال ہوا ہے)

یہاں اشعار سے پہلے مختصراً "سوی" میں نحویوں کے مختلف مذہبوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ "ســوی" منصوب بنا بر ظرفیت ہی ہوتا ہے یا اس کے علاوہ مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، مجرور بھی ہوتا ہے اس میں مشہور تین مذاہب ہیں۔

(۱)...... پہلا مذہب امام سیبویہؒ اور خلیلؒ کا ہے کہ یہ نصب بنا بر ظرفیت سے نکلتا ہی نہیں اگر کلام عرب میں اس کے خلاف

آ جائے تو اگر اس کی تاویل ممکن ہو تو تاویل کی جائے گی وگرنہ وہ شاذ ہوگا" ولا یقاس علیه غیره"

(۲)...... دوسرا مذہب کوفیین کا ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ "سوی" کبھی ظرف بھی آتا ہے اور کبھی مختلف عوامل آنے کی وجہ مرفوع، منصوب (غیر ظرفیت کی وجہ سے) بھی آتا ہے اور اس کا غیر ظرف ہونا ضرورت شعری کے ساتھ بھی خاص نہیں اور شاذ بھی نہیں۔

(۳)...... تیسرا مذہب رمانی اور ابو البقاء العکبری رحمهما الله کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر ظرف بھی، لیکن ظرف استعمال ہونا بنسبت غیر ظرف کے استعمال ہونے کے کثیر ہے، یہ رائے ابن ہشام رحمہ اللہ کی بھی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے "والیٰ مذهبهما اذهب"

فیصلہ کن مذہب

ایسے مواقع پر صاحب منحة الجليل دوٹوک الفاظ میں انصاف کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ عرب سے مختلف اشعار وارد ہوئے ہیں ان کی کثرت کو اور ان کے علاوہ احادیث کو دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا مذہب (یعنی مذکورہ مذاہب میں دوسرا مذہب) راجح ہے اور دیگر حضرات کا مرجوح ہے، اور یہ تاویل کرنا کہ یہ ضرورت شعری ہے وغیرہ وغیرہ اس کی کوئی ضرورت نہیں (چونکہ آگے اشعار میں اسی کو پیش کیا جائیگا کہ "سوی" مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، منصوب، مجرور استعمال ہوا ہے لہٰذا اس کو ابھی سے ذہن میں محفوظ کرلیں تاکہ بار بار ان مذاہب کا اعادہ نہ ہو۔ لان خیر الکلام ماقلّ ودلّ")

واختار المصنف الخ:

مصنفؒ نے یہ جو کہا ہے کہ "سوی" کے ساتھ "غیر" والا معاملہ ہوگا یعنی مرفوع، منصوب، مجرور ہونا اس کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

وَلِسِوًى سُوًى سَوَاءٍ اجْعَلا
عَلَى الأَصَحِّ مَا لِغَيْرٍ جُعِلا

ترجمہ:...... سِوًی، سُوًی، سَوَاء کیلئے صحیح قول کے مطابق وہ حکم لگائیں جو لفظ "غیر" کیلئے ہے۔

(ش) فمن استعمالها مجرورة قوله ﷺ: "دعوت ربی ألا یسلط علی أمتی عدوا من سوی أنفسها" وقوله ﷺ: "ما أنتم فی سواکم من الأمم إلا کالشعرة السوداء فی الثور الأبیض"، وقول الشاعر:

۱۷۱-ولا ینطلق الفحشاء مَنْ کان مِنْهُم
إذا جَلَسُوا مِنَّا وَلاَ مِنْ سِوَائِنَا

ومن استعمالها مرفوعة قوله:

۱۷۲-وَاذا تُبَاعُ کَرِیمَةٌ أوْ تُشْتَرى
فَسِوَاکَ بَائِعُهَا وَأنتَ المُشْتَرِی

وقوله:

۱۷۳-وَلَمْ یَبْقَ سِوَی العُدْوان
دِنَّاهُمْ کَمَا دَانُوا

ف "سواک" مرفوع بالابتداء، و"سوی العدوان" مرفوع بالفاعلیة. ومن استعمالها منصوبة علی غیر الظرفیة قوله:

۱۷۴-لَدَیْکَ کَفِیلٌ بِالْمُنَی لِمُؤَمِّلٍ
وَإنَّ سِوَاکَ مَنْ یُؤَمِّلُهُ یَشْقَی

ف "سواک" اسم "إن"، هذا تقریر کلام المصنف.

ومذهب سیبویه والجمهور أنها لا تخرج عن الظرفیة إلا فی ضرورة الشعر، وما استشهد به علی خلاف ذلک یحتمل التأویل.

ترجمہ وتشریح:

مصنفؒ کی موافقت میں (کہ سوی الخ منصوب بنا بر ظرفیت کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے) شارح مختلف مثالیں ذکر فرما رہے ہیں۔

"سوی" کے مجرور استعمال ہونے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "دَعَوْتُ رَبِّی اَلَّا یُسَلِّطَ عَلٰی اُمَّتِی عَدُوًّا مِنْ سِوَی أنفسها" اور یہ قول مَا اَنْتُم فِی سِوَاکم من الامم الخ (یہاں من سوی" فی سواکم" میں "سوی" مجرور استعمال ہوا ہے۔)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۱—ولا یَنْطِقُ الفحشاءَ مَنْ کَان مِنْهُم
إذا جَلَسُوا مِنَّا وَلاَ مِنْ سِوَائِنَا

ترجمہ:...... اور ان میں سے کوئی بھی بری بات نہیں کہتا (جب وہ کہیں بیٹھ جائیں) نہ ہم سے اور نہ ہمارے علاوہ کسی اور سے۔

تشریح المفردات:

(لا) نافیہ ہے (ینطق) ضرب سے بمعنی بولنا (الفحشاء) بری بات، بدکلامی، فحش گوئی، یہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بالفحشاء یا مفعول مطلق ہے حذف مضاف کے ساتھ ای" نطق الفحشاء"

محل استشہاد:

(من سوائنا) محل استشہاد ہے یہاں سواء ظرفیت سے نکل کر مِنْ کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے (قد مرّ مافیہ) "سوی" کے مرفوع استعمال کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۲—وَاذا تُبَاعُ کَرِیمَةٌ أوْ تُشْتَرٰی
فَسِوَاکَ بَائِعُهَا وَأنْتَ الْمُشْتَرِی

ترجمہ:...... جو کوئی اچھی صفت بیچی یا خریدی جاتی ہو تو آپ کے علاوہ دوسرے حضرات اس کو بیچنے والے اور آپ خریدنے والے ہوتے ہیں۔

تشریح المفردات:

(واذا) میں واؤ کوفیین کے ہاں زائد ہے، دیگر حضرات کے ہاں استینافیہ ہے (کریمة ای خصلة حمیدة) اچھی صفت۔

محل استشہاد:

(سواک) محل استشہاد ہے ظرفیت سے نکل کر "سوی" مبتدا واقع ہوا ہے۔ اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۳ – وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَان

دِنَّاهُمْ کَمَا دَانُوا

ترجمہ:...... (جب برائی مکمل طور پر سامنے آئی) اور ظلم کے علاوہ کچھ نہ بچا تو ہم نے ان کو اپنا بدلہ دیا جس طرح انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔

تشریح المفردات:

یہ شعر ماقبل کے شعر پر عطف ہے ماقبل کا شعر یہ ہے۔

فلما اصبح الشرّ

وَامسی وَهُوَ عُریان

(عدوان) ظلم، زیادتی، تجاوز، دِنّا جمع مذکر متکلم کا صیغہ ہے۔ دَان یدین ضرب یضرب سے بدلہ دینا۔ قیامت کو بھی یوم الدین" کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں بندوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ شعر "دیوان حماسہ" کے دوسرے صفحہ میں ذکر ہے۔

محل استشہاد:

(سوَی العُدوان) محل استشہاد ہے یہاں "سوی" فاعل واقع ہے مرفوع ہے اور منصوب بنا بر ظرفیت سے نکل گیا ہے۔

غیر ظرفیت کی بناء پر منصوب ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۴ – لَدَیْکَ کَفِیْلٌ بِالْمُنَی لِمُؤَمِّلٍ

وَإِنَّ سِوَاکَ مَنْ یُؤَمِّلُهُ یَشْقَی

ترجمہ:...... آپ کے پاس امید رکھنے والے کیلئے آرزوؤں کا کفیل ہے اور آپ کے علاوہ جس سے کوئی امید رکھتا ہے وہ نامراد ہوگا۔

تشریح المفردات:

کفیل ذمہ دار، کفالت کرنے والا، (منی) منیۃ کی جمع ہے جیسے مُدَی، مدیۃ کی جمع ہے، (مؤمل) تامیل باب تفعیل سے بمعنی امید رکھنا یہ تاحیدی کی ضد ہے، (یشقی) سمع سے نامراد و بدبخت ہونا۔

محل استشہاد:

(سواک) محل استشہاد ہے یہاں منصوب ہے اس وجہ سے کہ "انّ" کا اسم واقع ہے۔
مصنفؒ اور امام سیبویہؒ اور جمہور کے مسلکوں کی تفصیل ابھی گزر چکی (فلا حاجة الى الاعادة)

وَاستَثنِ نَاصِبًا بِلَيسَ وَخَلا
وَبِعَدَا، وَبِيَكُونُ بَعدَ لا

ترجمہ: "لیس" اور "خلا" اور "عدا" کے ذریعے آپ استثناء کریں اس حال میں کہ آپ نصب دینے والے ہوں۔ اور "یکون" کے ساتھ بھی اس حال میں کہ وہ "لا" کے بعد ہو۔

(ش) أي: استثن بـ"ليس" وما بعدها ناصبا المستثنى، فتقول: "قام القوم ليس زيدًا، وخلا زيدًا، وعدا زيدًا، ولا يكون زيدًا" فـ"زيدًا" في قولك: "ليس زيدًا، ولا يكون زيدًا" منصوب على أنه خبر "ليس، ولا يكون"، واسمهما ضمير مستتر، والمشهور أنه عائد على البعض المفهوم من القوم، والتقدير: "ليس بعضهم زيدًا [ولا يكون بعضهم زيدًا]"، وهو مستتر وجوبًا، وفي قولك: "خلا زيدًا، وعدا زيدًا" منصوب على المفعولية، و"خلا، وعدا" فعلان فاعلهما — في المشهور — ضمير عائد على البعض المفهوم من القوم كما تقدم، وهو مستتر وجوبًا، والتقدير: خلا بعضهم زيدًا، وعدا بعضهم زيدًا.

ونبه بقوله: "بيكون بعد لا" — وهو قيد في "يكون" فقط — على أنه لا يستعمل في الاستثناء من لفظ الكون غير "يكون"، وأنها لا تستعمل فيه إلا بعد "لا"، فلا تستعمل فيه بعد غيرها من أدوات النفي نحو: لم، وإن، ولن، ولمّا، وما.

ترجمہ وتشریح:

لَیْسَ، خَلاَ، عَدَا، لایکُونُ کے بعد مستثنیٰ کا حکم:

یعنی "لیسَ" اور "خلا اور عَدَا" اور "لایکونُ" کے بعد آپ مستثنیٰ کو منصوب کر دیں جیسے "قامِ القوم لیسَ زیدًا، خلازیدًا، عدازیدًا، لایکونُ زیدًا، چنانچہ "زیدًا" یہاں منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ لَیْسَ اور لایکونُ کی خبر ہے اوران کا اسم ضمیر مستتر ہے جو ایک قول کے مطابق بعض کی طرف راجع ہے جو قوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدیر لیس بعضهم زیدًا لایکون بعضهم زیدًا۔

اور خلا زیدًا، عدازیدًا میں "زید" منصوب بناء بر مفعولیت ہے "خلا"، "عدا" دونوں فعل ہیں ان کا فاعل مشہور قول کے مطابق ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے بعض کی طرف جو قوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدیر خلا بعضهم زیدًا۔

وَنَبّه بقوله الخ:

"ویکون بعدَ لا" کی قید صرف "یکون" کے ساتھ خاص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استثناء میں "کون" کے لفظ میں سے "یکون" ہی استعمال ہوتا ہے جب اس سے پہلے "لا" ہو چنانچہ اس سے پہلے اگر دیگر ادات نفی ہو مثلاً، لَمْ، اِنْ وغیرہ تو وہ استثناء کیلئے استعمال نہیں ہونگے۔

وَاجْرُرْ بِسَابِقَيْ یَكُونُ اِنْ تُرِدْ
وَبَعْدَ "مَا" انْصِبْ، وَانْجِرَارٌ قَدْ یَرِدْ

ترجمہ:..... "یکونُ" سے پہلے دونوں (یعنی خلا اور عدا کے ذریعے) سے آپ
جر دیں اگر آپ چاہیں اور "ما" کے بعد نصب دیدیں، اور جر بھی کبھی آ جاتا ہے۔

(س) أی: إذالم تتقدّم "ما" علی "خلا، وعدا" فاجرر بهما إن شئت، فتقول: "قام القوم خلازیدٍ، وعدا زیدٍ" فخلا، وعدا: حرفاجرٍّ، ولم یحفظ سیبویه الجرَّ بهما، وإنما حكاه الأخفش؛ فمن الجرب "خلا" قوله:

۱۷۵ — خَلاَ اللّٰهِ لاأرجو سِواکَ، وإنّما
أعُدّ عِیَالِی شُعْبَةً مِن عِیَالِکَا.

ومن الجر ب"عدا"قوله:

۱۷۶- تــرکــنـا فـي الحضيض بَناتِ عُوجٍ
عَـواکفَ قَـدْ خَـضَـعْـنَ الـى الـنسـور
أبــحــنــا حيَّهُــم قَتْلاً واسْــرًا
عَـدَا الشَّـمـطـاء وَالطِّـفـل الـصـغير

فإن تقدَّمَتْ عليهما "ما" وجب النصب بهما، فتقول: "قام القوم ما خلا زيدًا، وماعدازيدًا" ف "ما": مصدرية، و"خلا، وعدا": صلتها، وفاعلهما ضمير مستتر يعود على البعض كما تقدم تقريره، و"زيدًا": مفعول، وهذامعنى قوله: "وبعد ماانصب" هذاهو المشهور.

وأجاز الكسائي الجر بهما بعد "ما" على جعل "ما" زائدة، وجعل "خلا، وعدا" حرفي جرٍّ؛ فتقول: "قام القوم ماخلازيدٍ، وماعدازيدٍ" وهذامعنى قوله: "وانجرارٌ قد يرد" وقد حكي الجرمي في الشرح الجربعد "ما" عن بعض العرب.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بتایا کہ "خلا" عَدَا" کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے ابھی یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے آپ جر بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان سے پہلے "مَا" نہ ہو، سیبویہ رحمہ اللہ نے ان کے ذریعے جر کو محفوظ نہیں کیا ہے البتہ امام اخفشؒ نے اس کی حکایت کی ہے "خلا" کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۵- خَلاَ اللّٰــهِ لاأرجـو سِـواکَ، واِنّـمـا
اُعُـدّ عِـيَـالـی شـعْبةً مـن عيـالـکـا

ترجمہ:..... سوائے اللہ کے میں آپ کے علاوہ کسی اور سے امید نہیں رکھتا اور تحقیق میں تو اپنے اہل وعیال آپ کے اہل وعیال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔

تشریح المفردات:

(اعُدّ) نصر سے بمعنی گننا، (عیال) عیّل کی جمع ہے جیسے جیاد، جید کی جمع ہے، گھر والوں کو کہا جاتا ہے۔

اِن سب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زیر کفالت ہوں، (شعبة) طائفہ، جماعت اس کی جمع شُعب ہے جیسے غرفة کی جمع غُرَف ہے۔

محلِ استشہاد:

"خلا اللهِ" محلِ استشہاد ہے یہاں "خلا" حرفِ جر استعمال ہوا ہے اور لفظ اللہ اس کی وجہ سے مجرور ہے۔

نوٹ:...... شارح نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ سیبویہ رحمہ اللہ نے عرب سے (خلا) وغیرہ کے جر کو نقل نہیں کیا ہے لیکن حاشیہ میں ہے کہ یہ نقل صحیح ہے اور سیبویہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں باقاعدہ اس نقل کی تصریح کی ہے۔

"عدا" کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۶- تركنا في الحضيض بنات عُوجٍ
عَواكفَ قد خَضَعْنَ الى النسورِ
أبحنا حيّهم قتلاً واسرًا
عَدَا الشمطاءِ وَالطّفلِ الصغيرِ

ترجمہ:...... ہم نے پست زمین میں اعوجی گھوڑے ہمیشہ کیلئے چھوڑے جو گدھوں کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم نے ان کے قبیلہ کی بیخ کنی کی قتل کے ساتھ اور قیدی بنانے کے ساتھ، سوائے بوڑھی عورت اور چھوٹے بچے کے۔

تشریح المفردات:

(الحضيض) پست زمین کا نام ہے، (بنات عوج) یہاں موصوف محذوف ہے ای بنات خیل عوج "بنات، اخوات" کو نحویوں نے جمع مؤنث سالم میں سے بنایا ہے اس لئے کہ جمع کی تاء ان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء اصل ہے اس لئے کہ ان کا مفرد بنت، اخت کی تاء ان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء اصل ہے اس لئے کہ ان کا مفرد بنت، اخت ہے ابن، اخ پر حمل کر کے جمع میں ان سے تاء کو حذف کیا۔ (عوج) اعْوَج یا عوجاء کی جمع ہے، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اعوج نامی عمدہ نسل کے گھوڑے کی طرف منسوب ہیں یعنی اس کی نسل سے ہیں، یہ گھوڑا پہلے کندہ (جو یمن کا ایک قبیلہ ہے) کے پاس تھا پھر بنو سلیم نے لیا آخر کار بنو ہلال کا ہی رہ گیا۔ (عواكف) عاكفة کی جمع ہے لازم

پکڑنا، ہمیشہ رہنا۔ (خضعن) خضوع سے مراد یہاں ذلت ہے۔ (النسور) نسر کی جمع ہے بمعنی گدھ۔ اس کی کنیت ابوالابرد (ابوالاصبع، ابومالک، ابوالمنهال، ابویحیی ہے مادہ کی کنیت "اُمّ قشعم" ہے۔ نسر یسرُ کے معنی نوچنا، اور نگلنا، گدھ چونکہ شکار کو نگلتا ہے اس لئے اس کو "نسر" کہا جاتا ہے، اس کو سیّد الطیور (تمام پرندوں کا سردار) بھی کہتے ہیں اس کی عمر لمبی ہوتی ہے بعض حضرات کے ہاں ایک ہزار سال کی عمر ہوا کرتی ہے، اڑنے کی طاقت اتنی ہے کہ مشرق اور مغرب کے فاصلہ کو ایک دن میں طے کر لیتا ہے، اس کا جسم اتنا بڑا ہے کہ بعض کے قول کے مطابق ہاتھی کے بچوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے، قوت شامہ اتنی تیز کہ چار سو فرسخ تک مردار کی بو سونگھ سکتا ہے، مردار پر جب آ جائے تو ہیبت کی وجہ سے اس سے دیگر پرندے دور ہو جاتے ہیں، اتنا زیادہ کھاتا ہے کہ پھر حرکت بھی نہیں کر سکتا ایک کمزور آدمی اس حالت میں پکڑ سکتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جب یہ خوشبو سونگھتا ہے تو مر جاتا ہے اپنے دوست کی جدائی پر غمزدہ رہتا ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی وجہ سے مر بھی جاتا ہے، عورت کا وضع حمل مشکل ہو تو اس کے پر کو عورت کے نیچے رکھنے سے وضع حمل میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ من فتح الجلیل) (حیّ) قبیلہ (الشمطاء) بوڑھی عورت جس کے بال سفید ہو چکے ہوں۔

محل استشہاد:

(عدا الشمطاء) محل استشہاد ہے یہاں "عدا" حرف جر استعمال ہوا ہے۔ (الشمطاء) اس کی وجہ سے مجرور ہے۔

فان تقدمت الخ:

خلا، عدا سے پہلے ما آجائے تو ان کا حکم:

اگر "خلا، عدا" سے پہلے "ما" نہ ہو تو پھر یہ دونوں حرف جر بھی ہو سکتے ہیں (کمامر ذکرہ تفصیلا) ہاں اگر اس سے پہلے "ما" آ جائے تو ان کے ذریعہ نصب دینا واجب ہے جیسے "جاء القوم ما خلا زیدا" "ما عدا زیدا" "ما" یہاں مصدریہ ہے "خلا" "عدا" دونوں فعل ہیں ان کا فاعل وہ ضمیر مستتر ہے جو بعض کی طرف راجع ہے اور "زیدا" مفعول ہے۔

مصنفؒ کے قول "وبعد ما انصب الخ" کا یہی معنی ہے البتہ کسائی رحمہ اللہ نے "ما" کے داخل ہونے کے بعد بھی جر کو جائز قرار دیا ہے "ما" اس صورت میں ان کے ہاں زائد ہے اور "خلا اور "عدا" دونوں حرف جر ہیں مصنفؒ کے قول "وانجرار قد یرد" کا یہی مطلب ہے۔ جرمیؒ نے بھی شرح میں بعض عرب سے ما کے بعد جر کو نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَحَيْثُ جَرَّا فَهُمَا حَرْفَانِ
كَمَا هُمَا إِنْ نَصَبَا فِعْلَانِ

ترجمہ:..... جہاں خلا اور عدا جر دیدیں تو وہ دونوں حرف ہونگے جس طرح نصب دینے کی صورت میں یہ دونوں فعل ہوتے ہیں۔

خلا، عدا کے مابعد اعراب

یعنی اگر خلا، عدا، کے ذریعے مابعد مجرور ہو تو اس صورت میں یہ دونوں حرف جر ہونگے اور اگر مابعد منصوب ہوں تو دونوں فعل ہونگے۔

وَكَخَلَا حَاشَا، وَلَا تَصْحَبُ "مَا"
وَقِيلَ "حَاشَ" وَ"حَشَا" فَاحْفَظْهُمَا

ترجمہ:..... "خلا" کی طرح "حاشا" بھی ہے اور "حاشا" "ما" کے ساتھ نہیں آتا اور "حاش، اور "حشا" بھی کہا گیا ہے پس ان کو یاد کر لیں۔

(ش) المشهور أن "حاشا" لا تكون إلا حرف جر، فتقول: "قام القوم حاشا زيدٍ" بجر "زيد" وذهب الأخفش والجرمي والمزني والمبرد وجماعة - منهم المصنف - إلى أنها مثل "خلا": تستعمل فعلا فتنصب ما بعدها، وحرفا فتجر ما بعدها؛ فتقول: "قام القوم حاشا زيدا، وحاشا زيدٍ"، وحكى جماعة - منهم الفراء، وأبو زيد الأنصاري، والشيباني - النصب بها، ومنه: "اللّٰهم اغفر لي ولمن يسمع، حاشا الشيطان وأبا الإصبع" وقوله:

۱۷۷- حَاشَا قُرَيْشًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُمْ
عَلَى الْبَرِيَّةِ بِالْإِسْلَامِ وَالدِّينِ

وقول المصنف: "ولا تصحب ما" معناه أن "حاشا" مثل "خلا" في أنها تنصب ما بعدها أو تجره، ولكن لا تتقدم عليها "ما" كما تتقدم على "خلا"؛ فلا تقول: "قام القوم ما حاشا زيدًا"، وهذا الذي ذكره هو الكثير، وقد صحبتها "ما" قليلاً؛ ففي مسند أبي أمية الطرسوسي عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أسامة أحب الناس إليّ ما حاشا فاطمة"

وقوله:

۱۷۸- رَأَيْتُ النَّاسَ مَا حَاشَا قُرَيْشًا
فَإِنَّا نَحْنُ أَفْضَلُهُمْ فَعَالاً

ويقال في "حاشا": "حاش، وحشا"

حَاشَا کا استعمال:

(ادات استثناء میں سے "حَاشَا" بھی ہے مشہور قول کے مطابق "حَاشَا" صرف حرف جر استعمال ہوتا ہے جیسے "قَامَ الْقَوْمُ حَاشَا زَيْدٍ" امام اخفش، الجرمی، مازنی، مبرّد اور مصنف رحمہم اللہ کے نزدیک "حاشا" "خلا" کی طرح ہے فعل بھی استعمال ہوتا ہے اور مابعد منصوب ہوگا اور حرف بھی استعمال ہوتا ہے اور مابعد اس کا مجرور ہوگا جیسے "قَامَ الْقَوْمُ حَاشَا زَيْدًا، حَاشَا زَيْدٍ۔ ایک جماعت نے (جن میں فراء، ابو زید انصاری، شیبانی رحمہم اللہ شامل ہیں) نصب کی بھی حکایت کی ہے اور انہی سے یہ قول ہے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِمَنْ يَسْمَعُ حَاشَا الشَّيْطَانَ وَأَبَا الْأَصْبَعِ" (یہاں لفظ شیطان منصوب ہے اور ابا الاصبع اس پر عطف ہے یہ بھی حالت نصبی میں ہے الف کے ساتھ)

اور شاعر کا یہ قول بھی ہے:

۱۷۷- حَاشَا قُرَيْشًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُمْ
عَلَى الْبَرِيَّةِ بِالْإِسْلَامِ وَالدِّينِ

ترجمہ:......(پہلے حکم سے) قریش مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ اللہ سب العزت نے اسلام اور دین کی وجہ سے ان کو باقی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

توضیح المفردات:

(قریشا) نضر بن کنانہ کی نسل، یا فہر بن مالک بن نضر کی نسل اور ان کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے، (قریش) قرش کی تصغیر ہے سمندر کے جانوروں میں سے ایک جانور ہے جو دیگر جانوروں کو کھاتا اور ان پر غالب آتا ہے اس کو "قرش" کہا جاتا ہے چونکہ ان میں بھی شدت تھی اس لئے شدت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ان کو بھی "قریش" کہا جانے لگا۔ (بریۃ) اصل میں بریئۃ تھا ہمزہ کو گرا کر بریۃ کہا جانے لگا۔

محل استشہاد:

"حاشا قریشا"، محل استشہاد ہے یہاں حاشا فعل استعمال ہوا ہے اور اس کے ذریعے مابعد کو نصب دیا گیا

قولُ المصنّف الخ

قولہ و لا تَصحَبُ ما" کہہ کر مصنف اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ "حاشا" خلا کی طرح ہے کہ یہ اپنے مابعد کو نصب دیتا ہے اور جر، لیکن فرق یہ ہے "خلا" پر "ما" آتا تھا لیکن اس پر "ما" نہیں آتا ہے اور "ما" کا نہ آنا کثیر ہے نہ آنا قلیل ہے۔ چنانچہ مسند ابی امیۃ الطرسوسی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُسَامَۃ اَحبُّ النَّاسِ الیَّ ما حَاشَا فَاطِمَۃَ" (اسامہ (بن زید رضی اللہ عنہ) تمام لوگوں میں سوائے فاطمہ کے مجھے بہت پسند ہے)

فائدہ:...شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ اکثر نحویوں کو وہم ہو گیا کہ "ما حاشا فاطمۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے ہے ایسے حضرات فرماتے ہیں کہ "حاشا" یہاں استثنائیہ ہے اور اس پر "ما" داخل ہوا ہے۔ لیکن یہ یقینی نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ "ما حشا فاطمۃ" راوی کا قول ہو اور راوی کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "اسامۃ احب الناس الیّ" اور ما حاشا فاطمۃ میں ما نافیہ ہے اور حاشا فعل ماضی متصرف

ہے (باب مفاعلہ سے ماضی کا صیغہ ہے یہی وجہ ہے کہ نابغہ ذبیانی کے شعر میں "أُحَاشي" اس کا مضارع استعمال ہوا ہے، حاشی یُحَاشِي استثناء کرنے کے معنی میں ہے) اور راوی کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور نہ اہل بیت میں سے کسی کو مستثنیٰ کیا، بلکہ حاشیۃ الخضری میں جزم ویقین کے ساتھ لکھا ہے کہ "معجم طبرانی" میں ہے "مَا حَاشَا فاطمة ولا غيرها" جس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے الغرض یہ کہنا کہ "حاشا" استثنائیہ ہے اور اس پر ما مصدریہ داخل ہے صحیح نہیں۔

اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۸- رأيتُ النَّاسَ مَا حَاشَا قُرَيْشًا
فَإِنَّا نَحْنُ أَفْضَلُهُمْ فَعَالاً

ترجمہ:..... میں نے لوگوں کو دیکھا سوائے قریش کے کہ ہم ان سے کارکردگی، کرم وسخاوت کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

تشریح المفردات:

(رأيتُ) علمیہ ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے (الناس) مفعول اول (دوننا) مفعول ثانی حذف ہے (فعالا) فاء کے فتحہ کے ساتھ سخاوت اور اچھی کارکردگی، اور کسرہ کے ساتھ فعل کی جمع ہے، اکثر فتحہ کے ساتھ اچھے کاموں اور کسرہ کے ساتھ برے کاموں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

"ماحاشا قریشا" محل استشہاد ہے یہاں "حاشا" پر "ما" مصدریہ آیا ہے جو قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حاشا میں تین مذاہب ہیں۔

(۱)..... اول یہ کہ یہ صرف حرف جر استعمال ہوتا ہے اور اس کا مابعد صرف مجرور ہوتا ہے اور یہ امام سیبویہؒ اور زمخشریؒ کی رائے ہے۔

(۲)..... دوم یہ کہ "حاشا" صرف فعل استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مابعد میں نصب بھی جائز ہے اور جر بھی، اگر مجرور ہو تو وہاں حرف جر حذف ہوگا اور اس کا عمل باقی رہے گا، اگر منصوب ہو تو منصوب بنزع الخافض ہوگا۔

(۳)......سوم یہ کہ یہ فعل ہو کر اپنے مابعد کو نصب بنا بر مفعولیت دیتا ہے اور حرف جر بھی ہوتا ہے یہ امام مبرّد مازنی رحمهما الله کا مسلک ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان کے مسلک ہی کی پیروی کی ہے اور سماع عن العرب بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ والله اعلم۔

ویقال فی حاشا الخ:

"حاشا" کے اندر دو لغتیں اور ہیں ایک "حاشَ" ہے اور دوسری "حَشَا" ہے۔

فائدہ:...... بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حاشا" استثنائیہ کے اندر دو لغتیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ یہ لغتیں "حاشا" تنزیہیہ کے اندر ہیں۔

جاننا چاہئے کہ "حاشا" کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......استثنائیہ۔

(۲)......وہ جو فعل متصرف ہو اور "استثنی" کے معنی میں ہو ان دونوں کا ذکر ہو چکا۔

(۳)......تنزیہیہ، جو مابعد کے نقصان کو دور کرنے کیلئے آ جائے جیسے "حَاشَ لِلّٰہِ" یعنی یہ اللہ کے لئے بری ہے۔ والله اعلم۔

وصلت الی هٰذا المقام قبیل صلاة الفجر فی ۱۰ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ صبح

الحال

الحال وصف، فضلة، منتصب
مفهم في حال كفردًا اذهب

ترجمہ……حال ایسا وصف ہے جو فضلہ اور منصوب ہوتا ہے اور حال پر دلالت کرے جیسے "فردًا اذهبُ" میں جاتا ہوں اس حال میں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔

(ش) عرّف الحال بأنه "الوصف، الفضلة، المنتصب، للدلالة على هيئة" نحو: "فردًا أذهب" ف" فردًا" حال لوجود القيود المذكورة فيه.

وخرج بقوله "فضلة": الوصف الواقع عمدة، نحو: "زيد قائم"

وبقوله "للدلالة على الهيئة": التمييز المشتق، نحو: "لله دره فارسًا" فإنه تمييز لا حال على الصحيح، إذ لم يقصد به الدلالة على الهيئة، بل التعجب من فروسيته، فهو لبيان المتعجب منه، لا لبيان هيئته.

وكذلك: "رأيت رجلا راكبًا" فإن "راكبًا" لم يسق للدلالة على الهيئة، بل لتخصيص الرجل.

وقول المصنف "مفهم في حال" هو معنى قولنا "للدلالة على الهيئة"

ترجمہ وتشریح:

حال کی تعریف:

(حال لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو کہتے ہیں جس پر انسان گامزن ہو یعنی خیر یا شر) اصطلاحی معنی کے اعتبار سے

حال اس وصف کو کہتے ہیں جو کلام فضلہ، منصوب ہو اور دلالت کرے کسی ہیئت پر، جیسے فرداً اذھبُ (عام طور پر "جاء نی زید راکبًا" کی مثال پیش کی جاتی ہے، ضرورت شعری کی وجہ سے "فرداً اذھب" کی مثال ذکر کی)

"فضلة" سے احتراز کیا اس وصف سے جو کہ عمدہ واقع ہو جیسے زید قائمٌ میں قائم وصف ہے لیکن خبر ہونے کی وجہ سے عمدہ واقع ہے۔

"للدلالة علی الھیئة" کے قول سے تمیز مشتق نکل گئی جیسے "للّٰہ درّہ فارسًا" صحیح قول کے مطابق یہ تمیز ہے حال نہیں اس لئے کہ اس مقصود ہیئت پر دلالت کرنا نہیں بلکہ آدمی کی شہسواری پر تعجب ہے، الغرض اس میں متعجب منہ کا بیان ہے ہیئت کا نہیں۔

اسی طرح رأیت رجلا راکبًا" میں راکبًا کو آدمی کی تخصیص کیلئے لایا ہے بیان علی الھیئة کیلئے نہیں۔

وَكَوْنُهُ مُنْتَقِلاً مُشْتَقًّا
يَغْلِبُ، لٰكِنْ لَيْسَ مُسْتَحَقًّا

ترجمہ:......اور اس حال کا منتقل اور مشتق ہونا غالب ہے لیکن مستحق نہیں۔

(ش) الاکثر فی الحال أن تکون منتقلة مشتقة ومعنی الانتقال: الا تکون ملازمة للمتصف بها، نحو: "جاء زید راکبًا" فـ"راکبًا" وصف منتقل لجواز انفکاکه عن "زید" بأن یجیء ماشیًا.

وقد تجیء الحال غیر منتقلة، أی وصفا لازمًا، نحو: "دعوت اللّٰہ سمیعًا" و"خلق اللّٰہ الزرافة یدیها أطول من رجلیها"، وقوله:

۱۷۹-فَجَاءَتْ بِهِ سَبْطَ الْعِظَامِ، كَأَنَّمَا
عِمَامَتُهُ بَيْنَ الرِّجَالِ لِوَاءُ

فـ"سمیعًا، وأطول، وسبط" أحوال وهی أوصاف لازمة.

وقد تأتی الحال جامدة، ویکثر ذلک فی مواضع ذکر المصنف بعضها بقوله:

ترجمہ وتشریح:

حال کی قسمیں:

حال کی دو قسمیں ہیں (۱) منتقلہ، (۲) غیر منتقلہ

منتقلہ اس حال کو کہتے ہیں جو ذوالحال کے ساتھ ملازم نہ ہو یعنی جدا بھی ہو سکتا ہے جیسے "جاء زید راکبًا" راکبًا وصف منتقلہ ہے زید سے الگ بھی ہو سکتا ہے بایں طور کہ وہ پیدل آجائے۔

غیر منتقلہ وہ ہے جو ذوالحال کے ساتھ وصف لازم ہو۔ جیسے "دَعَوْتُ اللهَ سَمِيعًا (سمیع (سننے والا) حال ہے رب کریم کے ساتھ لازم ہے) اور یہ قول "خَلَقَ اللّٰهُ الزَّرَافَةَ يَدَيْهَا اطْوَلَ مِنْ رِجْلَيْهَا" (اللہ تعالیٰ نے "زرافہ" جانور کو پیدا کیا اس حال میں کہ اس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے لمبی ہیں۔ (یدیھا سے اگلی ٹانگیں مراد ہیں کیونکہ اگلی ٹانگیں بمنزلہ ہاتھوں کے ہیں یہاں (یدیھا الخ) حال ہے زرافۃ سے اور حال غیر منتقلہ ہے اس لئے کہ اگلی ٹانگوں کا لمبا اور پچھلی کا چھوٹا ہونا اس کے ساتھ وصف لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتا۔

زرافۃ ایک کھر والا جانور ہے اس کی اگلی ٹانگیں لمبی، پچھلی چھوٹی، گردن گھوڑے کے مانند، مگر اس سے لمبی اور کھڑی، کھال چیتے کی طرح، قد کی درازی میں اونٹ کے برابر، سر پر دو چھوٹے سینگ، جمع زرافی، زرالی، زرائف آتی ہے)

حال غیر منتقلہ کے قبیل سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۹ ۔ فَجَاءَتْ بِهِ سَبْطَ الْعِظَامِ ، كَأَنَّمَا
عِمَامَتُهُ بَيْنَ الرِّجَالِ لِوَاءُ

ترجمہ: پس ام جندج نے (جندج) اپنے بیٹے کو جنا اس حال میں کہ وہ مناسب قد وقامت والا تھا گویا کہ اس کی پگڑی لوگوں کے درمیان جھنڈے کی طرح تھی۔

تشریح المفردات:

(جاءت) میں ھی ضمیر ام جندج کی طرف راجع ہے۔ یہاں شاعر جندج (بروزن قنفذ) کی تعریف کر رہا ہے، (سبط العظام) یعنی مناسب قد وقامت والا (عمامۃ) بکسر العین پگڑی (لواء) جھنڈا یہ پرچم کے مقابلے میں کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(سبط العظام) محل استشہاد ہے یہاں حال وصف لازم آیا ہے۔ کبھی حال جامد بھی آتا ہے یعنی مشتق نہیں

مصنفؒ نے ان جگہوں میں سے بعض کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔

ویکثر الجمود فی سعر، وفی
مُبدی تأوُلٍ بِلا تکلُّف
کَبِعْهُ مُدًّا بکذا، یَدًا بید
وکرّ زیدٌ اسدًا ای کاسد

ترجمہ:...... اور حال کا جامد ہونا کثیر ہے اگر دلالت کرے ''نرخ، بھاؤ'' پر اور اس حال میں بھی کثیر ہے جو بغیر تکلف کے مشتق کی تاویل کو ظاہر کرے، جیسے بعه مُدًا الخ ۔
(وضاحت آگے آرہی ہے انشاء اللہ)

(ش) یکثر مجیء الحال جامدة إن دلّت علی سعر، نحو: "بعه مدابدرهم" فمدًا: حال جامدة، وهی فی معنی المشتق، إذ المعنی "بعه مسعرًا کل مد بدرهم" ویکثر جمودها-أیضًا-فیما دل علی تفاعل، نحو: "بعته یدًا بیده" ای: مناجزة، أو علی تشبیه، نحو: "کرّ زید أسدًا": أی مشبها الأسد، ف"ید، وأسد" جامدان، وصح وقوعهما حالا لظهور تأولهما بمشتق کما تقدم، وإلی هذا أشار بقوله: "وفی مبدی تأول" أی: یکثر مجیء الحال جامدة حیث ظهر تأولها بمشتق.

وعلم بهذا وما قبله أن قول النحویین "إن الحال یجب أن تکون منتقلة مشتقة" معناه أن ذلک هو الغالب، لا أنه لازم، وهذا معنی قوله فیما تقدم: "لکن مستحقًا".

ترجمہ وتشریح:

حال کبھی جامد بھی آتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ حال اکثر مشتق ہی آیا کرتا ہے ابھی بتا رہے ہیں کہ کبھی کبھار جامد بھی آجاتا ہے لیکن وہاں حال کا جامد آنا کثیر ہے جہاں وہ نرخ، بھاؤ پر دلالت کرے جیسے "بِعْهُ مُدًّا بدرهم" (اس بندے پر ایک مدا یک درہم کا بیچ دو) مُد یہاں جامد ہے اور یہ مشتق کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے۔ "بعد مُسَعرًا کل مد بدرهم" (مسعرا مفعول کا صیغہ ہے اور مفعول مشتق ہوا کرتا ہے)

فائدہ:...... مدّ ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل حجاز کے نزدیک ۱/۳ اور اہل عراق کے نزدیک دو رطل ہے۔

ویکثر الخ:

حال جہاں تفاعل پر دلالت کرے وہاں بھی نیابۃً حال جامد استعمال ہوتا ہے جیسے بعتہ یدًا بید ای مناجزۃً، میں نے اس چیز کو ہاتھ در ہاتھ بیچ دی، یا تشبیہ پر دلالت کرے جیسے "کرّ زید اسدًا، ای مشبھًا الاسد (زید نے شیر کی طرح حملہ کیا)

یہاں "ید" اور " اسد" دونوں کا حال واقع ہونا صحیح ہے اس لئے کہ ان کی تاویل مشتق سے کرنا واضح ہے۔
مصنفؒ کے قول "وفی مبدی تاوّل" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وعلم الخ اس سے معلوم ہوا کہ نحوی حضرات یہ جو کہتے ہیں کہ حال کا مشتق ہونا واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ غالب ہے یعنی اکثری قاعدہ ہے لازم نہیں، مصنفؒ کے قول " لکن لیس مستحقا " سے یہی مراد ہے۔

وَالْحَالُ إِنْ عُرِّفَ لَفْظًا فَاعْتَقِدْ
تَنْكِيرَهُ مَعْنًى، كَوَحْدَكَ اجْتَهِدْ

ترجمہ:...... حال اگر لفظاً معرّف ہو تو معنیً اس کے نکرہ ہونے کا اعتقاد رکھیں جیسے
وَحْدَكَ اجْتَهِدْ

(ش) مذهب جمهور النحويين أن الحال لا تكون إلا نكرة، وأن ما ورد منها معرفا لفظًا فهو منكر معنى، كقولهم: جاءوا الجماء الغفير.

۱۸۰ –وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ

واجتهد وحدك، وكلمته فاه إلى في ؛ ف"الجماء، والعراك، ووحدك، وفاه": أحوال، وهي معرفة لكنها مؤولة بنكرة، والتقدير: جاءوا جميعا، وأرسلها معتركة واجتهد منفردا، وكلمته مشافهة.

وزعم البغداديون ويونس أنه يجوز تعريف الحال مطلقا بلا تأويل؛ فأجازوا: "جاء زيد الراكب".

وفصَّل الكوفيون، فقالوا: إن تضمنت الحال معنى الشرط صح تعريفها، وإلا فلا، فمثال ما تضمن معنى الشرط "زيد الراكب أحسن منه الماشي" ف"الراكب والماشي": حالان، وصح تعريفهما لتأولهما

بالشرط،إذ التقدیر: زیدإذارکب أحسن منہ إذامشی، فإن لم تعقدبالشرط لم یصح تعریفھا؛ فلاتقول:"جاء زیدالراکب" إذلایصح:"جاء زید إن رکب"

ترجمہ وتشریح:

حال نکرہ ہوتا ہے:

جمہورنحویوں کا مسلک یہ ہے کہ حال صرف نکرہ ہوا کرتا ہے جہاں لفظاً حال معرفہ آجائے وہاں معنی نکرہ کہا جائے گا جیسے "جاء وا الجماء الغفیر" میں جاء و اجمیعاً" کہا جائے گا۔

اوراسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۰-وَارسلھا العراک وَلَمْ یذدھا
وَلَمْ یُشْفِقْ عَلٰی نَغَصِ الدِّخَالِ

ترجمہ:...... پانی پراس گدھے نے گدھیوں کواجتماع (رش) کی حالت میں بھیجا اور ان کو منع نہیں کیا اوران کے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے پانی پینے کی کمی پر بھی نہ ڈرا۔

تشریح المفردات:

(ارسل) باب افعال سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس میں "ھو" ضمیر مستتر ہے جو راجع ہے حمار وحشی کی طرف اور (ھا) ضمیر گدھیوں کی طرف راجع ہے۔

یہاں شاعر حمار وحشی کی تعریف کررہا ہے کہ حمار وحشی نے گدھیوں کو بھیجتے وقت کمال کا مظاہرہ کیا وہ اس طرح کہ ان کو بھیجتے وقت خود وہ بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور گدھیوں کو دیکھتا رہا ایسا نہ ہو کہ شکاری آدمی ان پر حملہ کردے، جب وہ شکاری کو دیکھتا تو فوراً ہنہناتا تا کہ اس کی آواز سن کر گدھیاں ادھر ادھر ہو جائیں اور شکاری کے ہاتھ سے نکل جائیں۔اسی عمل کو ارسال سے تعبیر کیا، ارسال کی نسبت حمار وحشی کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقۃً ارسال ذی روح کا کام ہے۔(العراک) ای معترکۃً ہجوم (لم یذد) نصر سے بمعنی منع کرنا (نغص) نغص الرجل کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی مراد پوری نہ ہوئی، نغص البعیر اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے سیر ہوکر پانی نہ پیئے یہاں بھی یہی مراد ہے۔(دخال) سے

یہاں مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے اونٹ کو (جس نے ایک بار پانی پیا ہے) کو ان اونٹوں کے ساتھ شامل کرے جنہوں نے ایک بار پیا ہے تاکہ اس کا اونٹ دوبارہ پی لے۔

محل استشہاد:

(العراک) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے، معرفہ ہے لیکن چونکہ یہ مؤول بالنکرۃ ہے اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہے ای ارسلها معترکۃً (معترکۃ نکرہ سے مؤول ہے)

اسی طرح اجتهد وحدک میں "منفردًا" کلمته فاه الی فی" میں مُشَافَهَةً کی تاویل کی جائے گی۔

وزعم البغداديون الخ:

بغدادیین اور یونس رحمہم اللہ کے نزدیک حال کو مطلقاً معرفہ بنانا جائز ہے بغیر کسی تاویل کے، چنانچہ انہوں نے "جاء زیدٌ الرّاکبَ" کو مطلقاً جائز کہا ہے۔ اور کوفیین نے اس میں تفصیل کی ہے کہ جب حال شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کو معرفہ بنانا صحیح ہے اور اگر شرط کے معنی کو متضمن نہ ہو تو پھر صحیح نہیں تضمن کی مثال "زیدٌ الراکبَ اَحْسَنُ منه الماشی" (زید اس حال میں کہ وہ سوار ہو اچھا ہے اس سے جب وہ پیدل چلنے والا ہو)

یہاں "الراکب الماشی" دونوں حال ہیں اور چونکہ یہ دونوں شرط کے معنی کو متضمن ہیں اس وجہ سے ان کا حال واقع ہونا صحیح ہے اذالتقدیر زیدٌ اذا رکِبَ اَحْسَنُ منه اذامشی" عدم تضمن کی مثال "جاءَ زیدٌ الراکِبَ" یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جاءَ زیدٌ اِن رکبَ نہیں کہہ سکتے۔

وَمَصْدَرٌ مُنَكَّرٌ حَالاً يَقَعْ
بِكَثْرَةٍ كَبَغْتَةً زَيْدٌ طَلَعْ

ترجمہ:...... جو مصدر نکرہ ہو وہ حال واقع ہوتا ہے کثرت کے ساتھ جیسے " بغتةً زیدٌ طَلَعَ" (زید اچانک نمودار ہوا، یہاں بغتةً مصدر نکرہ حال واقع ہے)

(ش) حقُّ الحال أن يكون وصفا – وهو مادلّ على معنى وصاحبه: كقائم، وحسن، ومضروب – فوقوعها مصدرًا على خلاف الأصل، إذ لا دلالة فيه على صاحب المعنى.

وقد كثر مجيء الحال مصدرًا نكرةً، ولكنه ليس بمقيس؛ لمجيئه على خلاف الأصل، ومنه "زيد طلع بغتةً" فـ"بغتةً": مصدر نكرة، وهو منصوب على الحال، والتقدير: زيد طلع باغتًا؛ هذا مذهب سيبويه والجمهور.

وذهب الكوفيون إلى أنه منصوب على المصدرية كما ذهبا إليه، ولكن الناصب له عندهم الفعل المذكور [وهو طلع] لتأويله بفعل من لفظ المصدر، والتقدير في قولك "زيد طلع بغتةً": "زيد بغت بغتة"؛ فيؤولون "طلع" ببغت، وينصبون به "بغتة".

ترجمہ وتشریح:

حال میں زیادہ تر بات یہ ہے کہ وہ ایسا وصف ہوا کرتا ہے جو معنی اور معنی والے پر دلالت کرے جیسے قائم، حَسَن، مضروب، چنانچہ حال کا مصدر واقع ہونا خلاف الاصل ہے اسلئے کہ مصدر میں معنی پر تو دلالت ہوتی ہے جیسے ضرب (اس میں مارنا وصف تو پایا جاتا ہے لیکن مارنے والے پر دلالت نہیں)

شرح کی تفصیل سے پہلے یہ بات جاننی چاہیے کہ اس میں دو جگہ اختلاف ہے جس کی طرف شارحؒ نے اشارہ کیا ہے اور زیادہ وضاحت نہیں کی پہلا اختلاف منکر مصدر کے بارے میں ہے کہ اس کا اعراب کیا ہے، اور دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ اس ترکیب پر قیاس کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۱:......امام سیبویہ اور جمہور کے ہاں اس کا اعراب نصب بنا بر حالیت ہے اور اس کی تاویل مناسب وصف کے ساتھ کی جائیگی جیسے "زيدٌ طلَعَ باغِتًا"

۲:......امام اخفش اور مبرد رحمہما اللہ کے ہاں یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے اور اس کا عامل محذوف ہے اور فعل فاعل ملکر حال ہے۔ چنانچہ طَلَعَ زيدٌ بغتَةً میں تقدیر عبارت ہے يبغتُ بغتَةً یہاں ان دونوں حضرات کے ہاں "بغتَةً" حال نہیں ہے بلکہ يبغتُ ہے۔

۳:......کوفیین کے ہاں بھی یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے لیکن ان کے ہاں اس کا عامل اسی کے لفظ سے محذوف ہے "زيدٌ طَلَعَ بغتَةً میں زيدٌ بَغَتَ بغتَةً "تقدیر عبارت ہوگی۔

اب رہا دوسرا اختلاف کہ حال کلام عرب میں مصدر منکر استعمال ہوا ہے تو کیا اس پر اس کے علاوہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امام سیبویہؒ کے ہاں باوجود کلام عرب میں کثرت سے وارد ہونے کے اس پر قیاس جائز نہیں جبکہ بعض دیگر حضرات کے ہاں جائز ہے (طالع لمزیدہ حاشیۃ ابن عقیل)۔

وَلَمْ يُنَكَّرْ غَالِبًا ذُو الحَالِ إنْ
لَمْ يَتَأَخَّرْ أَوْ يُخَصَّصْ أَوْ يَبِنْ
مِنْ بَعْدِ نَفْيٍ أَوْ مُضَاهِيهِ كَ، لَا
يَبْغِ امْرُؤٌ عَلَى امْرِئٍ مُسْتَسْهِلَا

ترجمہ:......اور اکثر و بیشتر ذوالحال نکرہ نہیں ہوتا اگر مؤخر نہ ہو، یا اس کی تخصیص نہیں کی گئی ہو یا نفی اور شبہ نفی کے بعد واقع نہ ہو (ورنہ پھر نکرہ ہوتا ہے) جیسے لا یبغ الخ۔

(ش) حق صاحب الحال أن يكون معرفة، ولا ينكر في الغالب إلا عند وجود مسوغ، وهو أحد أمور:

منها: أن يتقدم الحال على النكرة، نحو: "فيها قائمًا رجل"، وكقول الشاعر، وأنشده سيبويه:

۱۸۱- وَبِالجِسْمِ مِنِّي بَيِّنًا لَوْ عَلِمْتِهِ
شُحُوبٌ، وَإِنْ تَسْتَشْهِدِي العَيْنَ تَشْهَدِ

وكقوله:

۱۸۲- وَمَا لَامَ نَفْسِي مِثْلَهَا لِيَ لَائِمٌ
وَلَا سَدَّ فَقْرِي مِثْلُ مَا مَلَكَتْ يَمِينِي

فـ"قائمًا": حال من "رجل"، و"بينًا" حال من "شحوب"، و"مثلها" حال من "لائم".

ومنها: أن تخصص النكرة بوصف، أو بإضافة، فمثال ما تخصص بوصف قوله تعالى: ﴿فيها يفرق كل أمر حكيم أمرًا من عندنا﴾.

وكقول الشاعر:

۱۸۲-نَجَّيْتَ يَارَبِّ نُوحًا واستجبتَ لَهُ
فِي فُلُكٍ مَاخِرٍ فِي اليَمِّ مَشْحُونَا
وَعَاشَ يَدْعُو بِآيَاتٍ مُبَيِّنَةٍ
فِي قَوْمِهِ أَلْفَ عَامٍ غَيْرَ خَمْسِينَا

ومثال ما تخصص بالإضافة قوله تعالىٰ:﴿في أربعة أيام سواء للسائلين﴾

ومنها: أن تقع النكرة بعد نفي أو شبهه،وشبه النفي هو الاستفهام والنهي ، وهو المراد "أو بين من بعد نفي أو مضاهيه" فمثال ماوقع بعد النفي قوله:

۱۸۳- مَا حُمَّ مِنْ مَوْتٍ حِمًى وَاقِيًا
وَلَا تَرَى مِنْ أَحَدٍ بَاقِيًا

ومنه قوله تعالىٰ:﴿وما أهلكنا من قرية إلا ولها كتاب معلوم﴾ف"لها كتاب"جملة في ع الحال من "قرية،وصح مجي الحال من النكرة لتقدم النفي عليها،ولا يصح كون الجملة قرية،خلافا للزمخشري،لأن الواو لا تفصل بين الصفة والموصوف،وأيضا وجود"إلا"مانع من ،إذلا يعترض "إلا"بين الصفة والموصوف،وممن صرح بمنع ذلك:أبو الحسن الأخفش في قل،وأبو علي الفارسي في التذكرة.

ومثال ماوقع بعد الاستفهام قوله:

۱۸۵-يَاصَاحِ هَلْ حُمَّ عَيْشٌ بَاقِيًا فَتَرَى
لِنَفْسِكَ العُذْرَ فِي إِبْعَادِهَا الأَمَلَا

ومثال ماوقع بعد النهي قول المصنف:"لا يبغ امرؤ على امرئ مُسْتَسْهِلاً" وقول قطري بن ة:

۱۸۶-لَا يَرْكَنَنْ أَحَدٌ إِلَى الإِحْجَامِ
يَوْمَ الوَغَى مُتَخَوِّفًا لِحِمَامِ

واحترز بقوله: "غالبًا" مما قلّ مجيء الحال فيه من النكرة بلا مسوّغ من المسوغات المذكورة، ومنه قولهم: "مررت بماء قعدة رجل" وقولهم: "عليه مائة بيضا"، وأجاز سيبويه "فيها رجل قائمًا"، وفي الحديث: "صلى رسول الله ﷺ قاعدًا، وصلى وراءه رجال قيامًا.

ترجمہ وتشریح:

ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے:

ذوالحال چونکہ معنی کے اعتبار سے مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا زیادہ تر معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مخصصہ وغیرہ (جس کا تفصیل ذکر مبتدا کی بحث میں جلد اوّل میں گزر گیا) اس لئے ذوالحال کیلئے بھی ضروری ہوا کہ یہ بھی معرفہ ہی واقع ہوگا۔

وہ جگہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں نکرہ واقع ہوسکتا ہے۔

(۱) حال نکرہ پر مقدم ہو جیسے "فيها قائمًا رجلٌ"

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۱- بالجسم منّي بيّنًا لو علمته
شُحوبٌ، وَإنْ تستشهدي العينَ تشهَدِ

ترجمہ:...... میرے جسم پر صاف واضح تغیر ہے اگر تو جانتی (تو میرے اوپر رحم کرتی) اور اگر آنکھ سے اس پر گواہی طلب کرنا چاہتی ہے تو وہ گواہی دے گی۔

تشریح المفردات:

(بالجسم) جار مجرور محذوف کے ساتھ متعلق ہو کر خبر مقدم۔ (بیّنًا) واضح ظاہر بان یبین ضرب سے اسم فاعل ہے، فاعلٌ کے وزن پر ہونا چاہئے لیکن اس وزن پر اسم فاعل کا آنا قلیل ہے۔ (لو علمته) میں لو شرطیہ ہے لعطفتِ علیّ، یا "لَرحمتِنیْ" اس کا جواب ہے (شحوب) بمعنی تغیر، مبتدا مؤخر (العین) آنکھ، ان اعضاء میں سے ہے جو مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

محلِ استشہاد.

(بیّنا) اور (شحوب) محلِ استشہاد ہیں یہاں (بیّنا) حال واقع ہے (شحوب) ذوالحال نکرہ ہے مسوغ (گنجائش پیدا کرنے والا) ذوالحال پر حال کی تقدیم ہے، لیکن یہ سیبویہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ہے ان کے ہاں مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے لیکن جمہور کے مسلک کے مطابق مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ان کے ہاں بیّنًا بالجسم کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اس صورت میں اس بیت میں کوئی شاہد نہیں۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۲۔ وَمَا لَامَ نَفْسِي مِثْلَهَا لِيَ لَائِمٌ
وَلَا سَدَّ فَقْرِي مِثْلُ مَا مَلَكَتْ يَمِينِي

ترجمہ:...... میرے نفس کو اس طرح کسی نے بھی ملامت نہیں کی جس طرح خود میرے نفس نے کی اور نہ میرے مملوکہ مال کی طرح کسی چیز نے میرے فقر کو دور کیا (یعنی میری ذات کو ملامت کرنے والی چیز میری ذات ہی کا آمد ثابت ہوئی (اس لئے کہ اپنی ذلت انسان کو اس کی غلطی کا احساس دلاتا ہے) اور جتنا میرے اپنے مال نے میرے فقر کو دور کیا اس طرح کسی اور چیز نے نہیں کیا۔

تشریح المفردات:

(ما) نافیہ ہے (لَامَ) یلومُ سے نصر سے ہے بمعنی ملامت کرنا، لوم، عذل، عتاب تینوں الفاظ مترادفہ ہیں (نفسی) مفعول بہ مقدم (مثلها) لائم سے حال ہے (ماملكت يمينی) اس سے مراد اپنا مملوکہ مال ہے اس لئے کہ ہاتھ اس کا مالک ہے۔

محلِ استشہاد:

(مثلها لی لائم) محلِ استشہاد ہے یہاں مثلها حال واقع ہوا ہے "لائم" سے جو کہ نکرہ ہے مسوغ یہاں بھی حال کی تقدیم ہے۔

وَمِنهاأن تخصّص الخ:

مسوغات میں سے یہ بھی ہے کہ نکرہ صفت یا اضافت کے ساتھ خاص ہو جائے تو اس صورت میں اس سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے تخصیص بالوصف کی مثال "فِیهَایُفرَقُ کلّ امرٍ حکیم امرًامن عندنا" یہاں امرًا، امرٍ سے حال واقع ہے جو کہ موصوف ہے اور حکیم اس کی صفت ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۳ ـ نَجَّیْتَ یَارَبِّ نُوحًا واستجبتَ لَهُ

فِی فُلُکٍ مَاخِرٍ فی الیَمّ مشحُونا

وَعَاشَ یَدعُوبِآیَاتٍ مُبَیِّنَة

فِی قَومِهِ اَلفَ عَامٍ غیرَ خَمسِینَا

ترجمہ:...... اے رب آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان کی دعا کو قبول فرمایا (آپ علیہ السلام نے دعا کی تھی رب لاتذر علی الارض من الکفرین دیارًا، اے رب زمین پر کافروں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ) نجات ایسی کشتی میں دی جو دریا میں پانی کو پھاڑ رہی تھی اس حال میں کہ کشتی بھری تھی، اور انہوں نے زندگی گزاری اس حال میں کہ وہ واضح دلائل اور نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال تک (یعنی ساڑھے نو سال تک)

تشریح المفردات:

(نوحًا) نوح عجمی لفظ ہے سریانی میں اس کا معنی ساکن کے ہیں بعض حضرات کے نزدیک ان کو نوح اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ زیادہ رویا کرتے تھے ورنہ ان کا اصل نام عبدالغفار تھا، جب سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں اترے اس وقت سے نوح علیہ السلام کی ولادت تک ایک ہزار چھ سو چالیس سال تک کا وقفہ ہے، بعض نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی، چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور ساڑھے نو سال اپنی قوم میں گزارے چھ سو سال کے بعد طوفان آیا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے ساج کی لکڑی سے کشتی بنائی ۱۰ رجب کو آپ اس پر سوار ہوئے اور ۱۰ محرم الحرام عاشوارہ کے دن جودی پہاڑ پر اترے۔

(نجیتَ یَارَبّ نوحًا)ای من الغرق(فلک) ایک ہی لفظ کے ساتھ جمع اور مفرد دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے(نحو مہر) یہاں اصل میں بسکون اللام تھا لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے فا کی مناسبت سے لام کو ضمہ کی حرکت دیدی۔(ماخر)الشق مع الصوت کشتی کا آواز کے ساتھ پانی کو چیرنا(یم) سمندر(مشحونا)بھری ہوئی۔

محل استشہاد:

(مشحونًا) محل استشہاد ہے یہ (فلک) نکرہ سے حال واقع ہوا ہے مُسَوِّغ یہاں نکرہ کا موصوف ہونا ہے (ماخر)صفت کیلئے۔

ومثال ماتخصّص بالاضافة:

تخصیص بالاضافة کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " فی اربعة ایّام سواءً للسّائلین" یہاں "سواءً" حال واقع ہے(اربعة) سے جس کی تخصیص ہو چکی ہے اضافت کے ساتھ۔

ومنها الخ:

ذوالحال کے نکرہ ہونے کی مسوّغات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نکرہ نفی یا شبہ نفی کے بعد واقع ہو،شبہ نفی سے استفہام اور نہی مراد ہے۔مصنفؒ کے قول " اوَیَبِنْ مِنْ بعد نفی الخ سے یہی مقصود ہے۔

نفی کے بعد نکرہ کے واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۳ - مَا حُمَّ مِنْ مَوْتٍ حِمًى وَاقِیًا
وَلاَ تَرَی مِنْ اَحَدٍ بَاقِیًا

ترجمہ:...... نہ تو موت سے کوئی پناہ گاہ مقرر کی گئی ہے جو بچانے والی ہے اور نہ آپ اس دنیا میں ہمیشہ کیلئے کسی کو باقی دیکھینگے۔

تشریح المفردات:

(حُمّ) ماضی مجہول کا صیغہ ہے از نصر کسی بات کا مقدر کیا جانا،مقرر ہونا،(حِمًی) جائے پناہ،محفوظ جگہ،(واقیًا) ضرب سے اسم فاعل،بچانے والا۔

محلِ استشہاد:

(واقیا، باقیا) محلِ استشہاد ہیں دونوں "حِمَی" نکرہ سے حال واقع ہیں مسوّغ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے نفی آئی ہے۔

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُوْم" اس میں "لها كتابٌ" جملہ ہے قریۃ سے حال واقع ہے جو کہ نکرہ ہے یہاں نکرہ ذوالحال سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے اس لئے کہ اس پر نفی مقدم ہے، نیز اس جملہ کا قریۃ کیلئے صفت ہونا بھی صحیح نہیں۔ (خلافا للزمحشری زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ جملہ، قریۃ کیلئے صفت واقع ہوسکتا ہے اور واؤ موصوف صفت کے درمیان التصاق کو مؤکد کرنے کیلئے آیا ہے اگرچہ لفظا فاصلہ ہے لیکن معنیً نہیں) اس لئے کہ واؤ موصوف صفت کے درمیان فاصل نہیں آتا نیز "الا" کا موجود ہونا بھی صفت بننے سے مانع ہے اس لئے کہ "الا" موصوف صفت کے درمیان نہیں آتا۔ ابوالحسن الاخفشؒ نے "المسائل" میں اور ابو علی فارسیؒ نے تذکرہ میں اس ممانعت کی تصریح کی ہے۔

استفہام کے بعد واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۵۔ يَا صَاحِ هَلْ حُمَّ عَيْشٌ بَاقِيًا فَتَرَى
لِنَفْسِكَ الْعُذْرَ فِي إِبْعَادِهَا الْأَمَلَا

ترجمہ:...... اے میرے ساتھی کیا کوئی باقی رہنے والی زندگی مقدر کی گئی ہے تا کہ آپ اپنے نفس کیلئے اس کے دور دراز امیدوں کے رکھنے میں عذر دیکھیں (یعنی کیا کوئی ایسی زندگی ہے جو کہ باقی ہو جس کی وجہ سے آپ اپنے نفس کو معذور سمجھیں کہ تیرا نفس دور امیدیں رکھتا ہے، یہاں استفہام انکاری ہے یعنی ایسی زندگی نہیں لہٰذا اپنے نفس کو دور امیدوں کے رکھنے سے باز رکھیں)

تشریح المفردات:

(صاحِ) اصل میں یا صاحبی تھا ترخیم کر کے آخر میں یاء کو حذف کیا، لیکن یہ ترخیم قیاسی نہیں اس لئے کہ قیاسی ترخیم اعلام میں ہوتی ہے اور صاحب علم نہیں۔ (حُمَّ) کی تفصیل پچھلے شعر میں گزر گئی (ابعادها الاملا) میں مصدر کی اضافت

فاعل کی طرف ہوئی ہے۔(امل) اس کیلئے مفعول ہے (ھا) ضمیر نفس کی طرف راجع ہے۔

محل استشهاد:

(باقیا) محل استشہاد ہے حال واقع ہوا ہے "عیش" نکرہ ذوالحال سے مسوغ یہاں حال کا استفہام انکاری کے بعد واقع ہونا ہے جو کہ نفی کے معنی میں ہے۔ نہی کے بعد واقع ہونے کی مثال جیسے مصنف کا یہ قول " لا یبغ امرؤ علی امریٔ مستَسْهِلاً" (کوئی آدمی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے آسان سمجھ کر)

اور قطری بن الفجاءۃ کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۶ - لَا يَرْكَنَنْ أَحَدٌ إِلَى الاحْجَامِ
يَوْمَ الْوَغَى مُتَخَوِّفًا لِحِمَامِ

ترجمہ:......موت سے ڈر کر جنگ کے دن کوئی بھی پیچھے ہٹنے کی طرف مائل نہ ہو۔

تشریح المفردات:

(لایرکنن) نہی غائب معروف بانون تاکید خفیفہ، بمعنی مائل ہونا قرآن کریم میں ہے " وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا"(احجام) دشمن سے ملنے سے گریز کرنا، پیچھے ہونا۔(الوغی) جنگ۔(الحمام) حاء کے کسرہ کے ساتھ موت کو کہتے ہیں۔

محل استشهاد:

(متخوفا) محل استشہاد ہے حال واقع ہے "احد" سے جو کہ نکرہ ہے۔ یہاں مسوغ نکرہ کا نہی کے بعد واقع ہونا ہے۔

واحترز بقوله الخ:

مصنفؒ نے "وَلَم يُنكّر غالبًا" کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا جہاں بغیر مسوغ کے نکرہ سے حال واقع ہوتا ہو جیسے مَرَرْتُ بماءٍ قعدة رَجُلٍ ای مقدار قعدته، اور یہ قول "علیه مِاۃ بِیضًا (بیضا بیضاءُ کی جمع ہے یہ ماۃ سے حال واقع ہے اس کو تمیز بنانا صحیح نہیں اس لئے ماۃ کی تمیز مجرور اور مفرد ہوتی ہے۔ جبکہ یہ منصوب بھی ہے اور جمع

بھی ہے۔

حدیث شریف میں بھی آتا ہے " صَلّی رَسُولُ اللّٰہ صَلی اللّٰہ علیہ وسلم قاعدًا وصَلّی وراءہٗ رِجَالٌ قیامًا" یہاں قیامًا حال واقع ہے "رجال" سے جو کہ نکرہ ہے مذکورہ مُسوّغات میں سے بھی کوئی مُسوّغ نہیں۔

وَسَبْقَ حَالٍ مَا بِحَرْفٍ جُرَّ
أَبَوْا وَلاَ أَمْنَعُهُ فَقَدْ وَرَد

ترجمہ:......حال کو حرف جر کے ذریعہ مجرور ذوالحال پر مقدم کرنے کو نحویوں نے منع کیا ہے اور میں منع نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے۔(ما) موصولہ ہے۔)

(ش) مذهب جمهور النحويين أنه لا يجوز تقديم الحال على صاحبها المجرور بحرف، فلا تقول في "مررت بهند جالسة": مررت جالسة بهند.

وذهب الفارسي، وابن كيسان، وابن برهان إلى جواز ذلك، وتابعهم المصنف؛ لورود السماع بذلك، ومنه قوله:

۱۸۷ - لَئِنْ كَانَ بَرْدُ الماءِ هَيْمَانَ صَادِيًا
إلَيَّ حَبِيبًا إنَّهَا لَحَبِيبُ

ف "هَيْمَان، وصاديًا": حالان من الضمير المجرور بإلى، وهو الياء، وقوله:

۱۸۸ - فَإنْ تَكُ أذْوَادٌ أُصِبْنَ وَ نِسْوَةٌ
فَلَنْ يَذْهَبُوا فِرْغًا بِقَتْلِ حِبَالِ

ف "فرغًا" حال من قتل.

وأما تقديم الحال على صاحبها المرفوع والمنصوب فجائز، نحو: "جاء ضاحكًا زيد، وضربت مجردةً هندًا"

ترجمہ وتشریح:

حال کو ذو الحال پر مقدم کرنا:

یہ جاننا چاہئے کہ ذوالحال کبھی حرف جر اصلی کے ساتھ مجرور ہوتا ہے جیسے مررت بھند جالسۃً، کبھی حرف جر زائد کے ساتھ جیسے "ماجاء من احد راکبًا" (من زائد ہے راکبًا حال ہے احد سے) اگر حرف جر زائد کے ساتھ مجرور ہے تو اس صورت میں حال کی تقدیم بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ "ماجاء من راکبًا من احد" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مجرور بحرف جر اصلی والے ذوالحال پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں جمہور نحویوں کے نزدیک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مررت جالسۃً بھند کہنا صحیح نہیں۔ اور فارسی اور ابن کیسان، ابن برہان رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں حال کی تقدیم جائز ہے مصنفؒ نے بھی ان کی اتباع کی ہے اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۷ - لئن کان برد الماء ھیمان صادیا

الی حبیبا انھا لحبیب

ترجمہ:...... اگر ٹھنڈا پانی سخت پیاس کی حالت میں مجھے محبوب ہے تو میری یہ محبوبہ بھی مجھے محبوب ہے (یعنی میری محبوبہ میرے نزدیک پیاسے کیلئے ٹھنڈے پانی کی طرح ہے اور چونکہ سخت پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے میری محبوبہ بھی مجھے زیادہ پسند ہے۔

تشریح المفردات:

(برد) بمعنی بارد، ٹھنڈا، (برد الماء) میں صفت کی اضافت ہے موصوف کی طرف ای الماء البارد (ھیمان) ھُیام سے ہے (بضم الھاء) اور ھیام (بالکسر) اس کی جمع ہے، سخت پیاس (صادیا) اسم فاعل ہے سمع سے (ھیمان 'صادیا) الفاظ مترادفہ ہیں معنی ان کا ایک ہے (حبیب) حبیبۃ نہیں کہا اس لئے فعیل جب بمعنی مفعول ہو اس میں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

محلِّ استشہاد:

(هَيمَانَ صَادِيًا) محلِ استشہاد ہیں یہ دونوں حال واقع ہیں اس ضمیر سے جو مجرور ہے الیٰ کے ساتھ (محلًا) اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۸ - فَـــإنْ تَكُ أَذْوَادٌ أُصِبْـــنَ وَنِسْـــوَةٌ

فَـلَـــنْ يَـذْهَبُــوا فَــرْغًــا بِـقَـتْـلِ حِـبَـالِ

ترجمہ:......اگر اونٹ اور عورتیں سلب کر دی گئیں تو خیر ہے لیکن یہ تم ہرگز حبال کے قتل کو رائیگاں نہیں لے جا سکتے ہو۔

تشریح المفردات:

(اذواد) ذود کی جمع ہے تین سے دس سال تک کے اونٹوں کو کہا جاتا ہے (فراغا) بفتح الفاء أو کسرها بمعنی رائیگاں جانا، ضائع ہو جانا (حبال) شاعر کا بیٹا یا بھتیجا ہے۔

شانِ ورود:......شاعر طلحہ بن خویلد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ظاہری طور پر اسلام لایا لیکن واپسی کے بعد نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہوا آپ علیہ السلام نے مقابلے کیلئے لشکر روانہ کیا لیکن طلحہ خود بچ گیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے طلحہ کی طرف عکاشہ اور ثابت رضی اللہ عنہما کو بھیجا لیکن یہ دونوں اس کے ہاتھوں شہید ہوئے ان دونوں کی شہادت نے قتل طلحہ کے بیٹے یا بھتیجے "حبال" کو قتل کیا گیا تھا جس پر اس نے یہ شعر کہا۔

(اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کے دور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر کے جنگ قدسیہ میں شرکت کی اور بالآخر شہادت پائی)

محلِّ استشہاد:

(فَـرْغًـا) محلِ استشہاد ہے حال واقع ہے "قتل" سے جو حرف جر کے ذریعہ مجرور ہے۔ اگر ذوالحال مرفوع یا منصوب ہو تو پھر حال کی تقدیم جائز ہے جیسے "جاء ضاحكًا زيدٌ" ضربتُ مجرّدةً هندًا.

وَلَا تُجِزْ حَالًا مِنَ الْمُضَافِ لَهُ

إِلَّا إِذَا اقْتَضَى الْمُضَافُ عَمَلَهُ

أَوْ كَانَ جُزْءَ مَالَهُ أُضِيفَا

أَوْ مِثْلَ جُزْئِهِ فَلَا تَحِيفَا

ترجمہ:...... مضاف الیہ سے آپ حال کو جائز نہ کریں مگر جب مضاف مضاف الیہ کے عمل کا تقاضا کرے یا وہ مضاف الیہ کا جزء ہو یا جزء کی طرح ہو۔ پس آپ زیادتی نہ کریں۔

(ش) لا يجوز مجيء الحال من المضاف إليه، إلا إذا كان المضاف مما يصح عمله في الحال: كاسم الفاعل، والمصدر، ونحوهما مما تضمَّن معنى الفعل، فتقول: هذا ضارب هندٍ مجردةً، وأعجبني قيام زيد مسرعًا، ومنه قوله تعالى: ﴿إليه مرجعكم﴾، ومنه قول الشاعر:

۱۸۹ – تَقُولُ ابْنَتِي أَنَّ انْطِلَاقَكَ وَاحِدًا

إِلَى الرَّوْعِ يَوْمًا تَارِكِي لَا أَبَالِيَا

وكذلك يجوز مجيء الحال من المضاف إليه: إذا كان المضاف جزئًا من المضاف إليه، أو مثل جزئه في صحة الاستغناء بالمضاف إليه عنه، فمثال ما هو جزء من المضاف إليه قوله تعالى: ﴿ونزعنا ما في صدورهم من غل إخوانًا﴾ ف" إخوانًا" حال من الضمير المضاف أليه "صدور"، والصدور: جزء من المضاف إليه، ومثال ما هو مثل جزء المضاف إليه — في صحة الاستغناء بالمضاف إليه عنه — قوله تعالى: ﴿ثم أوحينا إليك أن اتبع ملة إبراهيم حنيفًا﴾ ف"حنيفا": حال من "إبراهيم" والملة كالجزء من المضاف إليه؛ إذ يصح الاستغناء بالمضاف أليه عنها؛ فلو قيل في غير القرآن: "أن اتبع إبراهيم حنيفًا" لصح.

فإن لم يكن المضاف مما يصح أن يعمل في الحال، ولا هو جزء من المضاف أليه، ولا مثل جزئه — لم يجز أن يجيء الحال منه؛ فلا تقول: "جاء غلام هند ضاحكة" خلافًا للفارسي، وقول ابن المصنف رحمه الله تعالى: "إن هذه الصورة ممنوعة بلا خلاف" ليس بجيد، فإن مذهب الفارسي

جوازها، كما تقدم، وممن نقله عنه الشريف أبو السعادات ابن الشجرى فى أماليه.

ترجمہ وتشریح:

مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا:

مضاف الیہ سے حال واقع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کی رائے یہ ہے (جن میں مصنف بھی شامل ہیں) کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں جب تک تین شرائط پائی نہ جائیں۔

(۱)...... اوّل یہ کہ مضاف ایسا ہو جس کا حال میں عمل کرنا صحیح ہو جیسے اسم فاعل، مصدر، یا جو فعل کے معنی کو متضمن ہو اور فعل کی طرح عمل کرتا ہو جیسے هذا ضاربُ هندٍ مجردةً اعجبنى قيامُ زيدٍ مسرعًا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اليه مرجعكم جميعًا" (جميعًا، "كم" ضمیر سے حال ہے)

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۸۹ - تَقُولُ ابْنَتِى إِنَّ انطِلَاقَكَ وَاحِدًا

إِلَى الرَّوْعِ يَوْمًا تَارِكِى لَا أَبَالِيَا

ترجمہ:...... میری بیٹی مجھے کہتی ہے کہ آپ کا اکیلا جنگ کی طرف جانا ایک دن مجھے بغیر باپ کے بنا دے گا۔

تشریح المفردات:

(انطلاقك) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے (روع) بمعنی خوف، مراد اس سے جنگ ہے یہاں جنگ مسبب کو ذکر کر کے سبب کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ جنگ سبب ہے خوف کا۔

محل استشهاد:

(واحدًا) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے انطلاقك میں ک مضاف الیہ کی ضمیر سے اس لئے کہ انطلاق مضاف کا عمل اس میں صحیح ہے۔

(۲)......دوسری جگہ جہاں مضاف الیہ سے حال بنانا صحیح ہے وہ ہے جہاں مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو۔

(۳)......تیسری یہ ہے کہ جزء تو نہ ہو لیکن جزء کی طرح ہو۔

جزء کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا" یہاں "اخوانًا" حال واقع ہے "صدورهم" کی "هم" مضاف الیہ کی ضمیر سے اور صدور مضاف الیہ کا جزء ہے (سینہ انسان کا جزء ہوتا ہے)

(۳) مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہو (یعنی مضاف الیہ سے الگ ہونے کی صحت میں) اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا"

اس میں حنیفًا ابراهیم سے حال واقع ہے اور ملة مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہے (فی صحة الاستغناء) چنانچہ غیر قرآن میں " ان اتّبع ابراهیم حنیفًا" کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اب اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو اس صورت میں مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ لہٰذا جاء غلامُ هندٍ ضاحكةً" کہنا شرائط نہ پانے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

مصنفؒ کے بیٹے کا یہ کہنا کہ یہ صورت بغیر اختلاف کے منع ہے صحیح نہیں اس لئے کہ فارسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے شریف ابو السعادت نے اپنے امالی میں ان سے یہی نقل کیا ہے۔

(ص ۲۶۷ کے حاشیہ میں اس موضوع پر سیر بحث کی گئی ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں)

وَالْحَالُ اِنْ يُنْصَبْ بِفِعْلٍ صُرِّفَا

اَوْ صِفَةٍ اَشْبَهَتِ الْمُصَرَّفَا

فَجَائِزٌ تَقْدِيْمُهُ كَـ"مُسْرِعَا

ذَا رَاحِلٌ، وَمُخْلِصًا زَيْدٌ دَعَا

ترجمہ:......حال اگر منصوب ہو فعل متصرف یا اس کی صفت کے ساتھ جو فعل متصرف کے ساتھ مشابہ ہو۔ تو اس کی تقدیم جائز ہے جیسے مُسْرِعًا ذَا رَاحِلٌ، مُخْلِصًا زَيْدٌ دَعَا۔

(ش) يجوز تقديم الحال على ناصبها إن كان فعلاً متصرفًا أو صفة تشبه الفعل المتصرف، والمراد بها: ما تضمن معنى الفعل وحروفه، وقبل التأنيث، والتثنية والجمع: كاسم الفاعل، واسم المفعول،

والصفة المشبهة؛ فمثال تقديمها على الفعل المتصرف "مخلصًا زيد دعا" [فدعا: فعل متصرف، وتقدمت عليه الحال]، ومثال تقديمها على الصفة المشبهة له: "مسرعًا ذا راحل"

فإن كان الناصب لها فعلا غير متصرف لم يجز تقديمها عليه، فتقول: "ما أحسن زيدًا ضاحكًا" ولا تقول: "ضاحكًا ما أحسن زيدًا" لأن فعل التعجب غير متصرف في نفسه؛ فلا يتصرف في معموله، وكذلك إن كان الناصب لها صفة لا تشبه الفعل المتصرف كأفعل التفضيل لم يجز تقديمها عليه، وذلك لأنه لا يثنى، ولا يجمع، ولا يؤنث، فلم يتصرف في نفسه؛ فلا يتصرف في معموله، فلا تقول: "زيد ضاحكًا أحسن من عمرو"، بل يجب تأخير الحال؛ فتقول: "زيد أحسن من عمرو ضاحكًا"

ترجمہ وتشریح:

حال کو اس کے عامل پر مقدّم کرنا:

حال کی تقدیم اس کے ناصب (عامل) پر جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اگر ناصب فعل متصرف ہو یا ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے مشابہ ہو۔ (مراد اس مشابہت سے یہ ہے کہ وہ فعل کے معنی اور حروف کو متضمن ہو (یعنی تانیث، تثنیہ، جمع کو قبول کرتا ہو) جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ تو اس صورت میں حال کی تقدیم صحیح ہے۔ فعل متصرف پر تقدیم کی مثال مُخلصًا زیدٌ دَعَا (زید نے دعا کی اس حال میں کہ وہ مخلص تھا) "دَعَا" فعل متصرف ہے اور حال اس پر مقدّم ہے) صفت مشبہ پر تقدیم کی مثال: مُسْرِعًا ذَا رَاحِلٌ (وہ کوچ کرنے والا ہے اس حال میں کہ تیز ہے)

اور اگر ناصب فعل غیر متصرف ہو تو پھر حال کی تقدیم صحیح نہیں۔ چنانچہ ضاحکًا ما احسَنَ زیدًا نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ فعل تعجب خود غیر متصرف ہے تو اپنے معمول میں کیسے تصرف کرے گا؟

اسی طرح اگر ناصب ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے ساتھ مشابہ نہ ہو تو بھی حال کی تقدیم اس پر صحیح نہیں اس لئے کہ یہ تثنیہ، جمع، مؤنث نہیں ہوتا "فلم يتصرّف في نفسه فلا يتصرّف في معموله" چنانچہ "زیدٌ ضاحکًا احسنُ من عمرو" کہنا صحیح نہیں۔ (مغنی اللبیب میں اسم تفضیل کے تثنیہ جمع ہونے پر تفصیلی کلام ہے)

وَعَــامِــلٌ ضُــمِّــنَ مَــعْــنَــى الــفِــعْــلِ لَا
حُـــرُوفَـــهُ مُـــؤَخَّـــرًا لَـــنْ يَـــعْـــمَـــلَا
كَ "تِـــلْـــكَ" "لَـــيْـــتَ" وَ"كَـــأَنَّ" وَنَـــدَرْ
نَـــحْـــوُ "سَـــعِـــيـــدٌ مُـــسْـــتَـــقِـــرًّا فِـــي هَـــجَـــرْ"

ترجمہ:......جو عامل فعل کے معنی کو متضمن ہو نہ کہ اس کے حروف کو تو وہ ہرگز عمل نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مؤخر ہو جیسے تلک (یعنی اسماء اشارات) لیت (حروف تمنی) کانّ (یعنی حروف تشبیہ) اور "سعید مستقرًا فی هجر" جیسی مثال نادر ہے۔ (اس مثال میں حال اپنے عامل پر مقدم ہے جو کہ ظرف ہے)

(ش) لا يجوز تقديم الحال على عاملها المعنوي، وهو: ما تضمن معنى الفعل دون حروفه: كأسماء الإشارة، وحروف التمني، والتشبيه، والظرف، والجار والمجرور نحو: "تلك هند مجردة، وليت زيدًا أميرًا أخوك، وكأنّ زيدًا راكبًا أسد، وزيد في الدار -أو عندك- قائمًا"؛ فلا يجوز تقديم الحال على عاملها المعنوي في هذه المثل ونحوها، فلا تقول: "مجردة تلك هند" ولا "أميرًا ليت زيدًا أخوك" ولا "راكبًا كأنّ زيدًا أسد".

وقد ندر تقديمها على عاملها الظرف [نحو: زيد قائمًا عندك] والجار والمجرور نحو: "سعيد مستقرًا في هجر" ومنه قوله تعالى: (والسموات مطويات بيمينه) في قراءة من كسر التاء، وأجازه الأخفش قياسًا.

ترجمہ وتشریح:

معنوی عامل پر حال کی تقدیم جائز نہیں، معنوی عامل سے وہ عامل مراد ہے جو فعل کے معنی کو متضمن ہو نہ کہ اس کے حروف کو جیسے اسماء اشارات، حرف تمنی، حروف تشبیہ، ظرف یا جار ومجرور (مثلاً تلک میں اُشیرُ اور لیت میں تَمَنَّیتُ، وغیرہ فعل کے معانی پائے جاتے ہیں) جیسے تلک هندٌ مجردةً، لیت زیدًا امیرًا اخوک، کانّ زیدًا راکبًا اسدٌ، زیدٌ فی الدّار، زیدٌ عندک قائمًا، ان مثالوں میں حال کی تقدیم صحیح نہیں فلا تقول مجردةً تلک هند الخ۔

ہاں کبھی ظرف عامل پر حال مقدم بھی ہو جاتا ہے جیسے "زید قائماً عندک" جار مجرور جیسے "سعید مستقراً فی ھجر" اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "والسمٰوٰتُ مطویّاتٍ بیمینہ" (ان حضرات کی قراءت میں جو تاء کو کسرہ دیتے ہیں چونکہ جمع مؤنث سالم میں حالت نصبی جری کے تابع ہوتی ہے اس لئے یہ منصوب بنا بر حالیت جار مجرور کی ضمیر سے ہوگا، اگرچہ مشہور قراءت کے مطابق یہ مرفوع ہے علی خبریت ۔)

اخفش رحمہ اللہ اس کو قیاساً جائز کہتے ہیں۔

وَنَحْوُ "زَیْدٌ مُفْرَدًا أَنْفَعُ مِنْ
عَمْرٍو مُعَانًا" مُسْتَجَازٌ لَنْ یَهِنْ

ترجمہ:...... زید مفرداً انفع جیسی مثال جائز ہے ضعیف نہیں۔

(ش) تقدم أن أفعل التفضیل لا یعمل فی الحال مقدمة، واستثنی من ذلک هذه المسألة، وهی: ما إذا فضل شیء فی حال علی نفسه أو غیره فی حال أخری، فإنه یعمل فی حالین إحداهما متقدمة علیه، والأخری متأخرة عنه، وذلک نحو: "زید قائما أحسن منه قاعدا" و "زید مفردا أنفع من عمرو معانا" ف "قائما، ومفردا" منصوبان بأحسن وأنفع، وهما حالان، وکذا "قاعدا ومعانا" وهذا مذهب الجمهور.

وزعم السیرافی أنهما خبران منصوبان بکان المحذوفة والتقدیر: "زید إذا کان قائما أحسن منه إذا کان قاعدا، وزید إذا کان مفردا أنفع من عمرو إذا کان معانا"

ولا یجوز تقدیم هذین الحالین علی أفعل التفضیل، ولا تأخیرهما عنه، فلا تقول: "زید قائما قاعدا أحسن منه"، ولا [تقول]: "زید أحسن منه قائما قاعدا"

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گذر گئی کہ اسم تفضیل اس حال میں عمل نہیں کرتا جو مقدم ہو ابھی اس حکم سے ایک صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں وہ یہ کہ جب ایک چیز کو ایک حال میں فضیلت دی گئی اسی چیز کے دوسرے حال پر یا دوسری چیز کے حال پر جیسے "زید قائما احسن منه قاعدا" (زید اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو بہتر ہے اس حال سے جس میں وہ بیٹھا ہو) زید مفردا

انفع من عمرو مُعَانًا۔ (زید جب الگ ہو وہ عمرو سے زیادہ نفع مند ہے جبکہ عمرو کی مدد کی جاتی ہو)

اس میں اسم تفضیل دو حالوں میں عمل کرے گا ایک مقدم ہے اور دوسرا مؤخر یہ جمہور کا مسلک ہے۔

سیرانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں "کانَ محذوفہ" کے ساتھ منصوب ہیں نہ کہ بنا بر حالیت والتقدیر

زیدٌ اذا کان قائمًا احسنُ منه اذا کانَ قاعدًا"

اور ان دونوں حالوں کی تقدیم اور تاخیر نا جائز ہے۔

وَالْحَالُ قَدْ يَجِيءُ ذَا تَعَدُّدِ
لِمُفْرَدٍ فَاعْلَمْ وَغَيْرِ مُفْرَدِ

ترجمہ:...... حال کبھی آتا ہے اس حال میں کہ وہ تعدد والا ہوتا ہے مفرد ذوالحال یا متعدد

کیلئے پس آپ جان لیجئے (فاعلمْ جملہ معترضہ ہے)

(ش) یجوز تعدد الحال وصاحبها مفردٌ، او متعدد.

فمثال الأول: "جاء زیدراکبًا ضاحکًا" ف"راکبًا، وضاحکًا": حالان من "زید" والعامل فیهما "جاء"

ومثال الثانی: "لقیت هندًا مصعدًا منحدرةً" ف"مصعدًا" : حال من التاء، و"منحدرةً": حال من "هند"، والعامل فیهما "لقیت"، ومنه قوله:

۱۹۰- لَقِيَ ابْنِي أَخَوَيْهِ خَائِفًا
مُنْجِدَيْهِ فَأَصَابُوا مَغْنَمًا

ف"خائفًا" حال من "ابنی"، و"منجدیه" حال من "اخویه"، والعامل فیهما "لقی"

فعند ظهور المعنى ترد کل حال إلى ما تلیق به، وعند عدم ظهوره یجعل أول الحالین لثانی الاسمین، وثانیهما لأول الاسمین، ففی قولک: "لقیت زیدًا مصعدًا منحدرًا"، یکون "مصعدًا" حالًا من زید و"منحدرًا" حالًا من التاء.

ترجمہ وتشریح:

جس طرح خبر کے ذریعہ حکم دیا جاتا ہے اسی طرح حال کے ذریعہ بھی معنی کے اعتبار سے ذوالحال سے خبر دی جاتی ہے تو جس طرح خبر کا تعدد جائز ہے اسی طرح حال کا تعدد بھی جائز ہے۔ ذوالحال مفرد ہو یا متعدد۔

ذوالحال مفرد اور حال متعدد کی مثال " جاءَ زیدٌ راکبًا ضاحکًا، راکبًا، اور ضاحکًا" دونوں زید سے حال ہیں اور عامل ان کے اندر "جاء" ہے ذوالحال اور حال دونوں متعدد ہوں اس کی مثال۔ "لقیتُ ھندًا مُصعِدًا منحدرةً" (مصعد چڑھنے والا، منحدرة، نیچے اترنے والی) مُصعدًا "ت" ضمیر بارز سے اور منحدرة (ھند) سے حال واقع ہیں۔ اور دونوں میں عامل "لقیتُ" ہے۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٩٠- لَقِیَ ابنی أخویهِ خائفًا
مُنجدَیهِ فأصابُوا مغنمًا

ترجمہ:...... میرا بیٹا خوف کی حالت میں اپنے دو بھائیوں سے جاملا اس حال میں کہ وہ دونوں بھائی اس کی مدد کرنے والے تھے پس تینوں نے ملکر غنیمت کو حاصل کرلیا۔

تشریح المفردات:

(لقی) سمع ماضی معروف۔ (اخویه) اصل میں "اخوین له" تھا لام کو تخفیف اور نون کو اضافت کی وجہ سے حذف کیا (منجدیه) انجدَ یُنجِدُ افعال سے اسم فاعل کا تثنیہ ہے، کسی کے ساتھ مدد، وتعاون کرنا، چونکہ منجد نامی کتاب بھی لغت میں مدد کرتی ہے اس لئے اسے "المنجد فی اللغة" کہا جاتا ہے (مغنما) غنیمت جمع اس کی (مغانم) آتی ہے

محل استشهاد

(خائفًا) منجدیه محل استشہاد ہے یہاں ذوالحال اور حال دونوں متعدد ہیں۔ چنانچہ خائفًا حال ہے ابنی سے اور "منجدیه" حال واقع ہے "أخویه" سے اور عامل دونوں میں "لقی" ہے۔

لہٰذا جہاں معنی میں ظہور ہو التباس نہ ہو وہاں حال کو اس کے صاحب سے جدا کر کے ذکر کیا جائے گا اور عدم ظہور کی صورت میں پہلے حال کو دوسرے اسم اور دوسرے کو پہلے اسم کیلئے متعین کیا جائے گا۔

چنانچہ "لقیت زیدًا مُصعدًا منحدرًا" میں مصعدًا حال ہوگا "زیدًا" سے (لیکن یہ معنا) اور منحدرًا" حال واقع ہوگا "تُ" ضمیر سے۔

وَعَامِلُ الحَالِ بِهَا قَدْ أُكِّدَا
فِي نَحْوِ لَا تَعْثَ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدَا

ترجمہ:......حال کے عامل کو اس کے ذریعہ مؤکد کیا جاتا ہے "لَاتَعْثَ فِی الْأَرْضِ مُفْسِدًا" جیسی ترکیب میں۔

(ش) تنقسم الحال إلى مؤكدة وغير مؤكدة، فالمؤكدة على قسمين، وغير المؤكدة ما سوى القسمين.

فالقسم الأول من المؤكدة ما أكدت عاملها، وهي المراد بهذا البيت، وهي: كل وصف دل على معنى عامله وخالفه لفظا، وهو الأكثر، أو وافقه لفظا، وهو دون الأول في الكثرة؛ فمثال الأول "لاتعث في الأرض مفسدًا" ومنه قوله تعالى: ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾، ومن الثاني قوله تعالى: ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ وقوله تعالى: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾.

ترجمہ وتشریح:

حال کی قسمیں:

حال کی دو قسمیں ہیں۔ مؤکدہ، غیر مؤکدہ۔

مؤکدہ کی پھر دو قسمیں ہیں اور غیر مؤکدہ وہ ہے جو ان دونوں قسموں کے علاوہ ہو۔ مؤکدہ کی پہلی قسم وہ ہے جو اپنے عامل کی تاکید کرے (اس شعر میں بھی یہی قسم مراد ہے) اور اس سے مراد ہر وہ وصف ہے جو اپنے عامل کے معنی پر دلالت کرے اور لفظاً اس کے خلاف ہو (یہ اکثر ہوتا ہے) یا لفظاً بھی موافق ہو۔ (یہ قلیل ہے)

لفظاً مخالف کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "لاتعث فی الارض مفسدا" ثم ولیتم مدبرین، لا تعثوا فی الارض مفسدین" اور لفظاً موافق کی مثال "وارسلناک للناس رسولا" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول " وسخرلکم واللیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره" (مسخرات حال ہے)

وَاِنْ تُؤَكِّدْ جُمْلَةً فَمُضْمَرٌ
عَامِلُهَا وَلَفْظُهَا يُؤَخَّرُ

ترجمہ:...... اگر حال جملہ کی تاکید کرے تو اس کا عامل محذوف ہوگا اور اس (حال کا) لفظ مؤخر ہوگا۔

(ش) هذا هو القسم الثاني من الحال المؤكدة وهي: ما أكدت مضمون الجملة وشرط الجملة: أن تكون اسمية، وجزآها معرفتين، جامدين نحو: "زيد أخوك عطوفا وأنا زيد معروفا" ومنه قوله:

١٩١- أَنَا ابْنُ دَارَةَ مَعْرُوفًا بِهَا نَسَبِي
وَهَلْ بِدَارَةَ يَا لَلنَّاسِ مِنْ عَارِ

فـ "عطوفا، ومعروفا" حالان، وهما منصوبان بفعل محذوف وجوبا، والتقدير في الأول: "أحقه عطوفا" وفي الثاني: "أحق معروفا".

ولا يجوز تقديم هذه الحال على هذه الجملة، فلا تقول: "عطوفا زيد أخوك" ولا "معروفا أنا زيد" ولا توسطها بين المبتدأ والخبر، فلا تقول: "زيد عطوفا أخوك".

ترجمہ وتشریح:

حال مؤکدہ کی دوسری قسم بتا رہے ہیں جو جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو، اس جملہ کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اسمیہ ہو اور اس کے دونوں جزء معرفہ بھی ہوں اور جامد بھی (یعنی مشتق نہ ہوں) جیسے "زید اخوک عطوفا" "انا زید معروفا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٩١- أَنَا ابْنُ دَارَةَ مَعْرُوفًا بِهَا نَسَبِي
وَهَلْ بِدَارَةَ يَا لَلنَّاسِ مِنْ عَارِ

ترجمہ:...... میں دارہ کا بیٹا ہوں اس سے میرا نسب معروف ہے، اے لوگو کیا دارہ پر کوئی عیب ہے؟ (جس کی وجہ سے میرا نسبی تعلق شرمندگی کا باعث ہو)

تشریح المفردات:

(دارۃ) بعض کے نزدیک شاعر کی والدہ کا نام ہے اور بعض کے نزدیک شاعر کے دادا کا لقب ہے اس صورت میں (بھا) میں مؤنث (ھا) کی ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹے گی۔ (ھل بدارۃ) میں استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔ ای لا یوجد عار بانتساب بدارۃ"

محل استشہاد:

"معروفا" محل استشہاد ہے حال واقع ہے اور ما قبل جملہ کے مضمون کی تاکید کی ہے، اس کا عامل "أحق" وجوبا حذف ہے اس لئے کہ ما قبل جملہ اس کے عوض ہے اور عوض اور معوض کے درمیان اجتماع صحیح نہیں۔

ولایجوز الخ:

اس حال کو جملہ پر مقدم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ عطوفا زید اخوک، معروفا انا زید کہنا صحیح نہیں اور نہ درمیان میں لاکر "زید عطوفا اخوک" صحیح ہے۔

وَمَوْضِعَ الْحَالِ تَجِیْ جُمْلَۃْ
کَجَاءَ زَیْدٌ وَهُوَ نَاوٍ رِحْلَۃْ

ترجمہ:...... حال کی جگہ جملہ آتا ہے جیسے "جاء زید وھو ناو رحلۃ" (زید آیا اس حال میں کہ وہ کوچ کا ارادہ کرنے والا تھا)

(ش) الأصل فی الحال والخبر والصفة الإفراد، وتقع الجملة موقع الحال، کما تقع موقع الخبر والصفة، ولا بد فیها من رابط، وهو فی الحالیة: إما ضمیر، نحو: "جاء زید یده علی رأسه" أو واو- وتسمی واو الحال، و واو الابتداء، وعلامتها صحة وقوع "إذ" موقعها نحو جاء زید وعمرو قائم، التقدیر "إذ" عمرو قائم، أو الضمیر والواو معا، نحو: "جاء زید وهو ناو رحلة"

ترجمہ وتشریح:

حال میں اصل مفرد ہونا ہے:

حال، خبر، اور صفت میں اصل مفرد ہونا ہے، جملہ بھی کبھی حال کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جس طرح خبر اور صفت کی جگہ پر واقع ہوتا ہے لیکن اس میں رابط کا ہونا ضروری ہے جملہ حالیہ میں رابط یا تو ضمیر ہوگی، جیسے "جاءَ زیدٌ یَدُہٗ علیٰ رأسِہٖ" یا رابطہ واو ہوگا، اس کو واو حال اور واو ابتدا کہتے ہیں (واو ابتداء اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ زیادہ تر مبتدا پر داخل ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ حال کی ابتداء میں آتا ہے) علامت اس کی یہ ہے کہ اس کی جگہ پر "اِذْ" کا واقع ہونا صحیح ہو جیسے "جاءَ زیدٌ وعمرٌو قائمٌ" والتقدیر اذ عمرو قائم یا واو اور ضمیر دونوں رابط ہونگے جیسے "جاءَ زیدٌ وَھُوَ ناوٍ رحلۃً"

وَذَاتُ بَدْءٍ بِمُضَارِعٍ ثَبَتْ
حَوَتْ ضَمِيرًا، وَمِنَ الْوَاوِ خَلَتْ

وَذَاتُ وَاوٍ بَعْدَهَا انْوِ مُبْتَدَا
لَهُ الْمُضَارِعَ اجْعَلَنَّ مُسْنَدَا

ترجمہ:...... جو جملہ حالیہ مضارع سے شروع ہو وہ ضمیر پر مشتمل ہوگا اور واو سے خالی ہوگا

اور جہاں جملہ حالیہ کے بعد واو ہو وہاں آپ مبتدا کو مقدر مان کر مضارع کو اس کی طرف مسند کر دیں۔

(ش) الجملة الواقعة حالا: إن صدرت بمضارع مثبت لم يجز أن تقترن بالواو، بل لا تربط إلا بالضمير، نحو: "جاء زيد يضحك، وجاء عمرو تقاد الجنائب بين يديه" ولا يجوز دخول الواو، فلا تقول: "جاء زيد ويضحك" فإن جاء من لسان العرب ما ظاهره ذلك أول على إضمار مبتدأ بعد الواو، ويكون المضارع خبرا عن [ذلك] المبتدأ، وذلك نحو قولهم: "قمت وأصك عينه"، وقوله:

۱۹۲- فَلَمَّا خَشِيتُ أَظَافِيرَهُمْ
نَجَوْتُ وَأَرْهَنُهُمْ مَالِكَا

ف "اصک، وارھنھم" خبران لمبتدأ محذوف، والتقدیر: فانا اصک وانا ارھنھم.

ترجمہ وتشریح:

جملہ حالیہ میں واؤ کا آنا:

جو جملہ حال واقع ہوا گر وہ مضارع مثبت سے شروع ہو تو واؤ کے ساتھ اس کا مقترن ہونا جائز نہیں۔ وہاں ربط صرف ضمیر سے ہوگا جیسے جاءَ زیدٌ یضحکُ، جاءَ عمروٌ تقادُ الجنائبُ بین یدیہ (عمرو آیا اس حال میں کہ اس کے آگے گھوڑے کھینچے جا رہے تھے، جنائب، جنیبۃ کی جمع ہے اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو آدمی کے آگے بغیر سواری کے لے جایا جاتا ہو) واؤ کے ساتھ "جاءَ زیدٌ ویضحکُ" نہیں کہہ سکتے۔

اگر لسان العرب میں اس طرح کی عبارت آ جائے جہاں ابتداء میں واؤ ہو تو وہاں واؤ کے بعد مبتدا کو مقدر ماننے کی تاویل کی جائے گی اور مضارع اس مبتدا سے خبر ہوگا جیسے "قُمتُ وَاَصُکُّ عینَہٗ ای وانا الخ"۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۲- فَلَمَّا خَشِیتُ اَظَافِیرَھُم
نَجَوتُ وَاَرھَنُھُم مَالِکًا

ترجمہ:...... جب میں ان کے اظفار سے ڈرا تو میں نے نجات حاصل کی اس حال میں کہ ان کے ہاں مالک نامی آدمی کو رہن میں رکھوایا۔

تشریح المفردات:

(اظافیر) اس میں پانچ لغتیں ہیں۔

(۱) اظفور کی جمع ہے ناخن، پنجہ کو کہا جاتا ہے یہاں اس سے اسلحہ مراد ہے، اظفور بروزن اسبوع میں چار اور لغتیں ہیں۔

(۲) ظُفُر (بضم الظاء والفاء) یہ زیادہ فصیح ہے۔

(۳) ظُفْر (بضم الظاء وسکون الفاء) تخفیفًا۔

(۴) ظُفْر بکسر الظاء وسکون الفاء۔

(۵) ظِفِر (بکسر الظاء والفاء)

محل استشہاد:

(وَارْهَنُهُم) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر مضارع مثبت حال واقع ہے اور اس سے پہلے واو ہے لیکن چونکہ یہ صحیح نہیں اس وجہ سے اس کیلئے مبتدا محذوف ہوگا جو کہ "أنا" ہے اور پورا جملہ اس مبتدا سے خبر واقع ہوگا۔

وَجُمْلَةُ الْحَالِ سِوَى مَا قُدِّمَا
بِوَاوٍ، أَوْ بِمُضْمَرٍ، أَوْ بِهِمَا

ترجمہ:.....گزرے ہوئے جملہ حالیہ کے علاوہ باقی جملے واو یا ضمیر یا دونوں کے ساتھ ہونگے۔

(ش) الجملة الحالية: إما أن تكون اسمية، أو فعلية، والفعل [إما] مضارع، أو ماض، وكل واحدة من الاسمية والفعلية: إما مثبتة، أو منفية، وقد تقدم أنه إذا صدرت الجملة بمضارع مثبت لا تصحبها الواو، بل لا تربط إلا بالضمير فقط، وذكر في هذا البيت أن ما عدا ذلك يجوز فيه أن يربط بالواو وحدها، أو بالضمير وحده، أو بهما، فيدخل في ذلك الجملة الاسمية: مثبتة، أو منفية، والمضارع المنفي، والماضي: المثبت، والمنفي.

فتقول: "جاء زيد وعمرو قائم، وجاء زيد يده على رأسه وجاء زيد ويده على رأسه" وكذلك المنفي، وتقول: "جاء زيد لم يضحك، أو ولم يضحك، أو ولم يقم عمرو، وجاء زيد وقد قام عمرو، وجاء زيد قد قام أبوه، وجاء زيد وقد قام أبوه" وكذلك المنفي، نحو: "جاء زيد وما قام عمرو، وجاء زيد ما قام أبوه، أو وما قام أبوه"

ويدخل تحت هذا أيضا المضارع المنفي بلا، فعلى هذا تقول: "جاء زيد ولا يضرب عمرا" بالواو.

وقد ذكر المصنف في غير هذا الكتاب أنه لا يجوز اقترانه بالواو كالمضارع المثبت، وأن

ما ورد مما ظاهره ذلک یؤول علی إضمار مبتدأ کقراءة ابن ذکوان: (فاستقیما ولا تتبعان) بتخفیف النون، والتقدیر: وأنتما لا تتبعان، فـ"لا تتبعان" خبر لمبتدأ محذوف.

ترجمہ وتشریح:

حال میں اصل مفرد ہوتا ہے:

یہاں اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ مذکورہ حالیہ جملوں کے علاوہ اگر دیگر حالیہ جملے آ جائیں تو ان میں واؤ، صرف ضمیر، یا دونوں کے ساتھ ربط جائز ہے۔ چنانچہ اس میں جملہ اسمیہ مثبتہ، یا منفیہ، مضارع منفی، ماضی مثبت اور منفی سب داخل ہونگے۔ (مثالیں شرح کی عبارت میں ذکر ہیں (فلا حاجة إلى الإعادة)

شارح فرماتے ہیں کہ اس کے تحت مضارع منفی بلا بھی داخل ہوا۔ چنانچہ اس میں بھی واؤ کے ساتھ ربط جائز ہے جیسے "جاء زیدٌ ولا یضرب عمرًا"

لیکن مصنفؒ نے اس کتاب کے علاوہ میں ذکر کیا ہے کہ مضارع مثبت کی طرح اس میں بھی ربط بالواو جائز نہیں جہاں بظاہر واو ہو وہاں مبتدا کو مقدر ماننا جائے گا جیسے "ابن ذکوان کی قرآءت" فاستقیما ولا تتبعٰن (بتخفیف النون) میں ولا تتبعٰن حال ہے مضارع منفی ہونے کے باوجود واؤ آیا ہے تاویل اس کی یہ ہے کہ یہاں مبتداء محذوف ہے ای وانتما لا تتبعٰن ۔(اگرچہ مشہور قراءت کے مطابق لاتتبعٰن نہی تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے)

وَالْحَالُ قَدْ يُحْذَفُ مَا فِيهَا عَمِلْ
وَبَعْضُ مَا يُحْذَفُ ذِكْرُهُ حُظِلْ

ترجمہ: ... کبھی حال کے عامل کو حذف بھی کیا جاتا ہے اور بعض حذف کردہ عامل کا ذکر ممنوع بھی ہوتا ہے۔

(ش) یحذف عامل الحال: جوازًا، او وجوبًا.

فمثال ما حذف جوازًا أن یقال لک: "کیف جئت" فتقول: "راکبًا"، التقدیر: "جئت راکبًا"، وکقولک: "بلی مسرعًا" لمن قال لک: "لم تسر" والتقدیر: "بلی سرت مسرعًا"، ومنه قوله تعالی: ﴿أیحسب الإنسان ألن نجمع عظامه بلی قادرین علی أن نسوّی بنانه﴾ التقدیر۔

واللہ اعلم– نبلی نجمعها قادرين.

ومثال ما حذف وجوبا قولك: "زيد أخوك عطوفًا" ونحوه من الحال المؤكدة لمضمون الجملة، وقد تقدم ذلك؛ وكالحال النائبة مناب الخبر، نحو: "ضربي زيدًا قائمًا" التقدير: إذا كان قائمًا، وقد سبق تقرير ذلك في باب المبتدأ والخبر.

ومما حذف فيه عامل الحال وجوبًا قولهم: "اشتريته بدرهم فصاعدًا، وتصدقت بدينار فسافلًا" فـ"صاعدًا، وسافلًا" حالان، عاملهما محذوف وجوبًا، والتقدير: "فذهب الثمن صاعدًا، وذهب المتصدق به سافلًا".

هذا معنى قوله: "وبعض ما يحذف ذكره حظل" أي بعض ما يحذف من عامل الحال منع ذكره.

ترجمہ وتشریح:

حال کے عامل کو بعض مرتبہ جوازاً اور بعض مرتبہ وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔

حذف جوازی کی مثال کہا جائے "كيف جئت" اور جواب میں "راكبًا" کو ذکر کیا جائے اى جئت راكبًا" چونکہ سوال میں عامل ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کی ضرورت باقی نہ رہی، اسی طرح "بلى مسرعًا، لم تسر" کے جواب میں۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "أيحسب الإنسان أن لن نجمع عظامه بلى قادرين على أن نسوى بنانه اى بلى نجمعها قادرين (نجمع عامل حذف ہے)

حذف وجوبی کی مثال "زيد أخوك عطوفًا" (قد تقدم ذكره) اسی طرح اس حال میں بھی عامل کا حذف وجوبی ہے جو خبر کے نائب ہو جیسے "ضربي زيدًا قائمًا اى اذا كان قائمًا" (قد سبق تفصيله في المبتدأ والخبر في المجلد الاول)

نیز حذف وجوبی کی مثالوں میں "اشتريته بدرهم فصاعدًا وتصدقت بدينار فسافلًا اى صاعدًا" اوپر "سافلًا" نیچے متصدق بہ صدقہ کی ہوئی چیز)

مصنف کے قول "وبعض ما يحذف ذكره حظل" سے یہی مراد ہے۔

التمییز

اسم بمعنى "من" مبين نكره ... ينصب تمييزا بما قد فسره

كشبر ارضا وقفيز برا ... ومنوين عسلا وتمرا

ترجمہ:...... تمیز وہ اسم ہے جو من کے معنی میں ہو اور ماقبل کے اجمال کے بیان کیلئے ہو اور نکرہ ہو اس کو تمیز کے طور پر نصب دیا جائے اس عامل کے ساتھ جس کی تفسیر تمیز نے کی ہے یعنی شبر، قفیز، وغیرہ کے ساتھ) جیسے شبر ارضا الخ:

ش) تقدم من الفضلات: المفعول به، والمفعول المطلق، والمفعول له، والمفعول فيه، والمفعول معه، والمستثني، والحال، وبقي التمييز — وهو المذكور في هذا الباب — ويسمى مفسرًا، وتفسيرًا، ومبينًا، وتبيينًا، ومميزًا، وتمييزًا.

وهو: كل اسم، نكرة، متضمن معنى "من"، لبيان ما قبله من إجمال، نحو: "طاب زيد نفسًا"، و"عندي شبر أرضًا"

واحترز بقوله: "متضمن معنى من" من الحال؛ فإنها متضمنة معنى "في".

قوله: "لبيان ما قبله" احتراز مما تضمن معنى "من" وليس فيه بيان لما قبله، كاسم "لا" التي لنفي الجنس، نحو: "لا رجل قائم" فإن التقدير: "لا من رجل قائم".

وقوله: "لبيان ما قبله من إجمال" يشمل نوعي التمييز، وهما: المبين إجمال ذات، والمبين إجمال نسبة.

فالمبين إجمال الذات هو: الواقع بعد المقادير — وهي الممسوحات، نحو: "له شبر أرضا" والمكيلات، نحو: "له قفيز برا" والموزونات، نحو: "له منوان عسلا وتمرًا" — والأعداد، نحو: "عندي عشرون درهما"

وهو منصوب بما فَسَّره، وهو: شبر، وقفيز، ومنوان، وعشرون .

والمبين إجمال النسبة هو: المسوق لبيان ماتعلق به العامل: من فاعل، أومفعول، نحو: "طاب زيدنفسًا"، ومثله: ﴿واشتعل الرأس شيبًا﴾، و"غرست الأرض شجرًا"، ومثله: ﴿وفجرنا الأرض عيونا﴾

ف"نفسًا" تمييز منقول من الفاعل، والأصل: "طابت نفس زيد"، و"شجرًا" منقول من المفعول، والأصل: "غرست شجر الأرض" فبين "نفسًا" الفاعل الذى تعلق به الفعل، وبين "شجرًا" المفعول الذى تعلّق به الفعل.

والنّاصب له فى هذا النوع هو العامل الذى قبله

ترجمہ وتشریح:

تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں:

اس سے پہلے فضلات میں مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول معہ، مستثنیٰ، حال، کا ذکر ہوا اب تمییز کا ذکر کر رہے ہیں۔

تمییز کو مفسّر، تفسیر، مُبیّن، تبیین، ممیّز بھی کہتے ہیں۔

تمییز ہر وہ اسم ہے جو نکرہ ہو مِن کے معنی کو متضمن ہو اور ماقبل کے اجمال کو بیان کرے جیسے طاب زید نفسًا (زید از روئے نفس خوش ہوا) عندی شبر أرضًا (میرے پاس ایک بالشت بھر زمین ہے)

متضمّن معنی من کہکر حال سے احتراز کیا اس لئے کہ وہ فی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے "لبیان ماقبلہ" کہکر اس سے احتراز کیا جو "مِن" کے معنی کو متضمن ہو لیکن اس میں ماقبل کے اجمال کا بیان نہ ہو جیسے لانفی جنس کا اسم، جیسے "لارجلَ قائمٌ" فانّ التقدير "لامِنْ رَجُلٍ قائم"

"لبیان ماقبلہ من اجمال" تمییز کی دونوں قسموں کو شامل ہے قسم اوّل وہ جو ذات کے اجمال کو بیان کرے اور قسم ثانی وہ جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے۔

فالمبيّن إجمال الذات الخ:

ذات کے اجمال کو بیان کرنے والی تمییز وہ کہلاتی ہے جو مقادیر کے بعد واقع ہو یعنی ان اشیاء کے بعد جن کی مقدار ہوتی ہے مقادیر تین چیزوں سے عبارت ہے مسوحات سے (یعنی جن کو ناپا جاتا ہے) جیسے "لَهُ شِبْرٌ اَرضًا" مکیلات سے (یعنی جن کا کیل ہوتا ہے) جیسے لَهُ قفيزٌ بُرًّا (اس کے پاس ایک قفیز ہے از روئے گیہوں کے. قفیز ایک قسم کا پیمانہ ہے قفیز کیل ہے اس میں ابہام تھا جب برًّا اس کی تمییز آ گئی تو اس نے اس ابہام کو دور کیا)

موزونات سے (یعنی جن کا وزن کیا جاتا ہے) جیسے "لَهُ مَنَوَانِ عَسَلاً وتمرًا (من ایک سیر) (والاعداد) یہ مجرور ہے عطف ہے "المقادير پر یعنی المبيّن اجمال الذات وہ بھی ہے جو اعداد کے بعد واقع ہو جیسے "عندی عشرون درهمًا"

والمبيّن اجمال النسبة الخ:

تمییز کی دوسری قسم جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے اور یہ وہ ہے جس کو اس چیز کے بیان کیلئے چلایا گیا ہو جس کے ساتھ عامل متعلق ہو، بعض مرتبہ وہ فاعل سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے "طَابَ زيدٌ نفسًا، اشتعلَ الرأسُ شيبًا، اصل میں "طابَتْ نفسُ زيدٍ، اشتعلَ شيبُ الرأس" تھے مضاف الیہ کو فاعل اور مضاف کو تمییز بنایا۔

اور بعض مرتبہ تمییز مفعول سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے غرستُ الارضَ شجرًا اور "فجّرنا الارضَ عيونًا" اصل میں غرستُ شجرَ الارضِ، اور فجّرنا عيونَ الارضِ، تھے اس میں بھی مضاف الیہ کو مفعول اور مضاف کو تمییز بنایا گیا۔

ان مثالوں میں (مثلاً) نفسًا نے فاعل کو اور "شجرًا" نے اس مفعول کو بیان کیا جس سے فعل متعلق ہے۔

اور عامل ان کیلئے وہی ہے جو ان سے پہلے ذکر ہے۔

وَبَعْدَ ذِي وَشِبْهِهَا اجْرُرْهُ اِذَا
اَضَفْتَهَا كَـ"مُدُّ حِنْطَةٍ غِذَا"
وَالنَّصْبُ بَعْدَ مَا اُضِيفَ وَجَبَا
اِنْ كَانَ مِثْلَ "مِلْءُ الارضِ ذَهَبًا

ترجمہ:......ان مقدرات اور ان کے مشابہ کے بعد ان کو مضاف کرنے کی صورت میں
آپ تمییز کو جر دیں جیسے "مُدُ حنطةٍ هذا" اور اضافت کے بعد نصب واجب ہے اگر
ملء الارض ذهبًا، کی طرح ترکیب ہو (تفصیل آگے شرح میں ہے)

(ش) أشار بـ "ذی" إلى ما تقدم ذكره في البيت من المقدرات - وهو ما دل على مساحة، أو كيل، أو وزن - فيجوز جر التمييز بعد هذه بالإضافة إن لم يضف إلى غيره، نحو: "عندي شبر أرض، وقفيز بر، ومنوا عسل وتمر"

فإن أضيف الدال على مقدار إلى غير التمييز وجب نصب التمييز، نحو: "ما في السماء قدر راحة سحابًا"، ومنه قوله تعالى: ﴿فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض ذهبًا﴾

وأما تمييز العدد فسيأتي حكمه في باب العدد.

ترجمہ و تشریح:

بعض جگہ تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے:

متن میں ماتن نے "ذی" کہکر ان مقدرات کی طرف اشارہ کیا جن کا پہلے ذکر ہو چکا، اگر یہ مقدرات تمییز کی طرف مضاف ہوں تو تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے جیسے "عندی شبر ارضٍ، قفیز برٍ، منوا عسلٍ وتمرٍ، لیکن اگر تمییز کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو تمییز کا نصب واجب ہے جیسے " مافی السماء قدرُ راحةٍ سحابًا" اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "فلن يقبل من احدهم ملءُ الارض ذهبًا"

عدد کی تمییز کا حکم عدد کے باب میں آئے گا انشاء اللہ (طریقہ عصریہ میں بھی پوری تفصیل موجود ہے۔)

وَالْفَاعِلَ الْمَعْنَى انْصِبَنْ بِأَفْعَلَا
مُفَضِّلاً كَـأَنْتَ أَعْلَى مَنْزِلاً

ترجمہ:......جو تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہو اس کو افعل تفضیلی کے ساتھ نصب
دیدیں جیسے أنت أعلیٰ منزلاً (آپ مرتبہ کے اعتبار سے بلند ہیں)

(ش) التمييز الواقع بعد أفعل التفضيل إن كان فاعلاً في المعنى وجب نصبه، وإن لم يكن كذلك وجب جره بالإضافة.

وعلامة ما هو فاعل في المعنى: أن يصلح جعله فاعلا بعد جعل أفعل التفضيل فعلا، نحو: "أنت أعلى منزلا، وأكثر مالا" ف"منزلا، ومالا" يجب نصبهما؛ إذ يصح جعلهما فاعلين بعد جعل أفعل التفضيل فعلا؛ فتقول: أنت علا منزلك، وكثر مالك.

ومثال ما ليس بفاعل في المعنى: "زيد أفضل رجل، وهند أفضل امرأة" [فيجب جره بالإضافة، إلا إذا أضيف "أفعل" إلى غيره، فإنه ينصب حينئذ، نحو: "أنت أفضل الناس رجلا"].

ترجمہ وتشریح:

جو تمییز اسم تفضیل کے بعد واقع ہو اگر معنی کے اعتبار سے وہ فاعل ہے تو اس کا نصب ورنہ جر بالا ضافۃ واجب ہے۔

معنی کے اعتبار سے فاعل کی علامت یہ ہے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد اس کا فاعل ہونا صحیح ہو جیسے "انتَ أعلىٰ منزلاً" "اكثرُ مَالاً" یہاں "منزلاً" "مالاً" دونوں تمییز ہیں اسم تفضیل (أعلیٰ ، اکثر) کے بعد واقع ہیں نصب ان کا واجب ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد ان تمیزوں کا فاعل بننا صحیح ہے چنانچہ "انتَ عَلاَ منزلکَ" "كثُرَ مَالکَ" پڑھنا صحیح ہے۔ معنی کے اعتبار سے تمییز فاعل نہ ہو اس کی مثال "زیدٌ افضلُ رجلٍ وهندٌ افضلُ امرءَةٍ" ہے یہاں تمییز کو مجرور بالاضافۃ پڑھنا ضروری ہے البتہ اگر اسم تفضیل کی اضافت تمیز کے علاوہ غیر کی طرف ہو تو اس وقت اس کا نصب واجب ہے۔ جیسے "انتَ افضلُ النّاسِ رَجُلاً"

وَبَعْدَ كُلِّ مَا اقْتَضَى تَعَجُّبَا

مَيِّزْ كَـ "أَكْرِمْ بِأَبِي بَكْرٍ أَبَا"

ترجمہ:...... ان سب کے بعد جو تعجب کا تقاضہ کرے تمییز بنائیں جیسے اکرم الخ (ابوبکر کتنا ہی اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے)

(ش) یقع التمییز بعد کل ما دل علی تعجب نحو "ما احسن زیدا رجلا، واکرم بابی بکر ابا، ولله درک عالما، وحسبک بزید رجلا، وکفی به عالما"

۱۹۳۔ "یا جارتا ما انت جارہ"

ترجمہ وتشریح:

جو تعجب پر دلالت کرے ان کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے جیسے "ما احسن زیدا رجلا الخ"

اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

"یا جارتا ما انت جارہ"

(اس سے پہلے والا شعر یہ ہے "بانت لتحزننا عفارۃ)

ترجمہ:...... عفارہ نامی محبوبہ الگ ہوگی" تاکہ ہمیں پریشان کردے، اے میری پڑوسن تم کتنی خوب ہو پڑوسن ہونے کے اعتبار سے (یعنی تو دیگر پڑوسیوں کی طرح نہیں بلکہ ان سے زیادہ قریب ہے اس لئے مجھے آپ کی جدائیگی پر تعجب ہے)

تشریح المفردات:

(بانت) ضرب سے بمعنی غائب' الگ ہونے کے معنی میں ہے، (بائنہ) بھی اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے شوہر سے علیحدہ ہو چکی ہو، (عفارۃ) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے، ترکیب میں بانت" کیلئے فاعل ہے۔

(یا جارتا) اصل میں "یا جارتی" (بکسر التاء وفتح الیاء) تھا کسرہ کو فتحہ سے تبدیل کیا، یاء متحرک ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے تبدیل کیا۔

محل استشہاد:

(جارۃ) محل استشہاد ہے "ما انت" کے بعد (جو تعجب پر دلالت کرتا ہے) تمییز واقع ہے۔ واضح رہے کہ تعجب پر دلالت کرنے والی کسی بھی چیز کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے اگرچہ تعجب کے دونوں صیغوں (ما افعلہ، افعل بہ) کے علاوہ ہو یا ان ہی دو صیغوں میں سے ہو۔

وَاجْرُرْ بِمِنْ إِنْ شِئْتَ غَيْرَ ذِي الْعَدَدْ
وَالْفَاعِلِ الْمَعْنَى كَـ"طِبْ نَفْسًا تُفَدْ"

ترجمہ:...... آپ مِنْ کے کے ذریعہ جر دیں (اگر آپ چاہیں) اس تمیز کو جو عدد والا نہ ہو اور جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہ ہو جیسے "طِبْ نَفْسًا تُفَدْ" (آپ خوش ہوں ازروئے نفس آپ فائدہ پائیں گے) "طِبْ نفسًا" میں تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہے اسی طابَتْ نفسُکَ" لہٰذا نفسًا میں جر جائز نہیں)

(ش) يجوز جر التمييز بمن إن لم يكن فاعلا في المعنى، ولا مميزًا لعدد؛ فتقول: "عندي شبر من أرض، وقفيز من بر، ومنوان من عسل وتمر، وغرست الأرض من شجر" ولا تقول: "طاب زيد من نفس" ولا "عندي عشرون من درهم"

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے معنی کے اعتبار سے فاعل تمییز کا ذکر ہو چکا اور عدد کی تمییز کا ذکر آگے آ رہا ہے۔
ابھی یہ بتا رہے ہیں کہ جو تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل بھی نہ ہو اور عدد کیلئے بھی نہ ہو تو اس صورت میں تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے جیسے "عندي شبرٌ من أرضٍ" الخ طابَ زیدٌ من نفسٍ، عندي عشرونَ مِنْ دِرهمٍ" خلاف قاعدہ ہونے کی وجہ صحیح نہیں۔

وَعَامِلَ التَّمْيِيزِ قَدِّمْ مُطْلَقَا
وَالْفِعْلُ ذُو التَّصْرِيفِ نَزْرًا سُبِقَا

ترجمہ:...... تمییز کے فاعل کو آپ مطلقًا مقدم کریں، اور فعل متصرف (عامل) کو کبھی پہلے کیا جاتا ہے (یعنی فعل متصرف عامل کبھی تمیز سے پہلے بھی آتا ہے)

(ش) مذهب سيبويه -رحمه الله- أنه لا يجوز تقديم التمييز على عامله، سواء كان متصرفًا أو غير متصرف؛ فلا تقول: " نفسًا طاب زيدٌ" ولا "عندي درهمًا عشرون"

وأجاز الكسائي، والمازني، والمبرد، تقديمه على عامله المتصرف؛ فتقول: " نفسًا طاب زيدٌ، وشيبًا اشتعل رأسي"، ومنه قوله:

۱۹۴- أَتَهْجُرُ لَيْلَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا
وَمَا كَانَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

وقوله:

۱۹۵- ضَيَّعْتُ حَزْمِي فِي إِبْعَادِيَ الْأَمَلَا
وَمَا ارْعَوَيْتُ وَشَيْبًا رَأْسِي اشْتَعَلَا

ووافقهم المصنف في غير هذا الكتاب على ذلك، وجعله في هذا الكتاب قليلا.

فإن كان العامل غير متصرف؛ فقد منعوا التقديم: سواء كان فعلا، نحو: "ما أحسن زيدًا رجلا" أو غيره، نحو: "عندي عشرون درهمًا"

وقد يكون العامل متصرفًا، ويمتنع تقديم التمييز عليه عند الجميع، وذلك نحو: "كفى بزيد رجلا " فلا يجوز تقديم "رجلا" على "كفى" وإن كان فعلا متصرفا؛ لأنه بمعنى فعل غير متصرف، وهو فعل التعجب؛ فمعنى قولك "كفى بزيد رجلا": ما أكفاه رجلا!

ترجمہ وتشریح:

تمییز کو اس کے عامل پر مقدّم کرنا:

سیبویہ رحمہ اللہ اور دیگر اکثر حضرات کے ہاں تمییز کو اس کے عامل پر مقدّم کرنا صحیح نہیں چاہے عامل فعل متصرف ہو یا غیر متصرف (متصرف وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے) چنانچہ "نفسًا طابَ زیدٌ "عندی درهمًا عشرون (بتقدیم الحال) نہیں کہا جائے گا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۴ - أَتَهْجُرُ لَيْلَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا
وَمَا كَانَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

ترجمہ:...... کیا جدائی کی وجہ سے لیلیٰ اپنے محبوب کو چھوڑے گی؟ حالانکہ لیلیٰ اس پر از روئے نفس خوش نہیں۔

تشریح المفردات:

(ا) ہمزہ استفہام انکاری کیلئے ہے (تھجر) واحد مؤنث غائب مضارع کا صیغہ ہے لیلی اس کیلئے فاعل ہے، بمعنی چھوڑنا، قطع تعلق کرنا، (ما) نافیہ ہے (کان) زائدہ ہے (تطیب) میں (ھی) ضمیر "لیلی" کی طرف راجع ہے بعض روایات میں "لیلیٰ" کی جگہ "سلمٰی" کا ذکر ہے۔

محل استشہاد:

(نفسا) محل استشہاد ہے تمییز واقع ہے اور فعل متصرف "تطیب" اس پر مقدم ہے، کوفیین، کسائی، مازنی، مبرد رحمہم اللہ کے ہاں یہ جائز ہے جبکہ سیبویہ اور جمہور اس کو ضرورت شعری پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا اس پر قیاس صحیح نہیں۔ ابو اسحاق الزجاج رحمہ اللہ کے ہاں۔

"وَمَا كَانَ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ"

اور ابو الحسین رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق

"أَتُؤْذِنُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا
وَلَمْ تَكُ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

آیا ہے اس صورت میں امام کسائی وغیرہ کیلئے کوئی محل استشہاد نہیں۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۹۵۔ ضَيَّعْتُ حَزْمِي فِي إبْعَادِي الأَمَلاَ
وَمَا ارْعَوَيْتُ وَشَيْبًا رَأْسِي اشْتَعَلا

ترجمہ:...... میں نے اپنی حسن تدبیر اور احتیاط ضائع کردی دور امیدوں کے رکھنے میں،
اور باز نہیں آیا حالانکہ میرے سر کے بال سفید ہو گئے۔

تشریح المفردات:

(ضَيَّعْتُ) باب تفعیل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، بمعنی ضائع کرنا، (ابعادی) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے، (الاملا) ابعاد کیلئے مفعول ہے (ارعویت) بمعنی رجوع کرنا، باز آنا، (شیبًا) تمیز مقدم ہے، اشتعل فعل متصرف پر، (اشتعل) بمعنی انتشر۔

محل استشہاد:

(شیبا) محل استشہاد ہے تمیز واقع ہے اور مقدم ہے "اشتعل"، فعل متصرف پر، جو امام مبرد، کسائی، مازنی رحمہ اللہ (مصنفؒ نے بھی الفیہ کے علاوہ کتابوں میں اس کی تائید کی ہے) کے ہاں جائز ہے جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ اور اکثر حضرات کے ہاں یہ صحیح نہیں البتہ اس قسم کے اشعار ضرورت پر محمول ہیں۔

فان كان العامل غير متصرّف الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اگر عامل غیر متصرف ہو تو پھر سب کے ہاں تمیز کی تقدیم اس پر صحیح نہیں چاہے فعل ہو یا اس کے علاوہ۔

وقد یکون العامل الخ:

کبھی اس طرح بھی ہوا کرتا ہے کہ عامل متصرّف ہوتا ہے پھر بھی سب کے ہاں اس پر تمییز کی تقدیم صحیح نہیں ہوتی (یہ کبھی کبھار ہوتا ہے ورنہ تو فعل متصرّف کی تقدیم میں اختلاف کی تفصیل ابھی گزر گئی) جیسے "کفیٰ بزیدٍ رَجُلاً" یہاں رجلاً تمییز کو "کفیٰ" پر مقدم نہیں کر سکتے اگرچہ "کفیٰ" فعل متصرف ہے، لیکن چونکہ "کفیٰ" فعل غیر متصرّف (یعنی فعل تعجب) کے معنیٰ میں ہے اس وجہ سے (غیر متصرّف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی تقدیم بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ "کفیٰ بزیدٍ رجُلاً" کے معنیٰ ہیں "مَا اکفاہُ رَجُلاً"

....

الاختتام

تمّ المجلّد الثانی من "اوضح التسہیل لشرح ابن عقیل" بفضلہ تعالیٰ ومنہ وکرمہ فالحمد للہ اوّلاً وآخراً وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین، آمین یاربّ العالمین۔

کتبہ

العبد الضعیف علی الرّحمٰن فاروقی

یوم الجمعۃ مساءً ۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ

قرآن وحدیث سے اجتہاد کی مشروعیت اور حنفی مذہب کے متعلق مفید معلومات پر
مشتمل مختصر اور جامع کتاب بنام

"اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت"

علی الرحمٰن فاروقی

پسند فرمودہ

مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ

جس میں نحو کے اول تا آخر تمام مباحث مختص پیرائے
میں اور نحو کی مشہور کتاب نحو میر کی بہترین شرح ہے
نیز مقدمہ اور خاتمہ میں نحو کی تاریخی اور علما نحو
سمیت مختلف ائمہ کا تذکرہ ہے

از افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ

مؤلف

مولانا حبیب اللہ اچکزئی

فاضل درسِ نظامی پاکستان
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

الناشر

مکتبۃ العلوم ۔ دوکان نمبر ۹ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

الخیر الکثیر

شرح

نحو میر

جس میں نحو میر کی متن کا اردو میں سلیس ترجمہ اور ذیل میں ہر سبق کی تشریح کے عنوان سے مختصر شرح کی گئی ہے

مؤلف

مولانا حبیب اللہ چکزئی

مدرس جامعۃ الفرقان کراچی

ناشر

مکتبۃ العلوم۔ دوکان نمبر ۹ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی